إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

بے شک اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں
(حدیث)

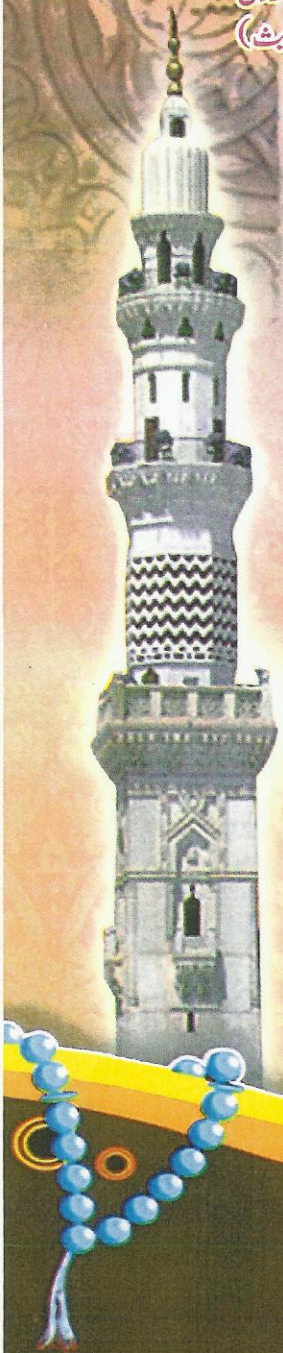

معاشرتی آداب و اخلاق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تالیف:

خلیق احمد مفتی

اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخلَاقِ

بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں

(حدیث)

معاشرتی آداب واخلاق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تألیف:

خلیق احمد مفتی

ناشر:

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب : معاشرتی آداب واخلاق
طبع : اول
تألیف : خلیق احمد مفتی
ناشر :

﴿ رابطہ ﴾
پوسٹ بکس نمبر:1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔
khaleeqmufti@hotmail.com

☆☆☆

فہرستِ مضامین

عنوان :	صفحہ :
حرفِ آغاز	۵
☆انسان اور معاشرہ:	
انسان کیلئے معاشرے کی ضرورت واحتیاج	۱۰
☆اسلام اور معاشرہ:	
اسلامی معاشرے کے امتیازی اوصاف	۱۴
آفاقی نظام	۵۱
مساوات	۱۶
فضیلت کا معیار: تقویٰ	۲۲
اسلامی اخوت واتحاد کی بنیاد: لا الٰہ الا اللہ	۲۸
☆اسلامی معاشرہ اور حسنِ اخلاق:	
حسنِ اخلاق کی اہمیت	۳۶
ارکانِ اسلام اور اخلاقی تعلیم	۴۲
اخلاقی کمزوری ایمانی کمزوری کی علامت ہے	۴۶
صدق	۵۰
امانت ودیانت	۶۱
ایفائے عہد	۷۴

عنوان :	صفحہ :
عدل وانصاف	۸۲
رحم دلی ومہربانی	۹۸
حسد؛ بدترین خصلت	۱۱۰
زبان کی حفاظت	۱۳۰
تکبر سے اجتناب	۱۵۵
غصہ؛ دین ودنیا کا خسارہ	۱۶۳
صبر؛ دنیاوآخرت میں کامیابی کا راز	۱۷۲
شکرگذاری؛ مؤمن کی خاص صفت	۱۸۴
شرم وحیاء	۲۰۲
اعتدال	۲۰۷
☆اسلامی معاشرہ اور حقوق العباد:	
والدین کا مقام ومرتبہ	۲۲۶
اولاد؛ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' مگر کس طرح؟	۱۴۲
زوجین کے حقوق وفرائض	۲۵۴
قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک	۲۶۵
پڑوسی کا احترام	۲۶۸۔۲۷۰

☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز:

الحمد للّٰہ ربّ العالمین ، والصّلاۃ والسّلام علیٰ أشرف الأنبیاء والمرسلین ، نبیّنا محمّد وعلیٰ آلہ وأصحابہ أجمعین ، أمابعد :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کی جسمانی وفطری ضروریات کی تکمیل کیلئے وسائل مہیا فرمائے، اسے خیر وشر میں فرق کرنے کی صلاحیت، عقل، اور ضمیر کی آواز عطا فرمائی۔ اس کے علاوہ اس کی کامل رہنمائی کی غرض سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اوران پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ ان انبیائے کرام علیہم السلام کے مقاصدِ بعثت میں ''مکارمِ اخلاق'' کی تعلیم اور ''رذائلِ اخلاق'' سے مکمل اجتناب کی تاکید وتلقین بھی شامل تھی۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے:﴿لَقَد مَنَّ اللّٰہُ عَلَیٰ المُؤمِنِینَ اِذ بَعَثَ فِیھِم رَسُولاً مِّن أَنفُسِھِم یَتلُوا عَلَیھِم آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیھِم وَیُعَلِّمُھُمُ الکِتَابَ وَ الحِکمَۃَ وَ اِن کَانُوا مِن قَبلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِینٍ﴾ (۱) ترجمہ:(بیشک اللہ نے مؤمنین پر بڑا ہی احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

اس آیت میں: وَیُزَکِّیھِم سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ آپ ﷺ کے فرائض منصبی

(۱) آل عمران[۱۶۴]

نیز آپؐ کے مقاصدِ بعثت میں ''تزکیۂ نفوس'' بھی شامل ہے، یعنی آپ ﷺ کو اللہ کے حکم سے انسانی معاشرے کو کفر وشرک، معصیت وضلالت، نیز تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاک وصاف فرمادینے کی غرض سے مبعوث فرمایا گیا، جیسا کہ خود آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلَاقِ) (۱) ترجمہ: (بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کیلئے عقائد ونظریات کی درستی وسلامتی کے ساتھ افکار وخیالات اور اخلاق وکردار کی بلندی وشائستگی بھی ضروری ولازمی ہے، کیونکہ انسان محض گوشت پوست کے اس ظاہری وجود کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل چیز تو اس کی انسانیت، شرافت، نجابت اور اخلاق وکردار ہے۔

آج کے اس دور میں زندگی کے ہر شعبہ میں تیز رفتاری، خصوصاً اتصالات ومواصلات کی برق رفتار ترقی نے اگرچہ یقیناً انسانیت کی خدمت کے معاملے میں مثبت کردار ادا کیا ہے، لیکن اس تلخ حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ معاشرے پر اس کے منفی نتائج وثمرات کی چھاپ بھی بہت گہری ہے، اور اس کے برے اثرات نہایت سرعت کے ساتھ ذہنوں میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انتہائی نازک، قابلِ تشویش اور حساس ترین پہلو یہ ہے کہ اس منفی صورتِ حال کی بدولت معاشرے میں تیزی کے ساتھ ''اخلاقی اقدار'' کے معیار تبدیل ہونے لگے ہیں، خیر وشر کے پیمانے بدل رہے ہیں.....!

تیزی سے بدلتے ہوئے ان رجحانات، کروٹ بدلتے ہوئے ان حالات، اور چہار سو مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کی یلغار کے اس پرآشوب دور میں امتِ مسلمہ کو عموماً اور نوجوان نسل کو

(۱) مجمع الزوائد (بحوالہ: بزار، باب فی حسن خلقہٖ وحیائہٖ وحسن معاشرتہٖ) ج:۹، ص:۱۵۔

خصوصاً اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی مقرر فرمودہ اخلاقی اقدار اوراس سلسلہ میں دینِ اسلام کی تابندہ ودرخشاں تعلیمات سے منسلک ووابستہ رکھنے کی حسرت وتمنا دل میں لئے ہوئے ''معاشرتی آداب واخلاق'' کے نام سے یہ معمولی سی تحریر اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں اللہ کا نام لے کر پیش کر رہا ہوں اور ربِ کائنات کے حضور دست بدعاء ہوں کہ وہ میری اس حقیر سی کوشش کو اپنے خاص لطف وکرم سے شرفِ قبولیت سے نوازے، اور اسے میرے لئے، نیز میرے والدین، اہل وعیال، ذوی الأرحام، اساتذہ کرام، اور ہر اس شخص کیلئے ذخیرۂ آخرت بنادے جس نے کسی بھی شکل میں اس کی طباعت واشاعت میں تعاون کیا ہو۔

وآخر دعوانا أن الحمدللّٰہ ربّ العالمین ۔

وصلّیٰ اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمّد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین .

خلیق احمد مفتی

۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ، مطابق ۱۵/ جنوری ۲۰۰۷ء بروز پیر۔

پوسٹ بکس نمبر:1625 عجمان، متحدہ عرب امارات ۔

khaleeqmufti@hotmail.com

face book: Khaleeq Ahmed Mufti

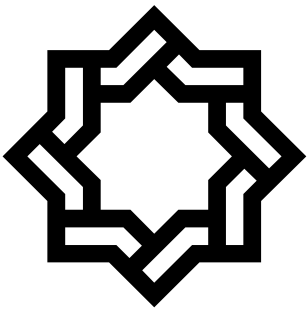

☆☆☆

انسان

اور

معاشرہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

انسان کیلئے معاشرے کی ضرورت واحتیاج

انسان ''اُنس'' سے مأخوذ ہے، جس کا لفظی معنیٰ ہے ''مانوس'' ہونا، لہٰذا لفظ: ''انسان'' کے معنیٰ ہوئے: ''مانوس ہونے والا''۔(۱)

''انسان'' کی وجہِ تسمیہ یہی ہے کہ وہ پیدائشی وفطری طور پر ہی ''مدنی الطبع'' اور مانوس ہونے والا ہے۔یعنی وہ ہمیشہ انسانی آبادی کے درمیان' نیز دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے، انسانی آبادی سے دور کسی ویران وبیابان اور الگ تھلگ مقام پر تنہا زندگی گذارنا اس کیلئے ممکن نہیں، اسے تنہائی سے وحشت محسوس ہوتی ہے، اس کیلئے تنہائی یقیناً بہت بڑا اور ناقابلِ برداشت عذاب ہے، تنہائی کا شکار انسان بسا اوقات ایسے جسمانی ونفسیاتی واخلاقی امراض میں مبتلا ہوجاتا ہے جو اس کی صحت وسلامتی کیلئے مہلک وتباہ کن اور زہرِ قاتل ثابت ہوتے ہیں، اسی لئے جیلوں اور قیدخانوں میں ''قیدِ تنہائی'' کو انتہائی تکلیف دہ اور شدید ترین قید تصور کیا جاتا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان مدنی الطبع ہے، انسانی آبادی سے دور رہنا اس کیلئے ممکن نہیں، تو اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اپنی اسی فطری وطبعی جبلت اور اسی مزاج کی وجہ سے بہت سے انسان جب باہم مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے اس عمل کے نتیجے میں ''انسانی معاشرہ'' وجود میں آتا ہے۔

خالقِ کائنات نے اس انسانی معاشرے کے ارتقاء اور اس کی بقاء ودوام کی غرض سے ایسا

(۱) ''اَنَس'' اور ''اِنس'' کے بھی یہی معنیٰ ہیں، یعنی ''مانوس'' ہونے والا۔

قدرتی نظام وضع فرمادیا ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں دوسرے کی ضرورت واحتیاج ہے، گویا ہر انسان کی سلامتی وبقاء کا انحصار کسی نہ کسی درجہ میں دوسرے انسانوں کی سلامتی وبقاء پر ہے، اوران سب ہی کے مفادات ومصالح باہم پیوستہ ہیں، خواہ ان میں آپس میں والدین اوراولاد کا رشتہ ہو، وہ میاں بیوی ہوں، قرابت دار ہوں، پڑوسی ہوں، خادم ومخدوم یا حاکم ومحکوم ہوں، یا خریدار اور دکاندار کے باہمی معاملات ہوں.....! قدرت کا وضع کردہ ''بقائے باہمی'' کا یہ اصول ہمیشہ اور ہر جگہ کارفرما نظر آئے گا۔

''بقائے باہمی'' کے اسی اصول کا لازمی ومنطقی نتیجہ یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں ہر فرد کے ذمے کچھ ''فرائض وواجبات'' ہیں، نیز اسی طرح اس کے کچھ ''حقوق'' ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں یہ بنیادی اصول ہمیشہ ہر انسان کے پیشِ نظر رہنا چاہئے کہ پہلے مکمل خلوص، محنت، لگن اور امانت ودیانت کے ساتھ ''فرائض وواجبات'' کی ادائیگی کا اہتمام والتزام ہو، اس کے بعد ''حقوق'' کی وصولی کی خواہش وامید رکھی جائے، پہلے خوب دل لگا کر محنت وکوشش کی جائے اور اپنا فرض ادا کیا جائے، اس کے بعد معاوضے کی وصولی کی امید رکھی جائے (۱) معاشرے کا ہر فرد جب اس بنیادی اصول پر مکمل ثابت قدمی کے ساتھ کاربند رہے گا تب ہی معاشرے میں امن وامان اور سکون واطمینان کی فضاء قائم ہوسکے گی، اور معاشرہ بخیر وعافیت ترقی وخوبی اور خوشحالی وسلامتی کی شاہراہ پر گامزن رہ سکے گا۔

لیکن اگر اس کے برعکس واجبات کی ادائیگی کی تو کوئی فکر نہو، اپنی ذمے داریوں سے جی چرایا جائے یا دامن چھڑانے کی کوشش کی جائے.....مگر حقوق کی وصولی کے معاملہ میں بڑی

(۱) جیسا کہ مشہور محاورہ ہے: First deserve then desire.

پھرتی ومستعدی، بے چینی و بے صبری، ہمت وکوشش اور خوب جوش وخروش اور ذوق وشوق کا مظاہرہ کیا جائے.....! تو یقیناً ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوجائے گا، ترقی وکامیابی اور خوشحالی کی بجائے معاشرہ زوال وانحطاط کا شکار ہوجائے گا، اور یوں بالآخر رفتہ رفتہ انسانی معاشرے کی عمارت زمین بوس ہوکر رہے گی۔

☆.....☆.....☆

اسلام

اور

معاشرہ

اسلامی معاشرے کے امتیازی اوصاف

(۱) آفاقی نظام:

انسان ''فطری'' طور پر مدنی الطبع ہے، اور اسلام بھی ''دینِ فطرت'' ہے۔ لہٰذا انسانی معاشرت اور اس بارے میں حقوق وفرائض یا معاشرتی آداب واخلاق کا جب بھی تذکرہ ہوگا تو یقیناً اسلام کی ''معاشرتی تعلیمات'' کو ہی ہمیشہ بنیادی حیثیت واہمیت حاصل رہے گی، کیونکہ اسلامی تعلیمات تو آسمانی وآفاقی ہیں، جن کی اساس کسی انسان کے افکار وخیالات یا اس کے وضع کردہ اصول ونظریات پر نہیں، بلکہ یہ تعلیمات انسان کے رب اور اس کے خالق ومالک کی طرف سے نازل فرمودہ ہیں، جو انسان کے نفع ونقصان کو خود انسان سے بھی بڑھ کر جانتا ہے، کیونکہ وہ خالق ہے اور انسان اس کی مخلوق ہے، خالق کا علم کامل، جبکہ مخلوق کا علم ناقص ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعلَمُ وَأَنتُم لَاتَعلَمُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے)

مزید یہ کہ جس اللہ نے اپنی قدرت ومشیت سے انسان کو پیدا کیا ہے، یقیناً انسان کیلئے مصالح ومفاسد اور اس کے نفع ونقصان کے بارے میں بھی اسے مکمل اور قطعی ویقینی علم ہے، کیونکہ اس بات کا تو تصور بھی محال ہے کہ خالق کو اپنی ہی مخلوق کے نفع ونقصان کے بارے میں علم وآگاہی نہ ہو، اور پھر اللہ تو علیم وخبیر اور سمیع وبصیر ہے، اور وہ تو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے.....!

(۱) النور [۱۹]

اسی حقیقت کی طرف اس ارشادِ ربانی میں اشارہ ہے:﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (۱) ترجمہ:(کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ جبکہ وہ تو باریک بین اور باخبر بھی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (۲) ترجمہ:(ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے، اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں، اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

لہٰذا عقلِ سلیم اس حقیقت کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اسلام کی معاشرتی تعلیمات ہی انسانی معاشرے کی صلاح وفلاح کی ضامن؛ نیز اس کی ترقی وخوبی کیلئے مشعلِ راہ اور اس کی سلامتی؛ اس کی بقاء اور اس کے دوام کیلئے مضبوط ومستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ یہ آسمانی وآفاقی؛ بلکہ ''ربانی'' تعلیمات ہیں کہ جن کی بنیاد عقیدہ وایمان پر ہے۔

(۲) مساوات: (یعنی: لسانی، نسلی، وطبقاتی تقسیم سے پاک معاشرہ):

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (۳) ترجمہ:(اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے؛ جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی جان سے، اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا اور ان دونوں سے پھیلا دیا بہت سے مردوں اور عورتوں کو)

اس آیت میں تمام انسانوں کو ان کے پروردگار اور ان کے خالق ومالک کی طرف سے

(۱) الملک[۱۴] (۲) ق[۱۶] (۳) النساء[۱]

''خوفِ خدا'' کو اپنا شیوہ وشعار بنانے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی انہیں یہ تاکید وتلقین کی گئی ہے کہ وہ اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سب کو ایک ہی ماں باپ' یعنی آدم وحوا سے پیدا کیا ہے، لہٰذا انسانیت کے لحاظ سے تمام انسان برابر ہیں، رنگ ونسل' حسب ونسب' مال ودولت' جاہ وحشمت' حسن وجمال' زبان وبیان' قوم وقبیلہ' برادری اور ذات' نیز علاقے یا صوبے کی بنیاد پر انسانوں میں باہم امتیاز اور تفریق وتقسیم کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:﴿اِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُم أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ أَنَا رَبُّكُم فَاعْبُدُونِ﴾(۱)

ترجمہ:(یقیناً یہ تمہاری امت[صرف]ایک ہی امت ہے، اور میں ہی تمہارا رب ہوں، سو میری ہی عبادت کرو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَيسَ مِنَّا مَن دَعَىٰ اِلَىٰ عَصَبِيَّةٍ ، لَيسَ مِنَّا مَن قَاتَلَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ ، لَيسَ مِنَّا مَن مَاتَ عَلَىٰ عَصَبِيَّةٍ) (۲)

ترجمہ:(وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بناء پر جھگڑا کیا[یا جنگ لڑی]، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بناء پر جان دے دی)(۳)

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(النَّاسُ بَنُو آدَم ، و آدَمُ مِن تُرَابٍ) (۴)

ترجمہ:(تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں)

---

(۱)الانبیاء[۹۲] (۲)ابوداؤد[۵۱۲۱]

(۳)یعنی عصبیت کی بناء پر لڑتا ہوا مارا گیا۔''عصبیت'' سے مراد قومی ولسانی تعصب' نیز رنگ ونسل کی بنیاد پر روا رکھی جانے والی ہر تمیز اور تفریق وتقسیم ہے۔

(۴) ترمذی[۳۹۵۶]ابوداؤد[۵۱۱۶]باب التفاخر بالأحساب۔

حجۃ الوداع کے موقع آپ ﷺ نے جو یادگار خطبہ دیا' جو کہ قیامت تک تمام انسانیت کیلئے منشور اور دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے' اس خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

(یَا أَیُّهَا النَّاس ! اِنَّ رَبَّکُم وَاحِدٌ ، وَاِنَّ أَبَاکُم وَاحِدٌ ، أَلَا لَافَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلَیٰ عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلَیٰ عَرَبِیٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَیٰ أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَیٰ أَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقوَیٰ، اِنَّ أَکرَمَکُم عِندَ اللّٰهِ أَتقَاکُم) (۱)

ترجمہ: (اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ [آدم علیہ السلام] ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر' کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، ہاں مگر ''تقویٰ'' کے ذریعے، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے)

اسی طرح فتحِ مکہ کے یادگار موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اَلنَّاسُ رَجُلَان : بَرٌّ تَقِیٌّ کَرِیمٌ عَلَیٰ اللّٰهِ ، وَفَاجِرٌ شَقِیٌّ هَیِّنٌ عَلَیٰ اللّٰهِ) (۲)

ترجمہ: (تمام انسانوں کی صرف دو ہی قسمیں ہیں، ایک: نیک اور متقی، جو اللہ کے نزدیک باعزت اور محترم ہے۔ دوسرا: فاجر و بدبخت، جو اللہ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے)

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حضرات مہاجرین وانصار نیز اکابرِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بلال حبشی رضی اللہ عنہ' صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے، ان میں باہم کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

☆.....خلیفۂ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فتحِ بیت المقدس

(۱) بیہقی۔ ملاحظہ ہو: الترغیب والترہیب [۴۴۹۴]

(۲) ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن کثیر میں اِنَّ أَکرَمَکُم عِندَ اللّٰهِ أَتقَاکُم [سورۃ الحجرات، آیت: ۱۳] کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

کے موقع پر مدینہ منورہ سے بیت المقدس کی طرف روانگی کے وقت اپنے غلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''دیکھو! اس ایک اونٹ پر ہم دونوں باری باری سوار ہوں گے.....''!!

کس قدر عجیب وغریب بات ہے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین اپنے غلام سے یہ فرمارہے ہیں .....! اور پھر یہ کہ خلیفہ بھی کوئی معمولی نہیں، بلکہ ایسے عظیم الشان خلیفہ کہ جنہوں نے اپنے صرف دس سالہ دورِ حکومت میں جو علاقے فتح کئے ان کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل ہے۔اس کے باوجود اپنے غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ عالم ہے کہ کبھی خلیفہ اونٹ پر سوار ہیں اور غلام پیدل چل رہا ہے، اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہے اور خلیفہ پیدل سفر کر رہے ہیں.....!!انسانی مساوات کے سلسلے میں یقیناً دنیا ایسی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

☆.....فتحِ مصر کے موقع پر اسلامی لشکر کے قائد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مقوقس شاہِ مصر سے مذاکرات کی غرض سے ایک وفد ارسال کیا، اس وفد کا سربراہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔جب یہ وفد مقوقس کے دربار میں پہنچا تو وہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر چلانے لگا: ''نَحُّوا عَنِّي هٰذا العَبدَ الأَسوَد ''یعنی: ''اس سیاہ غلام کو میری نظروں سے دور ہٹاؤ''۔جس پر وفد کے باقی ارکان نے مقوقس کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ چونکہ عبادہؓ ہمارے اس وفد کے سربراہ ہیں لہٰذا یہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گے اور یہی آپ سے مذاکرات بھی کریں گے۔اس پر مقوقس نے وفد کے ارکان سے مخاطب ہو کر کہا کہ: ''تم سب تو سفید فام ہو، پھر تم نے اس کالے آدمی کو اپنا سربراہ کیوں بنا رکھا ہے.....؟ اس پر ان سب نے مقوقس

کو یہ جواب دیا کہ: ''ہم مسلمان ہیں، ہمارے مذہب میں چہروں کی سیاہی اور سفیدی کی کوئی حیثیت نہیں، ہمارے مذہب میں اصل چیز عمل کی سیاہی اور سفیدی ہے''۔

☆.....خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت کا واقعہ ہے کہ حج کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں حجاجِ کرام بڑی تعداد میں جمع ہوجاتے تھے تو انہیں مناسکِ حج سے متعلق مختلف مسائل دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، چنانچہ وہ مکہ مکرمہ میں موجود علمائے دین سے رجوع کیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے حجاج کرام کے قافلوں میں بھی علمائے دین کی بڑی تعداد موجود ہوا کرتی تھی، لوگ ان کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بعض اوقات کسی ایک مسئلے میں ان علمائے کرام میں اختلافِ رائے پایا جاتا تھا۔اس پر خلیفہ نے یہ اعلانِ عام کروادیا کہ ''حج کے موقع پر پورے مکہ میں تمام علماء میں سے صرف عطاء بن ابی رباح فتویٰ جاری کریں گے، ان کے سوا کسی کو اس کی اجازت نہیں ہوگی، لہٰذا تمام حجاج صرف عطاء بن ابی رباح سے ہی اپنے مسائل دریافت کریں''۔حالانکہ یہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ انتہائی جلیل القدر عالم، محدث، فقیہ، اور بلند پایہ متقی تو یقیناً تھے، مگر ان کی ظاہری صورتِ حال یہ تھی کہ: ''رنگت انتہائی سیاہ تھی، شکل وصورت بالکل ہی معمولی تھی، ایک آنکھ سے معذور تھے، ایک بازو مفلوج تھا، ایک ٹانگ سے لنگڑاتے تھے، اور جب اپنے ہزاروں شاگردوں کے درمیان بیٹھے ہوئے درسِ حدیث میں مشغول ہوتے تو اپنی شدید سیاہ رنگت کی وجہ سے دور سے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے سفید کپاس کے کھیت میں کوئی کالا کوا بیٹھا ہو.....(۱)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کو اس قدر معمولی شکل وصورت اور ان

(۱) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ''من روائع حضارتنا فی التاریخ'' از: مصطفیٰ السباعی۔

تمامتر ظاہری وجسمانی عیوب ونقائص کے باوجود ''افتاء'' جیسی اہم ترین ذمہ داری' بلکہ اس عظیم ترین منصب اوراعلیٰ ترین شرف واعزاز کیلئے منتخب کیا گیااور خلیفۂ وقت کے حکم پر یہ منادی کی گئی کہ موسمِ حج کے دوران پورے شہرمکہ میں ''افتاء'' کی اجازت صرف عطاء بن ابی رباح کوہوگی.....!یقیناً یہ اسلام کی تعلیمِ مساوات ہی کا کرشمہ ہے۔

☆..... تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے نامور اورعظیم الشان بادشاہ ایسے گذرے ہیں کہ جودراصل غلام تھے' یاغلاموں کے خاندان سے تھے۔لیکن اس کے باوجود اسلام کی تعلیمِ مساوات کی بدولت وہ تختِ شاہی پرجلوہ افروز ہوئے۔مثلاً مصر میں ''ممالیکِ مصر'' تاریخ میں مشہور ہیں،اسی طرح برِصغیر پاک وہند میں ''خاندانِ غلاماں'' کی بڑی شہرت ہے،تختِ دہلی پرجلوہ افروز ہونے والے متعدد نامور بادشاہوں کا تعلق اسی خاندانِ غلاماں سے تھا،خصوصاً ان میں سے قطب الدین ایبک' شمس الدین التمش' ناصرالدین محمود' اورغیاث الدین بلبن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

نیز اسلام کی اسی بے مثال تعلیمِ مساوات ہی کا کرشمہ ہے کہ امیر وغریب' بادشاہ وفقیر' مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے اورمختلف زبانیں بولنے والے افراد مسجد میں ایک ہی کعبے کی طرف رُخ کئے ہوئے' ایک ہی امام کی اقتداء میں' اپنے ایک ہی رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ایک ہی صف میں نماز ادا کرتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا،اور نہ کوئی بندہ نواز

نیز حجِ بیت اللہ کے موقع پر مشرق ومغرب سے آنے والے' مختلف زبانیں بولنے والے لاکھوں فرزندانِ توحید ایک ہی جیسے لباس میں ملبوس ہوکر ایک ہی کعبے کے گرد طواف میں مشغول ہوتے ہیں..... ان سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمات ہوتے ہیں (لَبَّیكَ اللّٰهُمَّ

لَبّیك.....) یہاں تک کہ ان سب کی غرض وغایت' ان کی نیت وخواہش اوران کا مطلوب ومقصود بھی صرف ایک ہی ہوا کرتا ہے،یعنی گناہوں سے مغفرت ومعافی اوراپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کاحصول.....! ان کے حلیہ ولباس میں بھی یگانگت ومساوات' اعمال میں بھی یگانگت ومساوات' زبان پرجاری کلمات میں بھی یگانگت ومساوات' حتیٰ کہ نیتوں اورنصب العین میں بھی یگانگت ومساوات.....!!

اس سے بڑھ کر''مساوات'' کی کوئی مثال پیش کرنے سے یہ دنیا یقیناً عاجز وقاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ''اسلامی مساوات''ایک ایسی انمول اور بے مثال نعمت ہے کہ جس کیلئے دوسرے مذاہب کے پیروکار ترستے ہیں اور مسلمانوں پر رشک کرتے ہیں۔

چنانچہ مشہور فرانسیسی فلسفی''رینان'' کا قول ہے کہ:''مجھے جب بھی مسلمانوں کی کسی مسجد میں جانے کا اتفاق ہوا تو اُس موقع پر ہمیشہ ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی اور میں نے اپنے دل میں یہ حسرت محسوس کی کہ کاش میں بھی مسلمان ہوتا''۔

اسی طرح مشہور ومعروف فلسفی پروفیسر آرنلڈ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:''میں وہ منظر کبھی فراموش نہیں کرسکتا جب میں نے ہندوستان میں دہلی کی جامع مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کو ماہِ رمضان کے آخری جمعہ (جمعۃ الوداع) کے موقع پر انتہائی خشوع وخضوع کی کیفیت میں نمازِ جمعہ ادا کرتے دیکھا،نماز کے دوران ان کی ایک ایک حرکت سے اللہ کے سامنے انتہائی عجز وانکسار کا اظہار ہورہا تھا،اور یہ منظر ہر دیکھنے والے کے شعور ووجدان میں پیوست ہوتا چلا جارہا تھا.....!'' (۱)

(۱) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: العبادۃ فی الاسلام۔از: یوسف القرضاوی۔
نیز: الاسلام؛ أثرہ فی الحضارۃ وفضلہ علیٰ الانسانیۃ۔از: ابوالحسن علی الندوی۔

(۳)فضیلت کا معیار:''تقویٰ'':

ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقنَاکُم مِن ذَکَرٍ وَّ أُنثَیٰ وَجَعَلنَاکُم شُعُوباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ أَکرَمَکُم عِندَ اللّٰهِ أَتقَاکُم اِنَّ اللّٰهَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ﴾(۱) ترجمہ:(اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہیں بنا دیا ہے قومیں اور قبیلے تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو شناخت کر سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ہر ہیز گار ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کو مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم سب انسانوں کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت یعنی آدم وحوا علیہما السلام سے پیدا فرمایا ہے تو پھر اپنے حسب ونسب پر فخر وغرور کرنا اور دوسروں کو حقیر وکمتر سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ یعنی جب تمام انسانوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ سب ایک ہی ماں باپ کی نسل ہیں تو پھر ان میں کسی تفریق اور اونچ نیچ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور یہ جو اللہ نے انسانوں کو مختلف قبیلوں، قوموں اور خاندانوں میں تقسیم فرمایا ہے، یہ تو محض اس لئے ہے کہ تمہیں باہم ایک دوسرے کو پہچاننے میں سہولت رہے، یعنی یہ تقسیم ہرگز ہرگز تفاخر کیلئے نہیں، بلکہ یہ تو محض تعارف کی غرض سے ہے۔

اور جہاں تک عزت اور فرقِ مراتب کا تعلق ہے تو اس کیلئے پیمانہ اور معیار صرف اور صرف ''تقویٰ'' ہے۔

(۱)الحجرات[۱۳]

یعنی اسلام میں شرافت وعظمت اورعزت کا تاج اسی کوعطاء کیا گیا ہے جس کے دل میں خوفِ خدا ہو، چنانچہ جوشخص جس قدر متقی ہوگا اور جس قدر بہتر اخلاق اور عمل وکردار کا مالک ہوگا اللہ کے نزدیک وہ اسی قدر باعزت ہوگا، خواہ وہ کوئی امیر ہو یا غریب' بادشاہ ہو یا فقیر' آقا ہو یا غلام' کالا ہو یا گورا' اورخواہ اس کا تعلق کسی بھی قوم' کسی بھی ذات اور کسی بھی ملک یا علاقے سے ہو.....!

قیامت کے روز کسی انسان سے اس کی قوم' برادری' زبان' اورحسب نسب کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، وہاں کی دائمی اورحقیقی کامیابی' عزت' اورراحت کا تمامتر انحصاراوردارومدارصرف اورصرف تقویٰ وعملِ صالح پر ہے، باقی کسی چیز کی قطعاً کوئی حیثیت واہمیت نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَأَمَّا مَن ثَقُلَت مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَن خَفَّت مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ وَمَا أَدراكَ مَا هِيَه نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ (۱) ترجمہ(توجس کا[نیکیوں کا]پلہ بھاری ہوگا وہ دل پسند زندگی میں ہوگا،اورجس کا[نیکیوں کا]پلہ ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔اورتم کیا جانو وہ [ہاویہ] کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ ہے)

لہٰذا اسلام میں فرقِ مراتب اورعزت وذلت کیلئے معیارصرف تقویٰ وعملِ صالح ہے، مال دولت' رنگ ونسل یا حسب نسب کا اس چیز سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴)اخوت واتحاد:

ارشادِ ربانی ہے:﴿إِنَّمَا المُؤمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (۲) ترجمہ:(بے شک تمام مؤمن آپس

(۱)القارعۃ[۶۔۱۱] (۲)الحجرات[۱۰]

میں بھائی بھائی ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (۱)
ترجمہ:(ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں)
یعنی تمام اہلِ ایمان خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں' ان کی شان اور ان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ' مددگار' مخلص اور سچے ہمدرد ہیں۔

نیز ارشاد ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۲) ترجمہ:(محمد[ﷺ] تو اللہ کے رسول ہیں، اور وہ جو اُن کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلے میں سخت' جبکہ آپس میں مہربان ہیں)

اس آیت میں اگرچہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف وفضائل کا بیان ہے، مگر اس سے امت کے تمام افراد کو ان صحابۂ کرام کے اتباع اور ان کے اوصاف اور عادات وخصائل کو اپنانے کی ترغیب بھی مقصود ہے۔ لہٰذا حضرات صحابۂ کرام کی طرح تمام اہلِ ایمان کی یہی کیفیت ہونی چاہئے کہ وہ کفار کے مقابلے میں سخت اور آپس میں ایک دوسرے کیلئے نرم' مہربان' ہمدرد اور غمخوار ہوں۔

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَّلَاتَفَرَّقُوا﴾ (۳)
ترجمہ:(اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو)

اس آیت میں اللہ کی رسی سے مراد دینِ اسلام ہے اور تمام مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو فراموش کر کے پوری طرح اسلام کی مقدس تعلیمات پر کاربند اور عمل پیرا ہو جائیں، ان سب کا یہی نصب العین' یہی مقصدِ حیات' اور یہی دستورِ

(۱) توبہ[۷۱] (۲) فتح[۲۹] (۳) آل عمران[۱۰۳]

زندگی ہو۔اور جب تمام مسلمانوں کا نصب العین اور مقصدِ حیات ایک ہوگا تو ان میں باہمی افتراق وانتشار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی اوراس طرح مسلمان ایک مضبوط اور باوقار ملت بن سکیں گے۔

نیز ارشاد ہے:﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَ لَاتَنَازَعُوا فَتَفشَلُوا وَتَذهَبَ رِيحُكُم وَاصبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(اطاعت کرواللہ اوراس کے رسول کی،اورآپس میں جھگڑا نہ کرو[اگر جھگڑا کروگے تو]تم ناکام ہوجاؤگے اورتمہارا رعب جاتا رہے گا۔اورصبر کرو، بےشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

اس آیت میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی اختلافات اورذاتی مفادات کونظرانداز کرکے اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کواپنا شیوہ وشعار بنائیں،ورنہ بصورتِ دیگر وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائیں گے،ناکامی وبربادی ان کا مقدر بنے گی،نیز دشمنوں کے دل سے ان کا رعب اورخوف جاتا رہے گا،کیونکہ دنیاوآخرت میں صلاح وفلاح' عزت وشوکت' کامیابی وکامرانی اور ترقی کا راز باہمی اخوت ومحبت اوراتفاق واتحاد میں ہی پوشیدہ ہے،جبکہ اس کے برعکس باہمی اختلاف اورافتراق وانتشار میں ناکامی وبربادی اورذلت ورسوائی کا سامان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَثَلُ المُؤمِنِينَ فِي تَوَادِّهِم وَتَرَاحُمِهِم وَتَعَاطُفِهِم مَثَلُ الجَسَدِ الوَاحِدِ اِذَا اشتَكَىٰ مِنهُ عُضوٌ تَدَاعَىٰ لَهُ سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهرِ وَالحُمَّىٰ) (۲) ترجمہ:(باہمی محبت ومہربانی اور ہمدردی کے لحاظ سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی مانند ہے کہ جب اس[ایک جسم]کے کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کی

(۱)انفال[۴۶] (۲)بخاری[۵۶۶۵]مسلم[۲۵۸۶]

وجہ سے تمام جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے)

یعنی مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر مسلمان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں اور حتیٰ الامکان اس کے ساتھ تعاون کریں، خواہ بظاہر اس کے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ ہو یا نہو۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَاناً) (۱) ترجمہ: (اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)

نیز ارشاد ہے: (الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً) (۲) ترجمہ: (ہر مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے ایک عمارت کی مانند ہے کہ اُس [عمارت] کا ہر حصہ دوسرے حصے کیلئے سہارا ہوتا ہے)

نیز ارشاد ہے: (الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ) (۳) ترجمہ: (ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ کبھی اُس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی مشکل وقت میں اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے: (لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُم حَتّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّهُ لِنَفسِهِ) (۴) ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ اپنے [مؤمن] بھائی کیلئے بھی اسی چیز کو پسند کرنے لگے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے)

مذکورہ آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح وثابت ہو جاتی ہے کہ دینِ اسلام

(۱) بخاری [۵۷۱۷] باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر۔ نیز مسلم [۲۵۵۹]

(۲) بخاری [۴۶۷] [۲۳۱۴] [۵۶۸۰] مسلم [۲۵۸۵]

(۳) بخاری [۲۳۱۰] [۶۵۵۱] مسلم [۲۵۸۰]

(۴) بخاری [۱۳] مسلم [۴۵]

میں اُخوت واتحاد کی بہت بڑی اہمیت ہے اوراس جذبۂ اُخوت واتحاد کو برقرار اور قائم دائم رکھنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

خصوصاً جبکہ آج کے اس مہذب دور میں دنیا کی تمام اقوام وملل پر یہ حقیقت منکشف ہوچکی ہے کہ ہر قسم کی ترقی وبہتری اور خوشحالی وآسودگی کیلئے امن وامان، استقرار واستحکام اور اتفاق واتحاد انتہائی ناگزیر ہے، اسی لئے آج کے اس جدید دور میں فاصلوں کو سمیٹنے اور قربتیں بڑھانے کی بتکلف ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے، بلکہ اس سلسلے میں مختلف اقوامِ عالم کے درمیان مسابقت زوروں پر ہے۔

لہٰذا بحیثیت مسلمان ہمیں تو اس اتفاق واتحاد کو قائم ودائم رکھنے کی اور زیادہ فکر اور کوشش وجستجو کرنی چاہئے، کیونکہ یہ چیز تو ہمارے دین کا حصہ اور ہمارے مذہب کا تقاضا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب متحد تھے اُس وقت وہ دنیا کی سب سے زیادہ باعزت اور کامیاب قوم تھے، وہ ناقابلِ تسخیر قلعے کی مانند تھے، محدود وسائل کے باوجود انہوں نے مشرق ومغرب میں اللہ کا نام بلند کیا، حق کا بول بالا کیا، فتح ونصرت کے جھنڈے لہرائے، ان کے گھوڑے کبھی دجلہ وفرات، کبھی جیحون اور سیحون اور کبھی گنگا اور جمنا کا پانی پیتے رہے، ہمیشہ ہر میدان میں کامیابی وکامرانی نے ان کے قدم چومے.....!!

لیکن اس کے بعد جب ان میں رفتہ رفتہ اتفاق واتحاد اور اخلاص وایثار کی بجائے افتراق وانتشار اور خودغرضی ومصلحت پرستی جیسی مذموم خصلتیں پیدا ہونے لگیں تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے اپنی تمامتر عزت وعظمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ کاش آج ہم نوشتۂ دیوار پڑھ سکیں اور اس بات کو سمجھ سکیں کہ آج ہم مسلمان ذلت ورسوائی کے جس عذاب میں مبتلا ہیں اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے باہمی اتحاد واتفاق ہمارے لئے ناگزیر ہے، یہی وقت کی پکار ہے، یہی

حالات کا تقاضا ہے، بلکہ یہی ہمارے دین کی تعلیم ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(۴) اسلامی اخوت کی بنیاد: ''لا الٰہ الا اللہ''

ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ﴾ (۱) ترجمہ: (بے شک تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں)

دینِ اسلام میں لسانی، نسلی، علاقائی، یا طبقاتی تقسیم یا اونچ نیچ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اسلام میں لسانی، علاقائی، یا رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی گروہ بندی یا کوئی رشتہ استوار کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے مطابق حقیقی رشتہ صرف اور صرف ایمان کا رشتہ ہے، دنیا کے تمام مسلمان اسی بے مثال اور لازوال رشتے میں منسلک ہیں، رنگ ونسل کے ظاہری فرق کے باوجود وہ سب آپس میں بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد وغمگسار ہیں، ان کے اس ایمانی رشتے کی راہ میں جغرافیائی رکاوٹیں اور مشرق ومغرب کے فاصلے حائل نہیں ہوسکتے، ان ظاہری رکاوٹوں، دوریوں، اور فاصلوں کے باوجود ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں، ان کا رب ایک ہے، رسولؐ ایک ہے، قرآن ایک ہے، کعبہ ایک ہے، مقصدِ حیات ایک ہے، عقیدہ وایمان ایک ہے، اسی لئے اس ایمانی رشتے کے سوا دنیا کے باقی تمام رشتے بے کار وبے معنیٰ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس میں جہاں حضرت ابوبکر وعمر، نیز دیگر اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف فرما ہوتے تھے، وہاں ان کے درمیان بلال حبشی رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ بھی موجود ہوتے تھے، رنگ ونسل اور زبان

(۱) الحجرات [۱۰]

کے اس ظاہری فرق کے باوجود ان میں باہم کوئی تفریق یا اونچ نیچ نہیں تھی، وہ سب آپس میں شیر وشکر اور بھائی بھائی تھے، دل وجان سے ایک دوسرے کی عزت وتعظیم کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں وہ سب برابر تھے، ہم مرتبہ اور قابلِ احترام تھے، یہاں تک کہ خالقِ کائنات کی طرف سے ان سب کو یکساں طور پر آیتِ قرآنی: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عنهُم وَرَضُوا عَنهُ﴾ (۱) کے ذریعے دائمی خوشنودی ورضامندی کی خوشخبری سنائی گئی۔

جبکہ اس کے برعکس ابولہب عربی، قرشی، ہاشمی ہونے کے باوجود، اعلیٰ حسب ونسب اور خاندانی جاہ وحشمت کے باوجود، مال ودولت کی بہتات اور انتہائی حسن وجمال کے باوجود، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کے باوجود..... وہ جہنمی قرار پایا، قیامت تک اہلِ ایمان قرآن کریم میں موجود یہ آیت پڑھتے رہیں گے: ﴿تَبَّت يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّ تَبَّ مَا أَغنىٰ عَنهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ.....﴾ (۲) یعنی: ''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی ہلاک ہوجائے، نہ تو اس کا مال اس کے کسی کام آیا اور نہ ہی اس کی کمائی.....''۔

اللہ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا دولتِ ایمانی سے محرومی کے سبب طوفان میں غرق ہوجانے والوں میں شامل تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں اس بارے میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ (۳)

غرضیکہ اللہ اور رسول ﷺ کی نظر میں اصل رشتہ صرف ایمان کا رشتہ ہے، جس کی بنیاد کلمہ: ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پر ہے۔ اگر یہ رشتۂ ایمانی مضبوط ومستحکم ہو تو مشرق ومغرب کے یہ فاصلے مسلمانوں کے دلوں میں کوئی فاصلہ پیدا نہیں کرسکتے۔ اور اگر یہ رشتۂ ایمانی

(۱) المائدۃ [۱۱۹] المجادلۃ [۲۲] البینۃ [۸] (۲) المسد [۱-۲]

(۳) ملاحظہ ہو سورۃ ہود، آیات [۴۱-۴۹]

کمزور پڑ جائے تو پھر تمام تر قربتیں بے کار اور بے معنیٰ ہیں، تمام تر ظاہری قربتوں کے باوجود دلوں میں فاصلے ہوں گے، دوریاں ہوں گی، نفرتیں اور بیزاریاں ہوں گی، اور وہ ارشادِ ربانی :﴿تَحسَبُهُم جَمِيعاً وَّقُلُوبُهُم شَتّٰى﴾ (۱) کا مصداق بن جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں آپؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ مؤاخات قائم فرمایا، یہ بات قابلِ غور ہے کہ مہاجرین وانصار میں اس سے قبل بظاہر کسی قسم کا کوئی رشتہ اور تعلق نہیں تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے اجنبی تھے، لیکن اس کے باوجود اس رشتۂ ایمانی کی بدولت ان میں باہمی اخوت ومحبت کا ایسا مضبوط تعلق اور مستحکم رشتہ قائم ہوگیا کہ تاریخِ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے، انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف اپنے شہر میں جگہ دی بلکہ انہیں اپنے مکانوں میں آباد کیا، انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا، ان کیلئے اپنے گھروں کے اور ساتھ ہی اپنے دلوں کے بھی دروازے کھول دیئے، اپنے مال ودولت، زمین اور جائیداد میں انہیں حصہ دار بنایا، یہاں تک کہ مہاجرین کیلئے انصار کی طرف سے اس بے پناہ محبت وہمدردی، اور خلوص وایثار کی وجہ سے خالقِ ارض وسماء کی طرف سے قرآن کریم میں انصار کے اعلیٰ اخلاق، مہاجرین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ایثار کی تعریف کی گئی، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَ الَّذِينَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِن قَبلِهِم يُحِبُّونَ مَن هَاجَرَ اِلَيهِم وَ لَايَجِدُونَ فِي صُدُرِهِم حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم وَلَوكَانَ بِهِم خَصَاصَةٌ وَمَن يُّوقَ شُحَّ نَفسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ﴾ (۲)

ترجمہ:(اور وہ جنہوں نے اس گھر [یعنی مدینہ] میں، اور ایمان میں ان [مہاجرین] سے

(۱) سورۃ الحشر [۱۴] یعنی: ''آپ انہیں متحد سمجھ رہے ہیں، حالانکہ ان کے دل دراصل ایک دوسرے سے جدا ہیں''۔ (۲) الحشر [۹]

پہلے جگہ بنالی ہے اور وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے، بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں، گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، [بات یہ ہے کہ] جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب و بامراد ہے)

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اسلام سے قبل مدینہ منورہ میں (جس کا نام اُس وقت یثرب تھا) اوس اور خزرج نام کے دو مشہور قبیلے آباد تھے، ان دونوں قبیلوں میں عرصۂ دراز سے باہم جنگ وجدال اور قتل وخوں ریزی کا سلسلہ چلا آرہا تھا، وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے.....! مگر جیسے ہی ان کا شہر مدینہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کے نور سے جگمگایا اور ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوئی تو وہ صدیوں کے باہمی جنگ وجدال کو یکسر فراموش کر کے ایمان کے لازوال اور مقدس رشتے میں منسلک ہوگئے اور باہم شیر وشکر ہوگئے، جن کی نفرت وعداوت ضرب المثل تھی، اب ان کا باہمی ایثار اور خلوص ضرب المثل بن گیا، اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَاذكُرُوا نِعمَتَ اللّهِ عَلَيكُم اِذ كُنتُم أعدَاءً فَأَلَّفَ بَينَ قُلُوبِكُم فَأَصبَحتُم بِنِعمَتِهٖ اِخوَاناً ، وَكُنتُم عَلَىٰ شَفَا حُفرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِنهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُم آيَاتِهٖ لَعَلَّكُم تَهتَدُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور یاد کرو اللہ کا احسان تم پر جبکہ تھے تم آپس میں دشمن، پھر اس [اللہ] نے الفت ڈال دی تمہارے دلوں میں، پس تم ہوگئے اس کے فضل سے بھائی بھائی، اور تم آگ کے ایک کنوئیں کے دہانے پر تھے، پھر اس نے تمہیں بچایا اُس سے، اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم

(۱) آل عمران [۱۰۳]

ہدایت حاصل کرسکو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: (اوراسی [اللہ] نے ان کے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی، جو کچھ اس زمین میں ہے اگر تو وہ سارا کا سارا بھی خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملاسکتا، یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے، بے شک وہ غالب ہے حکمت والا ہے)

☆.....اور پھر یہ کہ اسلام نے باہمی اخوت ومحبت کی محض تاکید وتلقین پر ہی اکتفاء نہیں کیا، بلکہ مزید یہ کہ اس اخوت ومحبت کا عملی سبق حاصل کرنے کی غرض سے اہلِ ایمان کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ روزانہ دن میں پانچ بار مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز کی ادائیگی کا اہتمام کریں، تاکہ دنیا ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی بنیاد پر قائم ہونے والی اس پاکیزہ اور بے مثال اخوت ومحبت کا عملی مظاہرہ دیکھ سکے۔ دنیا یہ منظر دیکھ سکے کہ کس طرح امیر وغریب، حاکم ومحکوم، آقا اور غلام، کالے اور گورے، سب ایک ہی کعبے کی طرف رُخ کئے ہوئے ایک ہی امام کی اقتداء میں ایک ہی صف میں کھڑے ہوکر ایک ہی رب کے سامنے انتہائی خشوع وخضوع کے عالم میں ''ایاک نعبد وایاک نستعین'' کا اقرار واظہار کرتے ہیں۔

☆.....اسی رشتۂ ایمانی کو مضبوط ومستحکم بنانے کی غرض سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا، تاکہ اسلامی معاشرے میں امراء وغرباء کے درمیان طبقاتی کشمکش اور باہمی نفرت وعداوت کی بجائے اخوت ومحبت، باہمی احترام اور ایثار وہمدردی کے جذبات میں ترقی واضافہ ہو، اور یوں ملتِ اسلامیہ کے امراء وغرباء ایک دوسرے کے دست وبازو بن جائیں۔

(۱) الانفال [۶۳]

☆.....اسی لازوال رشتۂ ایمانی کا روح پرور نظارہ دنیا حج کے موقع پر دیکھتی ہے، جب مختلف رنگ ونسل، مختلف طبقات، اور مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے، مشرق ومغرب سے آنے والے لاکھوں فرزندانِ توحید ایک ہی لباس یعنی احرام میں ملبوس ہوتے ہیں، ایک ہی گھر یعنی بیت اللہ کے طواف میں مشغول ومنہمک ہوتے ہیں، ان سب کی زبان پر ایک ہی کلمات ہوتے ہیں یعنی ''لبیک اللھم لبیک'' اور وہ سب اپنے دلوں میں ایک ہی خواہش وتمنا لئے ہوئے دور دراز کے علاقوں سے طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے وہاں پہنچتے ہیں، یعنی: اپنے رب کریم کی طرف سے مغفرت، نیز اس کی رضامندی وخوشنودی کا حصول.....!

یقیناً اس ''رشتۂ ایمانی'' جیسا لازوال اور بے مثال رشتہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

☆☆☆

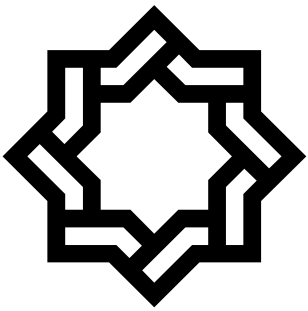

☆☆☆

اسلامی معاشرہ

اور

حسنِ اخلاق

حُسنِ اخلاق کی اہمیت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)
ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ [ﷺ] کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے)

اس آیت کی رو سے ہرصاحبِ ایمان کیلئے یہ بات ضروری ولازمی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ہستی کو اپنے لئے ''اسوۂ حسنہ'' یعنی عمدہ نمونہ اور بہترین وقابلِ تقلید مثال تصور کرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات اور احکام وہدایات کی صدقِ دل سے تعمیل، نیز آپ ﷺ کے طور طریقوں اور اخلاق وعادات کو اپنانے کی مکمل اور مخلصانہ کوشش کرے۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وعادات کے بارے میں ادنیٰ غور وفکر اور تدبر وتتبع کرنے والے پر یہ بات بلاشبہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ہستی اور آپ ؐ کی تمام زندگی ''اخلاقِ حسنہ'' کا ایسا بہترین نمونہ تھی کہ تمام دنیائے انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے قطعاً ویقیناً عاجز وقاصر ہے۔

بیماروں کی تیمارداری، ہمسایوں وقرابت داروں کے حقوق کا پاس ولحاظ، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت، یتیموں اور بیواؤں کی امداد، بیکسوں اور کمزوروں کی دست گیری، ہرحالت میں حق گوئی وراست بازی، عدل وانصاف کے اصولوں کی ہر قیمت پر اور بہرصورت مکمل پاسداری، بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی عفوودرگذر اور رحمدلی ومہربانی کا سلوک ..... یہ تھا آپ ﷺ کا شیوہ واخلاق۔ بلکہ آپ ؐ کی تعلیمات تو تڑپتی سسکتی انسانیت کیلئے مسیحا، پیاسی زمین کیلئے ابرِ رحمت، اور تپتے ہوئے صحرا میں کسی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کی مانند تھیں

(۱) الاحزاب [۲۱]

اسی لئے آپ ﷺ کو خالقِ ارض وسماء اور رب العالمین کی طرف سے ''رحمۃ للعالمین'' کے لقب سے نوازا گیا۔

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أرسَلنَاكَ اِلّا رَحمَةً لِّلعَالَمِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)

نیز قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق وعمدہ عادات وصفات کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (۲) ترجمہ: (اور بے شک آپ تو بہت بڑے [عمدہ] اخلاق پر ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿فَبِمَا رَحمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُم وَلَوكُنتَ فَظّاً غَلِيظَ القَلبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَولِكَ فَاعفُ عَنهُم وَاستَغفِرلَهُم وَشَاوِرهُم فِي الأمرِ﴾ (۳) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگذر کریں اور ان کیلئے استغفار کیا کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں)

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی ابتداء کے موقع پر جب غارِ حراء میں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اس موقع پر آپ ﷺ کو من جانب اللہ تبلیغِ دین کا فریضہ سونپا گیا تو آپ ﷺ یہ سوچ کر انتہائی پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ میں یہ بارِ گراں کس طرح اٹھا سکوں گا، اور اس قدر عظیم فریضہ کس طرح انجام دے سکوں گا......؟ اسی پریشانی اور شدتِ تفکیر کی وجہ سے آپ ﷺ کی طبیعت بھی ناساز ہو گئی، آخر اسی کیفیت میں آپ ﷺ گھر پہنچے، اپنی رفیقۂ حیات ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے تمام ماجرا بیان فرمایا اور اسی

(۱) الأنبیاء [۱۰۷] (۲) القلم [۴] (۳) آل عمران [۱۵۹]

پریشانی کا اظہار کیا۔جس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:(كَلَّا، وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَداً ، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ ،وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتكْسِبُ المَعْدُومَ ، وَتَقْرِي الضَّيفَ ، وَتُعِينُ عَلىٰ نَوَائِبِ الحَقِّ.....) (۱) ترجمہ:(''نہیں نہیں!اللہ کی قسم!اللہ آپ کو ہرگز اس کام میں رسوانہیں کرے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مہمان نواز ہیں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں، اور راہِ حق میں لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں'')

غور طلب بات ہے کہ بعثت سے قبل ہی آپ ﷺ کے اخلاق کی بلندی وعظمت کا یہ حال تھا تو بعثت کے بعد کیا کیفیت ہوگی.....؟

اور پھر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے ہی اپنے اصحاب کو بھی ہمیشہ انہی اخلاقِ عالیہ وصفاتِ حمیدہ کو اپنانے کی تاکید وتلقین فرمائی، چنانچہ نجاشی شاہِ حبشہ نے جب دینِ اسلام کے بارے میں استفسار کیا تو اس موقع پر وہاں موجود مسلمانوں کی جماعت میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس طرح گویا ہے:

(أيّها الملك! كنّا قوماً أهل جاهليّة ، نعبدالأصنام ، ونأكل الميتة، ونُسيئ الجوار، ويأكل القويّ منّا الضّعيف، فكنّا علىٰ ذلك حتّىٰ بعث اللّه الينا رسولاً منّا، نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه، فدعانا الىٰ اللّه لنوحّده ونعبده ، ونخلع ما كنّا نحن نعبد وآباؤنا من دونهٖ من الحجارة والأوثان، وأمرنا بصدق الحديث وأداء الأمانة وصلة الرّحم وحسن الجوار والكفّ عن المحارم، ونهانا عن الفواحش وقول الزور

(۱) بخاری[۳]کتاب بدء الوحی ،باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ ﷺ
نیز: بخاری[۶۵۸۱] کتاب التعبیر ۔ نیز: مسلم[۱۶۰]

وأكل مالِ اليتيم وقَذفِ المُحصَناتِ.....) (۱) ترجمہ:(اے بادشاہ!ہم جاہل تھے، بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے،مردار کھاتے تھے،ہمسایوں کوستاتے تھے،ہم میں سے جوطاقتور تھے وہ کمزوروں کوکھاجاتے تھے،اسی دوران اللہ نے ہم میں سے ہی ایک ہستی کونبی بنا کر بھیجا،جس کی شرافت' خاندانی نجابت' امانت ودیانت اورراست بازی سے ہم بخوبی واقف تھے،اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی ،ہم اور ہمارے باپ دادااللہ کے سواجن پتھروں اور بتوں کو پوجتے چلے آرہے تھے ان سے کنارہ کشی کی تاکید کی،اس نے ہمیں راست بازی' امانت ودیانت' صلہ رحمی' ہمسایوں کے ساتھ ہمدردی وحسنِ سلوک کاحکم دیا' ہرقسم کی فحاشی وبے حیائی سے دامن بچانے' جھوٹ بولنے' یتیموں کامال دبالینےاور پاک دامن عورتوں پرتہمت لگانے سے بازرہنے کی تلقین کی.....)

یہ ہے اس اخلاقِ حسنہ کی ایک جھلک جس کی تاکیدوتلقین رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے بالکل ابتدائی دورمیں ہی فرمائی،اورپھرجس کی بدولت حق کی پکار پرلبیک کہنے والوں کی زندگیوں میں ایساحیرتناک انقلاب برپاہوا کہ وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے ذلت کی پستیوں سے نکل کرعزت کی بلندیوں تک جاپہنچے، جونہ صرف یہ کہ ان پڑھ تھے بلکہ اپنی جہالت پرانہیں فخراورناز تھا.....اب وہ دنیا بھر کےاستاد' معلم ومربی اورتمام انسانیت کیلئے روشنی کا مینار بن گئے ،صدیوں سے جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے اب ایک نئے دور کے مشعل بردار بن گئے،معمولی باتوں پر باہم قتل وخونریزی جن کامعمول بلکہ پسندیدہ ترین مشغلہ تھااب وہ ہمدردی وایثارکانمونہ بن گئے ،جن کی دشمنی ضرب المثل تھی اب ان کی اخوت ومحبت دنیا بھرکیلئے مثال بن گئی،لوٹ مارجن کاشیوہ تھااب وہ دوسروں کے ہمدرداور

(۱)احمد[۱۷۴۰]حدیث جعفربن ابی طالب وہوحدیث ہجرۃ،نیز:احمد[۲۲۵۵۱]نیز:مجمع الزوائدعن الطبرانی۔

غمگسار بن گئے ،جن کی زندگی شراب نوشی، قمار بازی، اورلہوولعب میں بسر ہوئی تھی اب وہ رات کی خاموشیوں میں اللہ کے سامنے سربسجود رہنے لگے.....!

اور پھراس ابتدائی دور کے بعد بھی آپ ﷺ نے ہمیشہ حسنِ اخلاق کا سبق سکھایا اوراسی کی تاکید وتلقین فرمائی، اورارشادفرمایا کہ:(اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلَاقِ) (۱) ترجمہ:(بے شک مجھے اس خاطر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)

☆.....اخلاقِ فاضلہ وصفاتِ حمیدہ کی تاکید وتلقین کے بارے میں چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

☆ البِرُّ حُسنُ الخُلُقِ (۲) ترجمہ:(اصل نیکی توحسنِ اخلاق ہے)

☆ اِنَّ مِن خِيَارِكُم أَحسَنُكُم أَخلَاقاً (۳) ترجمہ:(تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق عمدہ ہو)

☆ أَكمَلُ المُؤمِنِينَ اِيمَاناً أَحسَنُهُم خُلُقاً (۴) ترجمہ:(تمام اہلِ ایمان میں سے کامل ایمان والاشخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو)

☆ مَا مِن شَيءٍ أَثقَلُ فِي مِيزَانِ المُؤمِنِ يَومَ القِيَامَةِ مِن حُسنِ الخُلُقِ (۵) ترجمہ:(قیامت کے روز مؤمن کے تمام اعمال میں ''حسنِ اخلاق'' سے بڑھ کر وزنی اور کوئی عمل نہیں ہوگا)

---

(۱) مجمع الزوائد (بحوالہ: بزار، باب فی حسن خلقہ وحیائہ وحسن معاشرتہ) ج:۹،ص:۱۵۔یہی حدیث امام مالک نے موطا میں ان الفاظ کے ساتھ:(بُعثتُ لِأُتَمِّمَ حُسنَ الأَخلَاق) [نمبر:۱۶۰۹] نیز:امام احمد نے مسند میں ان الفاظ کے ساتھ:(بُعثتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الأَخلَاق) [نمبر:۸۹۳۹] ذکر کی ہے۔

(۲) مسلم[۲۵۵۳] باب تفسیر البر والاثم (۳) بخاری[۳۳۶۶]

(۴) ابن حبان[۴۷۹][۱۴۷۶] ترمذی[۲۶۱۲] باب ماجاء فی استکمال الایمان..... (۵) ترمذی[۲۰۰۲]

☆ اِنَّ المُؤمِنَ لَیُدرِکُ بِحُسنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ الصَّائِمِ وَالقَائِمِ (۱)
ترجمہ:(مؤمن اپنے حسنِ اخلاق کی بدولت روزے داراورنمازی کے مقام ورتبے کو پالیتاہے)

☆ اِنَّ مِن أَحَبِّکُم اِلَیَّ وَأَقرَبِکُم مِنِّي مَجلِساً یَومَ القِیَامَةِ أَحَاسِنُکُم أَخلَاقاً (۲) ترجمہ:(قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کا اخلاق اچھا ہوگا)

☆ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَن أَکثَرِ مَایُدخِلُ النَّاسَ الجَنَّةَ ؟ قَالَ : ((تَقوَیٰ اللّٰهِ وَ حُسنُ الخُلُق)) ۔ (۳) ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ:''وہ کون سا عمل ہے جو دیگر تمام اعمال سے بڑھ کر انسانوں کیلئے جنت میں داخلہ کا سبب بنے گا؟ فرمایا:''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف''اور''حسنِ اخلاق'')۔

(۱) ابوداؤد[۴۷۹۸] باب فی حسن الخلق۔
(۲) ترمذی[۲۰۱۸] باب ماجاء فی معالی الاخلاق۔
(۳) ترمذی[۲۰۰۴] ابن حبان[۴۷۶]

’’ارکانِ اسلام‘‘ اور’’اخلاقی تعلیم‘‘:

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دینِ اسلام میں نہ صرف یہ کہ’’محاسنِ اخلاق‘‘ کواختیارکرنے اور’’رذائلِ اخلاق‘‘ سے مکمل اجتناب کی تاکیدوتلقین کی گئی ہے ، بلکہ مزیدیہ کہ اہم ترین اسلامی عبادات جن پردینِ اسلام کی بنیادہے اوراسی وجہ سے جنہیں ’’ارکانِ اسلام‘‘ کہاجاتاہے،ان عبادات میں بھی اخلاقی تعلیم وتربیت کاپہلوموجودہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان عبادات کے اسراراوران کے مقاصدنیزاغراض وغایات میں سے اہم ترین غرض وغایت اخلاقی تعلیم وتربیت ہی ہے۔

☆...... چنانچہ تمام اسلامی عبادات میں سب سے اہم ترین عبادت یعنی نمازسے متعلق آیات واحادیث میں اگرغوروفکرکیاجائے تویہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ نمازسے اللہ کے ذکر‘ اوراس کی عبادت واطاعت کے عملی اقراروا ظہارکے ساتھ ساتھ خلقِ خداکے ساتھ حسنِ سلوک‘ اخوت ومساوات‘ ہمدردی وایثار‘ اللہ کے بندوں کی مددواعانت‘ ان کیلئے غمگساری وخیرسگالی کے جذبات کی نشوونمااوران میں ترقی واضافہ بھی مقصودہے، سورۃ الماعون کایہی پیغام اوریہی مفہوم ہے۔

مزیدیہ کہ نمازاخلاقِ فاضلہ کی طرف رغبت ومیلان کاوسیلہ‘ نیزاخلاقِ رذیلہ وتمام فواحش ومنکرات سے بندے کیلئے حفاظت ودوری کاذریعہ بھی ہے۔

جیساکہ قرآن کریم میں ارشادہے: ﴿اِنَّ الصَّلَاۃَ تَنْہٰی عَنِ الفَحْشَآءِ وَ المُنْکَرِ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً نمازبے حیائی اوربرائی سے روکتی ہے)

(۱)العنکبوت[۴۵]

☆.....اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيهِم﴾ (۱) ترجمہ:(آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک وصاف کردیں، اوران کیلئے دعاء کیجئے)

بلکہ زکوٰۃ کے تو لفظی معنیٰ ہی ''تزکیہ''یعنی پاک کرنے کے ہیں، چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ذریعے وہ مال پاک وصاف اور مبارک ہوجاتا ہے کہ جس میں سے زکوٰۃ ادا کردی گئی ہو۔

نیز زکوٰۃ ادا کرنے والے کا دل مال ودولت کی محبت، حرص، طمع، ہوس، اورخودغرضی ونفس پرستی جیسے مہلک اورخطرناک ترین روحانی امراض اور انتہائی ناپسندیدہ وقبیح ترین عادات سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

مزید یہ کہ جس مسکین کوزکوٰۃ ادا کی گئی ہواس کا دل احساسِ محرومی، اغنیاء ودولت مندوں کے خلاف حسد، نفرت وعداوت، اوربغض وکینہ جیسی بدترین صفات وعادات سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو بندگانِ خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا رویہ وسلوک اپنانے اوران کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنے کو بھی ''صدقہ''میں شمار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَة) (۲) ترجمہ:(اپنے بھائی[یعنی کسی مسلمان] کے ساتھ مسکرا کر پیش آنا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے)

☆.....اسی طرح روزے سے مقصود محض چند گھنٹوں کیلئے کھانے پینے سے پرہیز ہرگز نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود اپنے نفس کولگام دینا اوراور ہر برائی سے اجتناب کا عادی بنانا ہے، جیسا

(۱) التوبۃ[۱۰۳] (۲) ترمذی[۱۹۵۶] باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن الیک۔

کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن لَم يَدَعْ قَولَ الزُّورَ وَالعَمَلَ بِهِ فَلَيسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أن يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ) (۱) ترجمہ: (جس کسی نے روزے کے دوران بھی جھوٹی بات اور جھوٹے کام کو نہ چھوڑا' تو اللہ کو بھی اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ایسا شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے رکھے) یعنی روزہ محض کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں ہے، بلکہ روزے سے اصل مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو جھوٹ ودیگر تمام منکرات ورذائل اخلاق سے ہمیشہ کیلئے مکمل اجتناب کا عادی بنائے۔

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے: (اِذاكَانَ يَومُ صَومِ أَحَدِكُم فَلَايَرفُث وَلَا يَصْخَب ، فَإِن سَابَّهُ أَحَدٌ أو قَاتَلَهُ فَلْيَقُل اِنِّي صَائِم) (۲) ترجمہ: (تم میں سے جب کوئی روزے کی حالت میں ہو' تو کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کرے' اور نہ ہی جھگڑا کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص اسے برا کہے' یا اس سے لڑائی جھگڑا کرے تو [اس سے الجھنے کی بجائے] یوں کہے کہ: ''میں تو روزہ دار ہوں'')۔

علاوہ ازیں یہ کہ روزے کے دوران واقعی اور عملی طور پر بھوک اور پیاس کی تکلیف محسوس کرنے کے بعد روزے دار کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہونے لگتا ہے کہ وہ غریب اور مسکین جس کے پیٹ میں بھوک اور پیاس کی یہ آگ ہمیشہ ہی شعلہ زن رہتی ہے.....اس کی زندگی کس قدر تلخ ہوگی .....؟ چنانچہ اسی سوچ کی وجہ سے روزے دار کے قلب وذہن میں احساس وشعور بیدار ہوتا ہے' اور اس کا دل غریبوں اور حاجت مندوں کیلئے ہمدردی ورحمدلی کے جذبات سے لبریز ہونے لگتا ہے، اور پھر یہی جذبات اسے ان حاجت مندوں کی مدد واعانت پر آمادہ کرتے ہیں۔

(۱) بخاری [۱۸۰۴] باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم۔

(۲) بخاری [۱۸۰۵] باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ فی الصوم۔☆مسلم [۱۱۵۱] ☆احمد [۲۶۱۱۱]

☆.....اسی طرح حج بیت اللہ سے صرف سیر وتفریح یا محض کوئی سفر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس اہم ترین عبادت سے بھی اصل مقصود تزکیۂ نفس، تہذیبِ اخلاق، اخوت ومساوات کے جذبات کی نشو ونما، ایثار وقربانی، اور صبر وتحمل کی عادت اپنانے، نیز باہمی اختلافات، لڑائی جھگڑے، اور ہر قسم کے فسق وفجور اور بدعملی سے دامن بچائے رکھنے کی تاکید وتلقین ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ (۱) ترجمہ:(جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَم يَرفُثْ وَلَم يَفسُقْ رَجَعَ مِن ذُنُوبِهِ كَيَومِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ)(۲) ترجمہ:(جس شخص نے [صرف اللہ کی رضا کیلئے] حج کیا اور [دورانِ حج] ہر قسم کے فسق وفجور سے بچا رہا، تو وہ گناہوں سے یوں پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جیسے اس دن پاک وصاف تھا کہ جب اس کی ماں نے اسے جنا)۔

مزید یہ کہ حجِ بیت اللہ کے موقع پر ہی آپ ﷺ نے وہ یادگار وبے مثال اور اہم ترین خطبہ ارشاد فرمایا جو کہ ''خطبۂ حجۃ الوداع'' کے نام سے معروف ہے، اور جو کہ رنگ ونسل کی جھوٹی اور مصنوعی بنیادوں پر قائم تمام تر امتیازات کو مٹانے، ہر قسم کی طبقاتی کشمکش ومنافرت کے خاتمے، نیز شرفِ انسانیت کی بحالی، اور عدل وانصاف کے اصولوں کی بہر صورت پاسداری کے لحاظ سے رہتی دنیا تک تمام عالمِ انسانیت کیلئے فقید المثال منشورِ حیات اور دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱) البقرۃ[۱۹۷] (۲) بخاری[۱۴۹۴] مسلم[۱۳۵۰]

''اخلاقی کمزوری''''ایمانی کمزوری'' کی علامت ہے:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن وحدیث میں اہلِ ایمان کو جہاں کسی عمدہ صفت اوراچھی عادت کواپنانے' یااسی طرح جہاں کسی برائی سے دامن بچائے رکھنے کاحکم دیا گیاہے' وہاں اکثر وبیشتر''ایمان'' کا تذکرہ بھی کیا گیاہے،گویااس سے یہ یاددہانی مقصود ہے کہ جس چیز کواپنانے' یاجس چیز سے باز رہنے کی تمہیں تاکید وتلقین کی جارہی ہے' یہ دراصل اسی ایمان کا تقاضاہے جوتمہارااصل سرمایہ اورتمہارے لئے سب سے قیمتی متاع ہے ،اورجس پر تمہارے لئے دنیاوآخرت میں خیروخوبی' عافیت وسلامتی'اورنجات وفلاح کا دارومدار ہے۔

☆......چنانچہ قرآن کریم میں جہاں ''صدق''یعنی''سچائی'' جیسی اہم عادت اوراعلیٰ ترین صفت کواپنانے کاحکم دیا گیاہے' وہاں اس آیت کی ابتداء میں: ﴿یَـا اَیُّهَـا الَّـذِیـنَ آمَنُوا......﴾ یعنی:''اے ایمان والو......!) کہہ کرخطاب کیا گیاہے۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:﴿یَـا اَیُّهَـا الَّـذِیـنَ آمَـنُـوا اتَّـقُـوا اللّٰـهَ وَ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾ (۱) ترجمہ:(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو،اورسچوں میں شامل ہوجاؤ)

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے''شرم وحیاء'' کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:(الـحَیَـاءُ وَالاِیـمَـانُ قُـرَنَـاءُ جَـمِیعـاً ، فَـاذا رُفِـعَ أَحَـدُهُـمَـا رُفِعَ الآخَـرُ) (۲) ترجمہ:(''حیا''اور''ایمان'' دونوں ساتھی ہیں ،لہٰذااگران دونوں میں سے کوئی ایک چیز اٹھ جائے تویقیناً دوسری بھی اٹھ جائے گی)یعنی حیااورایمان باہم لازم وملزوم ہیں،لہٰذا

(۱)التوبۃ[۱۱۹] (۲)الترغیب والترہیب[۳۹۹۷]بحوالہء:حاکم والطبرانی فی الاوسط۔

جس کسی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز موجود ہوگی تو یقیناً دوسری بھی موجود ہوگی ، اور اگر ان میں سے کوئی ایک چیز مفقود ہے تو یقیناً دوسری چیز بھی مفقود ہی ہوگی۔

☆.....اسی طرح پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی کی حرمت وممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:(مَن كَانَ يُؤمِنُ بِاللّهِ وَ اليَومِ الآخِرِ فَلَايُؤذِ جَارَهُ) (۱) ترجمہ:(جوکوئی اللہ پر' اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو' وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے)

نیز ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو:(وَاللّـهِ لَايُؤمِن ، وَاللّهِ لَايُؤمِن ، وَاللّهِ لَايُؤمِن ، قِيلَ مَن يَا رَسُولَ اللّه؟ قَال: الّذي لَايَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ) (۲) ترجمہ:(اللہ کی قسم! وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم! وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' اللہ کی قسم! وہ شخص ہرگز مؤمن نہیں ہوسکتا' عرض کیا گیا کہ: وہ کون ہے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا:''یہ وہ شخص ہے کہ جس کی ایذا رسانیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ رہ سکے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک بار جب کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نماز روزے اور صدقہ وخیرات کا اہتمام والتزام کرتی ہے' مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کی تلخ کلامی اور بدزبانی سے بہت تنگ اور پریشان رہتے ہیں ..... اس پر آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا کہ:(هِـي فِـي النَّـارِ) یعنی:''اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے''۔

جبکہ اس کے برعکس ایک اور عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نفل عبادات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی' البتہ یہ کہ پڑوسیوں کے ساتھ اس کا اخلاق اور رویہ

(۱) بخاری[۵۶۷۱] باب اثم من لایأمن جارہ' بوائقہ۔ نیز:[۵۷۸۵] نیز:[۶۱۱۰] باب حفظ اللسان.....
(۲) بخاری[۵۶۷۰] باب اثم من لایأمن جارہ' بوائقہ۔

وسلوک بہت اچھا ہے، اس پر آپ ﷺ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا کہ: (هِيَ فِي الجَنَّةِ) یعنی: ''اس کا ٹھکانہ جنت میں ہے''۔ (۱)

☆.....اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مہذب وشائستہ گفتگو اور عمدہ طرزِ سخن اپنانے نیز ہمیشہ اچھی بات کہنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: (مَن كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَاليَومِ الآخِرِ فَليَقُلْ خَيراً أو لِيَصمُتْ) (۲) ترجمہ: (جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اچھی بات ہی کہا کرے، ورنہ خاموش رہا کرے)

☆اسی طرح ''امانت ودیانت'' نیز ''ایفائے عہد'' کی ضرورت واہمیت کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو: (لَا إِيمَانَ لِمَن لَا أَمَانَةَ لَهُ ، وَلَا دِينَ لِمَن لَا عَهدَ لَهُ) (۳) ترجمہ: (جس میں امانت نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں، اور جو کوئی وعدے کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

نیز آپ ﷺ نے ''منافق'' کی علامات اس طرح بیان فرمائی ہیں: (آيَةُ المُنَافِقِ ثَلَاث: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَ إِذَا وَعَدَ أَخلَفَ ، وَ إِذَا أُؤتِمَنَ خَانَ) (۴) ترجمہ: (منافق کی نشانیاں تین ہیں: جب بات کریگا جھوٹ بولیگا، جب وعدہ کریگا تو وعدہ خلافی کریگا، اور اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائیگی تو اس میں خیانت کریگا)۔

☆.....حاصلِ کلام یہ کہ قرآن وحدیث کی مذکورہ نصوص سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ

(۱) احمد [۹۶۷۳]

(۲) ☆ بخاری [۶۱۱۰] باب حفظ اللسان.....، ☆ مسلم [۴۷] ☆ ابن حبان [۵۱۶] ترمذی [۲۵۰۰]

(۳) احمد [۱۲۴۰۶]

(۴) بخاری [۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری: [۲۵۳۶] [۲۵۹۸] [۵۷۴۴] ۔ مسلم [۵۹] باب بیان خصال المنافق ۔ ترمذی [۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق ۔ احمد [۸۶۷۰]

''ایمان''اورحسنِ اخلاق''باہم لازم وملزوم ہیں،اور یہ کہ''اخلاقی کمزوری''درحقیقت ''ایمانی کمزوری''ہی کی علامت'اوراسی کالازمی نتیجہ ہے۔

یقیناًاس سے مسلمان کیلئے عمدہ اخلاق وصفات کواپنانے'اور برے اخلاق وعادات سے مکمل کنارہ کشی اختیارکرنے کی ضرورت واہمیت واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆.....اسلامی تعلیمات کی روشنی میں چند''اخلاقِ حَسَنہ''یعنی عمدہ وپاکیزہ اخلاق کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

۞۞۞

''صدق''

☆..... یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ ''صدق'' یعنی راست بازی وسچائی ہر خیر وخوبی کا منبع اور ہر فضیلت کا سرچشمہ ہے، جبکہ اس کے برعکس جھوٹ ہر خرابی اور ہر برائی کی بنیاد اور جڑ ہے۔

☆..... ''صدق'' کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں اس سے بڑھکر اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثاً﴾ (۱) ترجمہ: (اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلاً﴾ (۲) ترجمہ: (اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟)

نیز ارشاد ہے: ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ (۳) ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ اللہ سچا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقاً وَّ عَدْلاً﴾ (۴) ترجمہ: (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ ''سچائی'' کا اصل سرچشمہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔

☆..... اور پھر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اسی سرچشمے سے ہی ''سچائی'' کو حاصل کیا اور پھر خلقِ خدا کو بھی اس سے سیراب اور فیضیاب کیا۔ ان حضرات نے خود بھی ہمیشہ ''سچائی'' کو اپنایا، اور اپنی تعلیمات وہدایات کے ذریعے بندگانِ خدا کو بھی ہمیشہ اسی کی تاکید وتلقین فرمائی۔

(۱) النساء [۸۷] (۲) النساء [۱۲۲] (۳) آل عمران [۹۵] (۴) الانعام [۱۱۵]

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی سچائی و دیانت داری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:﴿وَاذكُر فِي الكِتَابِ اِبرَاهِيمَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقاً نَبِيّاً﴾ (۱) ترجمہ:(اس کتاب میں ابراہیم [علیہ السلام] کا قصہ بیان کیجئے، بیشک وہ بڑی سچائی والے نبی تھے)

اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:﴿وَاذكُر فِي الكِتَابِ اِدرِيسَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقاً نَبِيّاً﴾ (۲) ترجمہ:(اس کتاب میں ادریس [علیہ السلام] کا بھی ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑی سچائی والے نبی تھے)

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ حضرت مریم کے تذکرہ کے ضمن میں ارشاد ہے:
﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ (۳) ترجمہ:(ان کی والدہ راست باز عورت تھیں)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ضمن میں ارشاد ہے:﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾ (۴) ترجمہ:(اے بہت بڑے سچے یوسف......!)

''حدیثِ جبریل''میں بار بار یہ تذکرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر جبریل علیہ السلام فرماتے: (صَدَقْتَ) یعنی:''آپ نے سچ کہا''۔(۵)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب رسول اللہ ﷺ کو پیغامِ نکاح بھیجا تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کیلئے اپنی پسندیدگی اور آپ ﷺ کے ساتھ نکاح کی خواہش کی وجہ یہ بیان فرمائی:(اِنِّي رَغِبتُ فِيكَ لِقَرَابَتِكَ وَ أَمَانَتِكَ وَ حُسنِ خُلُقِكَ وَ صِدقِ

(۱) مریم[۴۱] (۲) مریم[۵٦] (۳)المائدة[۷۵]
(۴)یوسف[۴٦]
(۵)بخاری[۵۰]عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔نیز:مسلم[۸]عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

حَدِیثِكَ) (۱)

یعنی:''میں آپ سے نکاح کی خواہشمند ہوں' آپ سے قرابت داری کی وجہ سے' نیز آپ کی امانت ودیانت' خوش اخلاقی' اور سچائی کی وجہ سے''۔

آپ ﷺ کو اپنے اور پرائے' دوست اور دشمن' سب ہی ہمیشہ ''صادق'' اور ''امین'' کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

☆.....قرآن وحدیث میں جابجا ''صدق'' کو اپنانے اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ﴾ (۲) ترجمہ:(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو)

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَولًا سَدِیداً﴾ (۳) ترجمہ:(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہا کرو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَلَو صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَیراً لَّهُم﴾ (۴) ترجمہ:(اگر وہ اللہ کے ساتھ سچے رہیں تو ان کیلئے بہتری ہے)

اسی طرح اہلِ ایمان واسلام جن کیلئے قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجرِ عظیم کی خوشخبری ہے' ان کی صفات کے بیان میں اس چیز کا تذکرہ بھی ہے: ﴿وَالصَّادِقِینَ وَالصَّادِقَاتِ﴾ یعنی:''سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں''۔اور پھر آیت کے آخر میں ارشاد ہے:﴿أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَّغفِرَةً وَّ أجراً عَظِیماً﴾ (۵) ترجمہ:(ان کیلئے اللہ نے [وسیع] مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے)

(۱)السیرۃ النبویۃ لابن ہشام [ج:۱،ص:۲۲۰] (۲)التوبہ [۱۱۹] (۳)الاحزاب [۷۰]
(۴)محمد [۲۱] (۵)الاحزاب [۳۵]

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَّ نَهَرٍ فِي مَقعَدِ صِدقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقتَدِرٍ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً ہمارا ڈر رکھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے، سچائی اور عزت کی بیٹھک میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس)

نیز قرآن کریم میں ''صدیقین''، یعنی سچ بولنے والوں کا تذکرہ انبیاء اور شہداء کے ساتھ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فأولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أنعَمَ اللّٰهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول [ﷺ] کی پیروی کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ)

☆..... نیز قرآن کریم میں متعدد مواقع پر سچے لوگوں کی مدح وتوصیف بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:﴿مِنَ الْمُؤمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيهِ فَمِنهُم مَن قَضَىٰ نَحبَهٗ وَمِنهُم مَن يَّنتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبدِيلاً﴾ (۳)

ترجمہ:(مؤمنوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض [موقع کے] منتظر ہیں، اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی)

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:﴿وَ الَّذِي جَاءَ بِالصِّدقِ وَصَدَّقَ بِهٖ أولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ لَهُم مَا يَشَآءُونَ عِندَ رَبِّهِم ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحسِنِينَ﴾ (۴) ترجمہ:(اور جو سچے دین کو لائے، اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ پارسا ہیں، ان کیلئے ان کے رب کے پاس [ہر] وہ چیز ہے جو یہ چاہیں، نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے)۔

(۱) القمر [۵۴-۵۵] (۲) النساء [۶۹] (۳) الاحزاب [۲۳] (۴) الزمر [۳۳]

☆.....نیز ''سچائی'' کی اہمیت وفضیلت اس بات سے واضح ہوتی ہے قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے متعدداوصاف کے تذکرہ کے بعد آخر میں ان کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ: ''یہی سچے لوگ ہیں''۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّٖنَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا، وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ، أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (۱)

ترجمہ: (درحقیقت اچھا شخص وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، [اللہ کی] کتاب پر، اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو، جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے، غلاموں کو آزاد کرے، نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، تنگدستی، دکھ درد، اور لڑائی کے وقت صبر کرے، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں)

☆.....حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں سے وہ حضرات جنہیں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی، جنہوں نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا گھربار، اپنا وطن اور کاروبار، اپنی زمین وجائیداد، اور اپنے عزیز واحباب وغیرہ کو چھوڑا، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر اپنا سب ہی کچھ قربان کردیا..... ان جلیل القدر ہستیوں کے بارے میں بھی قرآن کریم میں یہی

(۱) البقرۃ [۱۷۷]

ارشاد ہے کہ: ''یہی سچے لوگ ہیں''۔

چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لِلفُقَرَآءِ المُهَاجِرِينَ الَّذِينَ اُخرِجُوا مِن دِيَارِهِم وَأَموَالِهِم يَبتَغُونَ فَضلاً مِّنَ اللّهِ وَرِضوَاناً وَّ ينصُرُونَ اللّهَ وَ رَسُولَهُ أولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (ان مہاجر مسکینوں کیلئے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں)

☆.....اسی طرح قیامت کے روز ''صادقین'' کا مقام ومرتبہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے: ﴿قَالَ اللّهُ هَذَا يَومُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدقُهُم ، لَهُم جَنَّاتٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأنهَارُخَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً رَضِيَ اللّهُ عَنهُم وَرَضُوا عنهُ ذلِكَ الفَوزُ العَظِيمُ﴾ (۲) ترجمہ: (اللہ ارشاد فرمائے گا کہ: یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے، ان کا سچا ہونا ان کے کام آئیگا، ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش، اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ تو بڑی کامیابی ہے)

☆.....قرآن کریم میں ''صدق'' کے بالمقابل ''نفاق'' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح وثابت ہوتی ہے کہ ''صدق'' ایمان کی علامت، دنیا وآخرت میں سعادت مندی اور صلاح وفلاح کا سبب ہے۔ جبکہ ''جھوٹ'' کفر ونفاق کی علامت اور دنیا وآخرت میں بربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِيَجزِيَ اللّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدقِهِم وَ يُعَذِّبَ المُنَافِقِينَ

(۱) الحشر [۸] (۲) المائدۃ [۱۱۹]

اِن شَآءَ أو یَتُوبَ عَلَیهِم اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوراً رَّحِیماً﴾ (۱) ترجمہ:(تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کوان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو سزا دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے یقیناً اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے)

اسی طرح قرآن کریم میں منافقین کے تذکرہ کے بعد ارشاد ہے:﴿وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكذِبُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوران کے جھوٹ کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَ اللّٰہُ یَشهَدُ اِنَّ المُنَافِقِینَ لَکَاذِبُونَ﴾ (۳) ترجمہ:(اوراللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿اِنَّمَا یَفتَرِي الکَذِبَ الَّذِینَ لَایُؤمِنُونَ بِآیَاتِ اللّٰہِ وَأولٰٓئِكَ هُمُ الکَاذِبُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(جھوٹی باتیں تو وہی لوگ بناتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں ہوتا، اور یہی لوگ جھوٹے ہیں)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:(آیَةُ المُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أخلَفَ ، وَاِذَا اُؤتُمِنَ خَانَ) (۵) ترجمہ:(منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا جھوٹ بولیگا، جب وعدہ کریگا تو وعدہ خلافی کرے گا، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائیگی، اس میں خیانت کرے گا)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :(مَا کَانَ مِن خُلُقٍ أبغَضَ اِلیٰ

(۱)الاحزاب[۲۴] (۲)البقرۃ[۱۰] (۳)المنافقون[۱] (۴)النحل[۱۰۵]

(۵)بخاری[۳۳]باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری:[۲۵۳۶][۲۵۹۸][۵۷۴۴]۔مسلم[۵۹]باب بیان خصال المنافق۔ترمذی[۲۶۳۱]باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔احمد[۸۶۷۰]

رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الکَذِبِ) (۱) ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ کو''جھوٹ'' سے بڑھ کراورکوئی عادت ناپسندنہیں تھی)یعنی آپ ﷺ کی نظر میں''جھوٹ''سب سے زیادہ بری اورانتہائی ناپسندیدہ ترین عادت وخصلت تھی۔

☆.....یہ ایک اٹل اورناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سچ بولنے والاانسان ہمیشہ پرسکون ومطمئن رہتاہے۔جبکہ اس کے برعکس جھوٹاانسان ہمیشہ بے چین رہتاہے،ذہنی سکون و اطمینان جیسی اہم ترین نعمت سے وہ ہمیشہ محروم ہی رہتاہے۔جھوٹ بول کرانسان کوئی عارضی اوروقتی فائدہ توحاصل کرسکتاہے،مگراس کا یہ جھوٹ زندگی بھرکیلئے وبالِ جان اورمسلسل عذاب اورروگ بن جاتاہے،اوراسے ہمہ وقت یہی دھڑکالگارہتاہے کہ کہیں دنیاوالوں کے سامنے اس کاجھوٹ ظاہرنہوجائے ،اسی فکراورپریشانی کی وجہ سے اس کاسکون برباد ہوجاتاہےاوراس کی زندگی بےلطف اوربدمزہ ہوجاتی ہے۔

اسی حقیقت کوحدیث میں اس طرح بیان کیاگیاہے:(اِنّ الصِّدقُ طُمَأنِینَة ، وَاِنّ الکَذِبُ رِیبَةٌ) (۲) ترجمہ:(سچ میں سکون واطمینان ہے،جبکہ جھوٹ بےاطمینانی اورشک وشبہے کاسبب ہے)

نیز یہ کہ خدانخواستہ اگرکوئی ایسی صورتِ حال درپیش ہوکہ بظاہرسچ بولنے میں کسی نقصان کااندیشہ ہو،ایسی صورتِ حال میں بھی اس حقیقت اوراس قانونِ قدرت کوخوب یادرکھناچاہئے کہ ہمیشہ سچائی کوتھامے رکھنے میں ہی دونوں جہانوں میں عافیت وسلامتی ہے،جبکہ جھوٹ بول کرانسان وقتی طورپرتواپنی جان بچاسکتاہے،لیکن جلدیابدیرکبھی نہ کبھی آخرکاریہی جھوٹ اس کیلئے دونوں جہانوں میں رسوائی اورہلاکت وبربادی کاسبب بن

(۱)الترغیب والترہیب[۴۴۶۴]باب : الترغیب فی الصدق والترہیب من الکذب(بحوالہء:احمدوالبزاروابن حبان) (۲) ترمذی[۲۵۱۸]

جائے گا۔غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے مشہور ومعروف واقعہ میں بھی رہتی دنیا تک تمام انسانیت کیلئے یہی پیغام ہے کہ ''سچائی'' کا راستہ اختیار کرنے میں ہی انسان کیلئے دنیاوآخرت میں صلاح وفلاح 'عزت' عافیت اورسلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔(۱)

''صدق'' کے مراتب ودرجات:

اہلِ علم نے ''صدق'' کے تین مراتب ودرجات بیان کئے ہیں' جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) صدق مع اللہ: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق میں سچا اور مخلص ہو، اس کا ہر قول وعمل خالصۃً اپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر ہو، نام ونمود اور ریاء کاری مقصود نہو، نیز یہ کہ اس کے ظاہر وباطن میں کوئی اختلاف اور تضاد نہو، اس کے دل میں یہ عقیدہ وایمان راسخ وپیوست ہو کہ خلوت ہو یا جلوت' اس کا خالق ومالک اسے ہر جگہ اور ہر حالت میں دیکھ رہا ہے، اس کی ہر ہر بات کو سن رہا ہے، اس کا کوئی قول وفعل اس علیم وخبیر اور سمیع وبصیر سے کسی صورت مخفی نہیں رہ سکتا۔اسی جذبہ وایمان کے تحت وہ ہمیشہ اپنے خالق ومالک کی عبادت' اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول رہے اور اس کی رضامندی وخوشنودی کے حصول کیلئے کوشاں وسرگرداں رہے۔

(۲) صدق مع الرسول ﷺ: اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی ہر عبادت صرف اس شریعت کے مطابق انجام دے جو کہ رسول اللہ ﷺ من جانب اللہ لائے ہیں۔ یا بالفاظِ دیگر ہر معاملے میں اور زندگی کے ہر شعبے میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت وپیروی کی

(۱) اس واقعہ کا تذکرہ سورۂ توبہ میں ہے۔نیز کتبِ حدیث میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔

جائے۔''ابتداع'' کی بجائے''اتباع'' کامکمل اہتمام والتزام ہو،جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:
﴿قُل اِن كُنتُم تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحبِبكُمُ اللّهُ وَيَغفِرلَكُم ذُنُوبَكُم وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيم﴾ (۱) ترجمہ:(کہہ دیجئے!اگرتم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری کرو،خوداللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گااورتمہارے گناہ معاف فرمادے گااوراللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والامہربان ہے)

نیزرسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(كُلُّ أُمَّتِي يَدخُلُونَ الجَنَّةَ اِلَّا مَن أبَىٰ ، قِيلَ : وَمَن يَأبَىٰ يَارَسُولَ اللّه؟ قَالَ : مَن أطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَن عَصَانِي فَقَدأبَىٰ) (۲) ترجمہ:(میری امت کےسب ہی لوگ جنت میں داخل ہوہی جائیں گےسوائے اس شخص کے جوخودہی [جنت میں جانے سے] انکارکردے،عرض کیا گیا کہ: اے اللہ کے رسولؐ! ایسا شخص کون ہوسکتاہے کہ جوخودہی [جنت میں جانے سے] انکار کردے؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا،اورجس نے میری نافرمانی کی اس نےخودہی[جنت میں جانے سے]انکارکردیا)(۳)

<u>(۳) صدق مع الناس:</u> اس سے مرادیہ ہے کہ انسان بندگانِ خداکے ساتھ اپنی گفت وشنید،لین دین،خریدوفروخت،رویہ وسلوک وغیرہ،غرضیکہ ہرمعاملے میں مکمل سچائی ودیانت داری کاراستہ اختیارکرے۔جھوٹ،خیانت،دھوکہ دہی،مکروفریب اورہرقسم کی بددیانتی سےمکمل اجتناب کرے۔

☆...... یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ''صدق''یاسچائی اورراست بازی کامفہوم

(۱) آل عمران[۳۱] (۲) بخاری[۶۸۵۱]

(۳) متعدداہلِ علم کے بقول اس حدیث میں''انکار''سے مرادرسول اللہ ﷺ کی بعثت ورسالت کاانکارہے۔

محض زبانی بات چیت اورانسانوں کی باہمی گفت وشنید تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ اورمفہوم بہت وسیع اورعام ہے۔ چنانچہ مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول وفعل میں سچا ہو،اس کا ایمان بھی خالص اورسچا ہو،اس کا عزم بھی سچا ہو،اس کی نیت بھی سچی ہو،اور یہ کہ زندگی کے ہرشعبے اور ہرمعاملے میں وہ سچائی کے راستے پرمکمل ثابت قدمی واستقلال کے ساتھ گامزن اورروا ں دواں رہے، کیونکہ یہی ایمان کی نشانی ہے،اوراسی میں بندے کیلئے دونوں جہانوں میں کامیابی وسعادت مندی ہے۔جبکہ اس کے برعکس جھوٹ کفرونفاق کی علامت اوردونوں جہانوں میں بربادی کا سبب ہے۔یہی مفہوم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے:(عَلَيكُم بِالصِّدْقِ ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهدِي إِلىٰ البِرِّ ، وَالبِرُّ يَهدِي إِلىٰ الجَنَّةِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصدُقُ وَيَتَحَرَّىٰ الصِّدقَ حَتَّىٰ يُكتَبَ عِندَ اللهِ صَدِّيقاً ، وَإِيَّاكم وَالكَذِبَ ، فَإِنَّ الكَذِبَ يَهدِي إِلىٰ الفُجُورِ ، وَإِنَّ الفُجُورَ يَهدِي اَلىٰ النَّارِ ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكذِبُ وَيَتَحَرَّىٰ الكَذِبَ حَتَّىٰ يُكتَبَ عِندَ اللهِ كَذَّاباً) (۱) ترجمہ:(تم سچ کو تھامے رکھو، کیونکہ سچ نیکی تک پہنچاتا ہے،اورنیکی جنت تک پہنچاتی ہے، جوشخص ہمیشہ سچ ہی بولتا رہتا ہے اورسچائی کے راستے پرہی چلتا رہتا ہے' اللہ کے نزدیک اسے ''سچا'' لکھ لیا جاتا ہے۔اورجھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ برائی تک لے جاتا ہے،اور برائی [جہنم کی] آگ تک پہنچاتی ہے،اور جو کوئی ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا رہتا ہے اورجھوٹ کے راستے پرہی گامزن رہتا ہے' اسے اللہ کے نزدیک ''جھوٹا'' لکھ لیا جاتا ہے)۔

(۱) مسلم[۲۶۰۷] احمد[۳۶۳۸] ابن حبان[۲۷۳]

''امانت ودیانت''

اس دنیا میں ہر انسان کی فطری طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایسا ماحول اور ایسا معاشرہ نصیب ہو سکے جہاں امن وامان، سکون واطمینان اور محبت وہمدردی کی فضا ہو، اور کسی بھی معاشرے میں اس مقصد کے حصول کیلئے ''امانت ودیانت'' بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ جس معاشرے سے امانت ودیانت ختم ہوجائے وہاں ہر جگہ ناقابلِ اصلاح بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، باہمی اعتماد مفقود ہوجاتا ہے، امن وامان، خوشحالی واطمینان کی بجائے وہاں افراتفری، بے چینی اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوجاتا ہے، خواہ کاروباری معاملات ہوں یا گھریلو تعلقات، ہر جگہ خرابی وبربادی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور یوں پورا معاشرہ اجتماعی موت کی طرف گامزن ہوجاتا ہے۔

اسی لئے اسلام میں ''امانت ودیانت'' کی بہت بڑی اہمیت ہے، اور قرآن وحدیث میں جابجا اس کی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے اوصاف کے بیان میں ارشاد ہے ﴿وَالَّذِينَ هُم لِأَمَانَاتِهِم وَعَهدِهِم رَاعُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَا إِيمَانَ لِمَن لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَن لَا عَهدَ لَهُ) (۲) ترجمہ: (جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں، اور جو کوئی وعدے کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

(۱) المؤمنون [۸] (۲) احمد [۱۲۴۰۶]

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَ إِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ) (۱) ترجمہ:(منافق کی تین نشانیاں ہیں:جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا،جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا،اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(اذاضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانتَظِرِ السَّاعَةَ (۲) ترجمہ:(جب امانت ضائع کی جانے لگے تب تم قیامت کا انتظار کرو)

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(أربَعٌ إِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيكَ مَا فَاتَكَ مِنَ الدُّنيَا: حِفظُ أَمَانَةٍ، وَصِدقُ حَدِيثٍ، وَحُسنُ خَلِيقَةٍ، وَعِفَّةٌ فِي طُعمَةٍ) (۳) ترجمہ:(چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تمہیں نصیب ہوجائیں تو پھر اور کچھ اگر تمہیں نہ بھی ملے تب بھی غم کی کوئی بات نہیں:امانت داری،راست گوئی،خوش اخلاقی،اور رزقِ حلال)

☆امانت کی اقسام:

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَاتَخُونُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُولَ وَ تَخُونُوا أَمَانَاتِكُم وَأَنتُم تَعلَمُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(اے ایمان والو!تم اللہ اور اس کے رسول[کے حقوق] میں جانتے ہوئے خیانت مت کرو اور اپنی قابلِ حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو)

اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ کے ساتھ خیانت،اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت، نیز باہم ایک دوسرے کے ساتھ خیانت سے منع کیا گیا ہے،لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امانت اور اس میں خیانت کی درحقیقت تین صورتیں ہیں جن کے بارے میں مسلمان

(۱)بخاری[۳۳] (۲)بخاری[۵۹] کتاب العلم (۳)احمد[۹۶۶۵۲] (۴)الانفال[۲۷]

کیلئے بصیرت وآ گاہی ضروری ہے،لہٰذااس سلسلے میں ہرمسلمان کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ امانت ودیانت کے موضوع پر جب بھی بات ہوگی تو اس میں امانت کی مذکورہ تینوں اقسام شامل ہوں گی جن کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ امانت ودیانت:

اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کے ذمے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جو حقوق ہیں' یا دینی فرائض وواجبات اور شرعی احکام ہیں' مکمل خلوصِ نیت کے ساتھ ان کی تعمیل اور بجا آوری کی پوری کوشش کی جائے،اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق میں سے یقیناً سب سے اہم ترین اوراولین حق عقیدۂ توحید کا اقرار واظہار،اس پر مکمل یقین وایمان،نیز عملی زندگی میں اس کی تصدیق اوراس کے تقاضوں کی تکمیل ہے،روزِ ازل انسان سے اسی بات کا عہد لیا گیا تھا جس کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے:﴿وَاِذ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِم ذُرِّيَّتَهُم وَأَشهَدَهُم عَلَىٰ أَنفُسِهِم أَلَستُ بِرَبِّكُم ، قَالُوا بَلَىٰ شَهِدنَا ، أَن تَقُولُوا يَومَ القِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَن هٰذَا غَافِلِينَ﴾ (۱)

ترجمہ:(اور جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اوران سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے)۔

چنانچہ اس ارشادِ ربانی کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحید کا صدقِ دل سے اقرار واظہار اور ہرقسم کے شرک سے اپنا دامن بچائے رکھنا انسان کے ذمے اللہ کی طرف سے

(۱)الاعراف[۱۷۲]

امانت ہے۔

اسی طرح تمام شرعی احکام بھی اللہ کی طرف سے بندے کے ذمے امانت ہیں،جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ مقصود ہے،ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الأَمَانَةَ عَلیٰ السَّمٰوَاتِ وَالأرضِ وَ الجِبَالِ فَأَبَینَ أن یَّحمِلنَهَا وَأشفَقْنَ مِنهَا وَ حَمَلَهَا الانسَانُ﴾ (۱) ترجمہ:(ہم نے اپنی امانت کوآسمانوں پر، زمین پراور پہاڑوں پر پیش کیا،لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیااوراس سے ڈرگئے[مگر]انسان نے اسے اٹھالیا)

لہٰذا نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ ودیگرتمام عبادات وشرعی احکام ودینی فرائض وواجبات چونکہ اللہ کی طرف سے مقررفرمودہ ہیں اسلئے یہ سب بھی بندے کے ذمے اللہ کی طرف سے امانت ہیں جن کے بارے میں قیامت کے روز حساب وکتاب ہوگا، لہٰذا بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کی ان امانتوں کی حفاظت اور پاسداری کرے اورانہیں ضائع کرکے اپنی دنیاوآخرت برباد نہ کرے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امانت ودیانت:

اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان کی ہرعبادت کی صحت اورعنداللہ قبولیت کیلئے اتباعِ سنت ضروری ہے،یعنی وہ عبادت اس ہدایت اوراس طریقے کے مطابق ہوجواللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کوسکھایااور بتایاہے،قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي یُحبِبکُمُ اللّٰهُ وَیَغفِرلَکُم ذُنُوبَکُم وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِیم﴾ (۲) ترجمہ:(کہہ دیجئے!اگرتم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوتو میری تابعداری

(۱)الاحزاب[۷۲] (۲)آل عمران[۳۱]

کرو،خوداللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گااورتمہارے گناہ معاف فرمادے گااوراللہ تعالیٰ بڑابخشنے والامہربان ہے)

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی طرف سے تمام بنی نوعِ انسان کی ہدایت ورہنمائی کی غرض سے اسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ بنا کرمبعوث فرمایا گیا ہے، لہٰذا مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایات وتعلیمات کواپنے لئے مشعلِ راہ سمجھےاوران تعلیمات کے مطابق عمل کواپنے ذمے امانت تصور کرتے ہوئے آپؐ کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کرےاورنافرمانی سے بچے، کیونکہ دنیاوآخرت میں کامیابی وسرخروئی کیلئے رسول اللہ ﷺ کااتباع ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدأَطَاعَ اللّهَ﴾ (۱)

ترجمہ:(جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی)

نیزارشادِربانی ہے:﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهتَدُوا﴾ (۲) ترجمہ:(اگرتم ان[رسولؐ] کی اطاعت کروگےتب ہی تم ہدایت پاسکوگے)

رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے: (كُلُّ أُمَّتِي يَدخُلُونَ الجَنَّةَ اِلَّا مَن أَبَىٰ ، قِيلَ : وَمَن يَأبَىٰ يَارَسُولَ اللّه؟ قَالَ : مَن أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَن عَصَانِي فَقَدأَبَىٰ) (۳) ترجمہ:(میری تمام امت کوجنت میں داخلہ نصیب ہوجائے گاسوائے اس شخص کے جوخودہی[جنت میں جانے سے]انکارکردے،عرض کیا گیا کہ اےاللہ کے رسول ایساکون شخص کون ہوگاجوجنت میں جانے سے خودہی انکارکردے[یعنی جنت کو ٹھکرادے]؟آپؐ نےفرمایا:جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوجائے گا،

(۱)النساء[۸۰] (۲)النور[۵۴] (۳)بخاری[۶۸۵۱]

اورجس نے میری نافرمانی کی وہ[جہنم کی] آگ میں جائے گا)(۱)

(۳) انسانوں میں باہمی امانت ودیانت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ﴾ (۲)
ترجمہ:(جس کے پاس امانت رکھی گئی ہووہ اسے ادا کردے اوراللہ سے ڈرے جواس کارب ہے)

نیزارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰـهَ يَـأْمُـرُكُـم أن تُؤدُّوا الأمَـانَـاتِ اِلَىٰ أهلِهَـا﴾ (۳)
ترجمہ:(بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتاہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ)

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے امانتوں کوان کے حقداروں تک پہنچانے کا حکم دیا گیاہے،اس کامفہوم وسیع اورعام ہے،یعنی امانت خواہ مال ودولت،روپے پیسے یازمین جائیداد کی شکل میں ہو،یاکسی اورشکل میں ہو،بہرحال اسے اس کے اصل اورحقیقی مستحق کے حوالے کرناضروری ہے، جوکوئی جس سلوک کامستحق ہے اس کے ساتھ وہی سلوک روارکھاجائے،جوجس قدرانعام واکرام اورتحسین وآفرین کامستحق ہے اسے اس کا یہ جائز حق دیاجائے،جوطالبِ علم جس قدرنمبروں کامستحق ہے اسے وہ نمبرضرور دیئے جائیں، جوکوئی جس عہدے یامنصب یاکسی ملازمت کاجائزحق دارہے اسے اس کا یہ حق ضرور دیاجائے،کسی ملازمت یاعہدے کامعاملہ ہویاکسی تعلیمی ادارے میں داخلے کامسئلہ ہو، ایسے مواقع پرجائزحق داروں اورقابل ولائق افرادکونظرانداز کرکے محض قرابت داری،ذاتی

(۱)متعدداہلِ علم کے بقول اس حدیث میں ''انکار'' سے مرادرسول اللہ ﷺ کی بعثت ورسالت کاانکار ہے۔
(۲)البقرہ[۲۸۳] (۳)النساء[۵۸]

تعلقات' سفارش' یارشوت کی بناء پرنااہل اورنالائق افرادکوآگے بڑھانااورترجیح وفوقیت دیناانتہائی بدترین خیانت اورقربِ قیامت کی علامت ہے،جیساکہ رسول اللہﷺ کاارشاد ہے:(اِذا وُسِدَ الأمرُ اِلیٰ غَیرِأھلِهٖ فَانتَظِرِ السَّاعَة)(۱) ترجمہ:(جب کوئی کام[یاعہدہ اورمنصب] کسی ایسے شخص کے حوالے کیاجانے لگے جواس کامستحق نہو،تب تم قیامت کاانتظارشروع کردو)

نیزارشادِنبویؐ ہے:(کُلُّکُم رَاعٍ وَکُلُّکُم مَسئُولٌ عَن رَعِیَّتِه (۲) ترجمہ:(تم میں سے ہرشخص نگہبان ہےاورہرایک سےاس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا)

یعنی اس دنیامیں ہرانسان خواہ وہ چھوٹاہویابڑا،امیرہویافقیر،کسی نہ کسی درجے میں نگہبان ہےاوراس کی کچھ ذمےداریاں ہیں جن کے بارے میں وہ اللہ کےسامنے جوابدہ ہے۔

☆......اگرکوئی کسی ملک یاعلاقے کاحکمران یاسربراہ ہےتوتمام رعیت اس کے ذمے امانت ہےاوروہ اللہ کےسامنےاپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہے۔

☆......کوئی کسی ادارے یاکسی دفتریاکمپنی کاسربراہ ہےتووہاں اس کے ماتحت کام کرنے والےتمام افراداس کے ذمے امانت ہیں اوروہ ان سب کے بارے میں اللہ کےسامنے جوابدہ ہے۔

☆......درس گاہ یاکلاس میں تمام طلبہ استادکےذمےامانت ہیں۔

☆......اگرکوئی ڈاکٹرہےتومریض اس کے ذمے امانت ہیں، نیزمریضوں کی طرف سے اس کے سامنے بغرضِ علاج ظاہرکئے گئے تمام کوائف وحالات اس کے ذمے امانت اورراز ہیں۔

(۱)بخاری[۵۹] کتاب العلم۔نیز:احمد[۸۷۱۴] (۲)بخاری[۴۸۹۲]

☆.....اگر کوئی ہوائی جہاز کا پائلٹ ہے یا کسی بھی سواری کا ڈرائیور ہے تو تمام مسافر اس کے ذمے امانت ہیں اور وہ اللہ کے سامنے ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

☆.....اگر کوئی مزدور ہے تو مکمل خلوص، لگن، اور محنت وجاں فشانی کے ساتھ درست طریقے سے کام کی انجام دہی اس کے ذمے امانت ہے۔

☆.....جبکہ خود یہ مزدور اور اس کی مزدوری اس آجر کے ذمے امانت ہے جس کیلئے یہ مزدور محنت ومشقت اور مزدوری کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجرَهُ قَبلَ أن يَجِفَّ عَرَقُهُ) (۱) ترجمہ: (مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کردو)

☆.....اسی طرح اگر کوئی تاجر ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت اور خرید وفرخت میں امانت ودیانت سے کام لے، ناپ تول نیز وزن اور پیمائش وغیرہ میں کمی بیشی نہ کرے چیزوں میں ملاوٹ نہ کرے، کسی بیکار اور عیب دار چیز کو خریدار کے سامنے اپنی ہوشیاری اور عیاری سے عمدہ ظاہر کر کے فروخت نہ کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيلٌ لِّلمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ اِذَا اكتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَستَوفُونَ وَ اِذَا كَالُوهُم أو وَّزَنُوهُم يُخسِرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے، کہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن غَشَّنَا فَلَيسَ مِنَّا) (۳) ترجمہ: (جس نے ہمیں دھوکہ دیا [یا ملاوٹ کی] وہ ہم میں سے نہیں)۔

(۱) ابن ماجہ [۲۴۴۳] (۲) المطففین [۱-۲-۳] (۳) مسلم [۱۰۱]

قرآن کریم میں متعدد مواقع پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ چیزوں میں ملاوٹ' اور ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔حضرت شعیب علیہ السلام انہیں اس حرکت سے باز رہنے کی مسلسل نصیحت اور وعظ وتلقین فرماتے رہے،مگران پراس وعظ ونصیحت کا قطعاً کوئی اثر نہوا،اوروہ اپنی خیانت وبددیانتی پر مسلسل اَڑے رہے،آخران کے اسی جرمِ عظیم کے نتیجے میں ان پراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایساعذاب نازل کیا گیا کہ اس قوم کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔

لہٰذایہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ کاروباری خیانت وبددیانتی اس قدر گھناؤنا فعل اورایساعظیم جرم ہے کہ جس کے نتیجے میں اللہ کا عذاب اورغضب نازل ہوسکتا ہے۔

☆.....اسی طرح انسان کے اہل وعیال بھی اس کے ذمے امانت ہیں اوروہ ان کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔

اور یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ انسان کے ذمے اہل وعیال کی یہ ذمے داری محض ان کی ظاہری وجسمانی ضروریات مثلاً خوراک ولباس وغیرہ تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی کردارسازی اوراخلاقی وروحانی تربیت کی ذمہ داری بھی شامل ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُم وَ اَهلِيكُم نَاراً﴾ (۱) ترجمہ:(اے ایمان والو!بچاؤ خوداپنے آپ کوبھی اوراپنے اہل وعیال کوبھی [جہنم کی] آگ سے)۔

☆.....اسی طرح دوافراد کے درمیان ہونے والی کوئی گفتگو یا کسی محفل میں کی جانے والی

(۱)التحریم[٦]

باتیں بھی امانت ہیں اور تمام شرکائے محفل کی یہ دینی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان باتوں کو اپنے تک محدود رکھیں اور کسی غیر متعلق شخص کے سامنے انہیں ظاہر نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الحَدِيثَ ثُمَّ التَفَتَ فَهِيَ أَمَانَة) (۱) ترجمہ: (جب کوئی شخص کسی کے سامنے کوئی بات کہے اور پھر وہاں سے چلتا بنے تو [اس کی کہی ہوئی] یہ بات بھی [سننے والے کے ذمے] امانت ہے)

☆.....اگر کوئی شخص کسی سے کوئی مشورہ طلب کرتا ہے، تو جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے اس کے ذمے یہ بات امانت ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق مکمل ایمانداری کے ساتھ اسے درست اور مناسب مشورہ دے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (المُستَشَارُ مُؤتَمَن) (۲) یعنی: ''جس کسی سے مشورہ طلب کیا جائے وہ [اس چیز کو اپنے ذمے امانت تصور کرتے ہوئے] مکمل ایمان داری کے ساتھ مشورہ دے''۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی امانت ودیانت؛ امّت کیلئے اُسوۂ حسنہ:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّهِ أُسوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳) ترجمہ: (تمہارے لئے رسول اللہ [ﷺ] کی ہستی میں یقیناً بہترین نمونہ ہے)

اس ارشادِ ربانی کی روشنی میں اہلِ ایمان کیلئے یقیناً ہر معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ موجود ہے، لہٰذا امانت ودیانت کے سلسلے میں بھی آپ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی پاکیزہ سیرت ہمارے لئے مشعلِ راہ اور بہترین نمونہ ہے، چنانچہ اس

(۱) ترمذی[۱۹۵۹] باب ماجاء أنّ المجالس أمانة۔ (۲) ترمذی[۲۸۲۲] (۳) الاحزاب[۲۱]

بارے میں تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح اورعیاں ہے کہ آپ ﷺ شہر مکہ میں اپنی نوعمری کے زمانے سے ہی ''صادق وامین'' کے لقب سے مشہور تھے، آپ ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ، شرافت، نیکی، سچائی، امانت ودیانت، معصومانہ اور بے داغ زندگی اوراعلیٰ اخلاق وکردار کی وجہ سے آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ ؐکواسی لقب سے پکارتے تھے اورآپ ؐکی امانت ودیانت کے بلاچون وچرا معترف تھے، آپ ﷺ کو کفارِ مکہ نے ہرقسم کی جسمانی اورذہنی تکلیفیں پہنچائیں، کبھی آپ ؐکا مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا گیا، کبھی آپ ؐپر پتھر برسائے گئے اورلہولہان کیا گیا، کبھی ان بدبختوں نے آپ ؐکوجادوگراورکبھی دیوانہ کہا، غرضیکہ دشمنانِ اسلام آپ ؐکوجس قدر جسمانی ونفسیاتی تکلیفیں پہنچاسکتے تھے انہوں نے وہ تکلیفیں پہنچائیں اوراس میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، مگراس کے باوجودکبھی کسی بدترین دشمن نے بھی آپ ﷺ کو بددیانت یاخائن اوربے ایمان نہیں کہا......اوریہ بھی تاریخِ عالم کا یقیناً ایک بڑا اعجوبہ ہے کہ ہجرت کی رات جب کفارِ مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کے قتل کی سازش تیارتھی اوراس مقصد کیلئے تمام ضروری کارروائی اورتیاری مکمل کی جاچکی تھی، آپ ؐ کے قتل کی غرض سے آپ ؐ کے گھر کا محاصرہ کیا جاچکا تھااورچاق وچوبند جوانوں کی ایک بڑی تعداد ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے مستعد اورتیار کھڑی تھی، اس وقت بھی ان بدبختوں اوربدترین دشمنوں کی امانتیں آپ ﷺ ہی کے پاس تھیں، کس قدرعجیب بات ہے کہ کفارِ مکہ جوآپس میں بہترین دوست تھے، ایک ساتھ گھومتے پھرتے، جوئے کی بازیوں میں اورشراب کی محفلوں میں وہ سب ساتھ ہوتے، مگراس کے باوجودانہیں آپس میں ایک دوسرے پربھروسہ نہیں تھا، پورے شہرمکہ میں انہیں اگرکسی پربھروسہ تھا' تووہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی شخصیت تھی۔

نیز رسول اللہ ﷺ کی بے نظیر امانت ودیانت بھی ملاحظہ ہو کہ آپ ﷺ اگر چاہتے تو ان کی وہ سب امانتیں اپنے ساتھ مدینہ لے جاتے.....لیکن آپ ؐ نے ایسا نہیں کیا، آپ ؐ نے یہ نہیں سوچا کہ انہی کفارِ مکہ کی بدسلوکیوں اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے تو میں گھر سے بے گھر اور وطن سے بے وطن ہو رہا ہوں، انہی کے مظالم اور سختیوں کی وجہ سے میں اپنے آباء واجداد کے شہر سے جدائی اور ہجرت پر مجبور ہو گیا ہوں، لہٰذا.....چلو چلتے چلتے میں ان کی امانتیں بھی سمیٹ کر اپنے ساتھ لیتا جاؤں..... !! آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ سفرِ ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ سے اپنی خفیہ روانگی سے قبل آپ ؐ نے وہ تمام امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کرتے ہوئے انہیں اس بات کی خاص تاکید فرمائی کہ میری روانگی کے بعد یہ تمام امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر دی جائیں، یقیناً امانت ودیانت کی یہ ایسی مثال ہے کہ دنیا جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

☆ گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امانت ودیانت:

قرآن کریم میں سورہ الشعراء میں متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک کے تذکرہ میں ایک بات خاص طور پر ذکر کی گئی ہے، وہ یہ کہ ان میں سے ہر نبی نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہا کہ: ﴿اِنِّي لَكُم رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ (۱) یعنی: ''میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اس حال میں کہ میں ''امین'' یعنی امانت دار ہوں''۔

اس سے امانت ودیانت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، کیونکہ اس سورت میں بار بار گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اس صفت (امانت ودیانت) کا بطورِ خاص تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۱) الشعراء [۱۰۷-۱۲۵-۱۴۳-۱۶۲-۱۷۸]

☆جبریل علیہ السلام کی امانت ودیانت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَاِنَّـهٗ لَتَنزِيلُ رَبِّ العَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ عَـلـىٰ قَـلبِكَ لِتَـكُـونَ مِـنَ المُنذِرِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(اور یقیناً یہ[قرآن]تو رب العالمین کا نازل فرمایا ہوا ہے،اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے،آپ [ﷺ] کے دل پر اترا ہے کہ آپ آگاہ کردینے والوں میں سے ہوجائیں)

اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کیلئے ''امین'' یعنی : امانت دار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:﴿..... مُـطَـاعٍ ثَـمَّ أَمِيـن﴾ (۲) ترجمہ:(..... جس کی وہاں [آسمانوں میں] اطاعت کی جاتی ہے' جو امین ہے)(۳)

اس آیت میں بھی ''امین'' سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں۔

غور طلب بات ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جو تمام فرشتوں کے سردار ہیں اور جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بہت ہی خاص اور بلند ترین مقام ومرتبہ ہے' انہیں قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ''امین'' کے لقب سے یاد کیا جانا یقیناً ''امانت ودیانت'' کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتا ہے۔

☆.....لہٰذا ہر مسلمان کو اس بارے میں غور وفکر کرنے' نیز ''امانت ودیانت'' کے حوالے سے مکمل خلوصِ نیت اور سنجیدگی کے ساتھ اپنا محاسبہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

(۱)الشعراء [۱۹۲۔۱۹۳۔۱۹۴] (۲)التکویر[۲۱]

(۳) یعنی وہاں آسمانوں میں تمام فرشتے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی اطاعت وفرمانبرداری اوران کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

''ایفائے عہد''

انسانی معاشرے میں باہم ذاتی معاملات ہوں' یا تجارتی وکاروباری امور ہوں' کوئی اخلاقی مسئلہ یا قول وقرار ہو' یا مالی لین دین اور خرید وفروخت سے متعلق کوئی عہد و پیمان ہو' بہر حال ان تمام امور کا انحصار بڑی حد تک آپس کے وعدوں اور معاہدوں پر ہی ہوتا ہے، اگر ان باہمی وعدوں اور قول وقرار کی پابندی کا اہتمام والتزام ہو تو معاشرے میں روزمرہ کے تمام امور بخیر وخوبی چلتے رہتے ہیں، جبکہ قول وقرار یا وعدے کی خلاف ورزی' یا معاہدے سے انحراف کی صورت میں باہمی اعتماد مجروح ہوجاتا ہے، دلوں میں وسوسے اور اندیشے پیدا ہونے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں تمام معاملات بگڑ جاتے ہیں اور معاشرے کی دیواروں میں شگاف پڑنے لگتے ہیں' اور یوں معاشرہ زوال وانحطاط کا شکار ہوجاتا ہے۔

لہٰذا معاشرے میں ''وفاء'' یا ''ایفائے عہد'' کو یقیناً بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں ''ایفائے عہد'' کی بار بار تاکید وتلقین کی گئی ہے، اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

☆ چنانچہ قرآن کریم میں اہلِ ایمان کے اوصاف کے تذکرہ کے ضمن میں ارشاد ہے:

﴿وَ الَّذِینَ هُم لِأَمَانَاتِهِم وَ عَهدِهِم رَاعُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (جو اپنی امانتوں اور وعدے کی حفاظت کرنے والے ہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِینَ یُوفُونَ بِعَهدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنقُضُونَ المِیثَاقَ﴾ (۲) ترجمہ: (جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو توڑتے نہیں)

(۱) المؤمنون [۸] نیز: المعارج [] (۲) الرعد [۲۰]

جبکہ اس کے برعکس ''عہد شکنی'' یا وعدہ خلافی'' کو نفاق کی علامت اور فاسقوں کا شیوہ بتایا گیا ہے۔

چنانچہ کفار ومنافقین کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اَلَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِن بَعدِ مِيثَاقِهٖ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أن يُّوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الأرضِ أولٰٓئِكَ هُمُ الخَاسِرُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(جولوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے' انہیں کاٹتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَ مَا وَجَدْنَا لِاَكثَرِهِم مِن عَهْدٍ وَاِن وَجَدْنَا أكثَرَهُم لَفَاسِقِينَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوران میں سے اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اوران میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا)

☆''ایفائے عہد'' کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن کریم میں متعدد مواقع پر اس کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أوفُوا بِالعُقُودِ﴾ (۳) ترجمہ:(اے ایمان والو! عہد وپیماں پورے کرو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَأوفُوا بِالعَهْدِ اِنَّ العَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ (۴) ترجمہ:(اور پورا کرو وعدے کو، کیونکہ یقیناً وعدوں کے بارے میں باز پرس کی جائیگی)

☆خصوصاً جب کوئی معاہدہ اللہ کے نام پر کیا گیا ہو' معاہدہ کرتے وقت اللہ کا واسطہ دیا گیا ہو' یا اللہ کی قسم کھائی ہو' تو ایسے حلفیہ معاہدے کی قدر وقیمت اور اس کی اہمیت تو بہت زیادہ

(۱)البقرۃ[۲۷] (۲)الاعراف[۱۰۲] (۳)المائدۃ[۱]
(۴)الاسراء/بنی اسرائیل[۳۴]

بڑھ جاتی ہے، کیونکہ یہ تو گویا اللہ کے ساتھ معاہدہ ہے ،لہٰذا ایسے معاہدے کی حفاظت اوراس کا لحاظ انتہائی ضروری ہے بلکہ جزوِایمان ہے،اوراس کی خلاف ورزی انتہائی سنگین جرم اورقبیح ترین عمل ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ أوفُوا ذٰلِكُم وَصَّاكُم بِهٖ لَعَلَّكُم تَذَكَّرُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(اوراللہ تعالیٰ سے جوعہد کیا ہے اس کو پورا کرو،اس بات کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یادرکھو)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَ أوفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدتُّم وَ لَا تَنقُضُوا الاَيمَانَ بَعْدَ تَوكِيدِهَا وَقَد جَعَلتُمُ اللّٰهَ عَلَيكُم كَفِيلاً اِنَّ اللّٰهَ يَعلَمُ مَا تَفعَلُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(اوراللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم آپس میں قول وقرار کرو،اورقسموں کوان کی پختگی کے بعدمت توڑو؛ حالانکہ تم اللہ کواپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو؛تم جو کچھ کرتے ہواللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے)

ارشادِربانی:﴿لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسوة حَسَنَةٌ﴾ (۳) کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ہستی ہمارے لئے زندگی کے ہر معاملے میں اور ہر شعبے میں بہترین نمونہ اورمثال ہے۔''ایفائے عہد'' کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح وعیاں ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہر معاہدے کی مکمل پابندی فرمائی ،تاریخ گواہ ہے کہ آپ ﷺ نے کفار ومشرکین اور بدترین دشمنوں کے ساتھ کئے گئے ہر معاہدے کا بھی مکمل احترام ولحاظ رکھا،اور یوں آپ ﷺ نے تمام دنیائے انسانیت کیلئے روشن اور قابلِ تقلید مثال قائم فرمائی۔

(۱)الانعام[۱۵۲] (۲)النحل[۹۱] (۳)الاحزاب[۲۱]

نیز آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے امت کو بھی ہمیشہ ''ایفائے عہد'' کا حکم دیا، اور ''عہد شکنی'' یا ''غداری'' سے باز رہنے کی تاکید وتلقین فرمائی' اور اسے منافقین کا شیوہ قرار دیا۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(آيَةُ المُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أَخلَفَ ، وَ اِذَا اؤتُمِنَ خَانَ) (۱) ترجمہ:(منافق کی تین نشانیاں ہیں:جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا، اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)

اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِندَ اِستِهٖ يَومَ القِيَامَةِ) (۲)
ترجمہ:(قیامت کے روز ہر غدار کی پیٹھ پر ایک جھنڈا نصب کیا جائیگا)

یعنی ہر ''عہد شکن'' یا ''غدار'' کے ساتھ قیامت کے روز یہ سلوک کیا جائیگا کہ اس کی پیٹھ پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا' تاکہ وہ شخص خوب نمایاں ہو جائے، اور تمام خلقِ خدا اس منظر کو دیکھ لے اور اس بات کو جان لے کہ یہ شخص ''غدار'' ہے۔

☆ ''ایفائے عہد'' کی اہمیت کے ضمن میں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ انسان کیلئے سب سے اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے روزِ ازل اپنے خالق ومالک کے ساتھ کیا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی مکمل اطاعت وبندگی کا عہد' صرف اسی کی عبادت کا عہد '''عقیدۂ توحید'' پر قائم رہنے اور ہر قسم کے شرک' اور معصیت وضلالت سے مکمل اجتناب کا عہد......!!

(۱) بخاری[۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری:[۲۵۳۶][۲۵۹۸][۵۷۴۴]۔ مسلم[۵۹] باب بیان خصال المنافق۔ ترمذی[۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔ احمد[۸۶۷۰]
(۲) مسلم[۱۷۳۸]

اسی عہد کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے:﴿وَ اِذ أَخَـذَ رَبُّكَ مَـن بَنِي آدَمَ مِـن ظُهُـورِهِـم ذُرِّيَّتَهُـم وأشهَدَهُم عَلىٰ أنفُسِهِم أَلَسْتُ بِرَبِّكُم ، قَالُوا بَـلىٰ شَهِدنَـا﴾ (۱) ترجمہ:(اور جب آپؐ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں)

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلَـم أَعْهَـد اِلَيكُم يَا بَنِي آدَمَ أَلّا تَعبُدُوا الشَّيطَانَ اِنَّهٗ لَكُم عَدُوٌّ مُّبِينٌ وَ أَنِ اعْبُدُونِي هٰذَا صِرَاطٌ مُستَقِيمٌ﴾ (۲) ترجمہ:(اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت کرنا، سیدھی راہ یہی ہے)

لہٰذا مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ کئے ہوئے اپنے اس عہد کو ہمیشہ یاد رکھے، اس کے ذہن میں اس بارے میں جوابدہی کا احساس بیدار رہے، اور اس عہد وپیمان کو نبھانے کی فکر دامن گیر رہے۔

☆ضروری تنبیہ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ''ایفائے عہد'' کے ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بسا اوقات تنگدستی ومشکلات اور فقر وفاقہ میں مبتلا کوئی انسان یہ حسرت وآرزو کرتا ہے کہ کاش اس کے دن پھر جائیں، اسے بھی خوشحالی وآسودگی اور سکھ چین کی زندگی نصیب ہو سکے.....اس مقصد کیلئے وہ اپنے خالق ومالک کے سامنے التجاء وفریاد اور خوب آہ وزاری بھی کرتا ہے۔

(۱)الاعراف[۱۷۲] (۲)یٰس[۶۱]

لیکن اس بارے میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ جونہی فقر وفاقہ میں مبتلا اس انسان کی دعاء وفریاد رنگ لاتی ہے' اور اسے اللہ کے فضل وکرم اور انعام واحسان کی بدولت خوشحالی وفراوانی نصیب ہونے لگتی ہے' تو اس کے زاویۂ نگاہ' اندازِ فکر' رہن سہن' نشست وبرخواست' اور رفتار وگفتار میں خاص قسم کی تبدیلی آجاتی ہے، اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس تبدیلی کا سب سے اہم عنصر یہ ہوتا ہے کہ اب اس کی ہر ہر ادا اور ہر نقل وحرکت میں آزادخیالی' شرعی احکام وتعلیمات سے غفلت وروگردانی' نیز اخلاقی حدود وقیود سے دوری وبیزاری کی جھلک نمایاں ہونے لگتی ہے، اور وہ بزبانِ حال اس بات کا اظہار واعلان کرنے لگتا ہے کہ اب اس کی نظر میں شرعی احکام وتعلیمات' دینی آداب' اور اخلاقی حدود وقیود کی کوئی اہمیت نہیں' اور یہ کہ یہ تمام چیزیں تو محض دقیانوسی اور فرسودہ قسم کے خیالات کا مجموعہ ہیں' جو کہ صرف پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے فقراء ومساکین کو ہی زیب دیتے ہیں۔

حالانکہ مروت بلکہ ''وفاداری'' کا تقاضا تو یقیناً یہ ہے کہ بندے کیلئے اس کے خالق ومالک کی طرف سے جس قدر نعمتوں اور احسانات میں اضافہ ہو' اسی قدر بندے کی طرف سے بھی اپنے خالق ومالک اور منعم ومحسن کی عبادت وبندگی' اس کی اطاعت وفرمانبرداری' اور اس کے سامنے عجز وانکسار کے جذبات میں بھی ترقی واضافہ ہوتا چلا جائے، اس مہربان آقا کے سامنے اس کی جبینِ نیاز جھکتی چلی جائے، اور اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہو، نیز یہ خوف دامن گیر رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی کسی حرکت یا لغزش سے ناراض ہو کر اس کا وہ منعم ومحسن اپنی عطاء کردہ نعمتیں واپس لے لے......!!

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿اِنّا أعطَینَاكَ الکَوثَرَ ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انحَر﴾ (۱)

(۱) الکوثر [۱-۲]

ترجمہ:(ہم نے آپ کو خیر کثیر عطاء کی ہے، پس آپ اپنے رب کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے)

ان آیات کے معانی ومفاہیم میں تدبر اور غور وفکر کرنے پر ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی بندے پر انعام واحسان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جس قدر انعام واحسان میں اضافہ ہو، بندہ بھی اسی قدر اپنے مولیٰ اور منعم ومحسن کے ساتھ وفاداری، احسان مندی اور اس کی عبادت گذاری کا اہتمام والتزام کرے، اس کی رضامندی وخوشنودی کے حصول کیلئے، نیز اس کی خفگی وناراضگی سے بچنے کیلئے کوشش وجستجو میں مشغول ومنہمک رہے، یہی قرآن کا پیغام ہے اور یہی اہلِ ایمان کی شان ہے۔

جبکہ اس کے برعکس تنگدستی وفقر وفاقہ، یا کسی مہلک وجان لیوا مرض، یا اور کسی بھی قسم کی آفت ومصیبت میں مبتلا شخص کو اگر اللہ کے فضل وکرم سے ان مشکلات وآفات سے نجات نصیب ہوجائے، اور فقر وفاقہ کی بجائے خوشحالی وفراوانی اور ہر طرح کی آسودگی میسر آجائے، ایسے میں وہ شخص اپنے منعم ومحسن کا شکر گذار بننے اور اس کی اطاعت شعاری کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اس سے غفلت واعراض اور اس کی نافرمانی کی راہ اپنالے تو یقیناً یہ بہت بڑی بدنصیبی ہوگی، بلکہ یہ تو اپنے خالق ومالک اور منعم ومحسن کے ساتھ بہت بڑی بیوفائی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ تو بہت ہی بڑا نفاق ہوگا، کیونکہ قرآن کریم میں اس چیز کو منافقین کا شیوہ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمِنهُم مَن عَاهَدَ اللّهَ لَئِن آتَانَا مِن فَضلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ، فَلَمَّا آتَاهُم مِن فَضلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَ تَوَلَّوا وَهُم مُعرِضُونَ، فَاَعقَبَهُم نِفَاقاً فِي قُلُوبِهِم اِلىٰ يَومِ يَلقَونَهُ بِمَا أَخلَفُوا اللّهَ مَا

وَعَـدُوهُ وَ بِـمَا كَانُوا يَكذِبُونَ ، أَلَم يَعلَمُوا أَنَّ اللّهَ يَعلَمُ سِرَّهُم وَ نَجُوَاهُم وَ أَنَّ اللّهَ عَلَّامُ الغُيُوبِ﴾ (۱)

ترجمہ:(اوران میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے،اورخوب نیکوکاروں میں ہوجائیں گے۔لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخل کرنے لگے اور ٹال مٹول کرکے منہ موڑ لیا۔پس اس کی سزا میں اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا اللہ سے ملاقات کے دن تک، کیونکہ انہوں نے اللہ سے کئے ہوئے وعدے کے خلاف کیا اور کیونکہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو ان کے دل کا بھید اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے،اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے خبردار ہے)۔

(۱)التوبۃ[۷۵۔۷۶۔۷۷۔۷۸]

''عدل وانصاف''

''عدل وانصاف'' کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ معاشرے میں اگر ہر فرد کو اس کا جائز حق اور اس کی محنت کا صلہ ومعاوضہ ملتا رہے تو خیریت وعافیت' امن وامان اور سکون واطمینان کی فضا قائم رہتی ہے۔لیکن اگر انسان کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا جائے اور اس کی محنت کا صلہ نہ دیا جائے تو وہ احساسِ محرومی کا شکار ہو جاتا ہے، اور اس کے دل میں انتقامی جذبات بھڑکنے لگتے ہیں، اس کی تعمیری صلاحیتیں تخریبی سرگرمیوں کی نذر ہو جاتی ہیں، اور یوں خیر وخوبی اور ترقی وبہتری کی طرف سفر کا سلسلہ موقوف ہو جاتا ہے اور معاشرہ شکست وریخت اور زوال وانحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔

☆.....نیز ''عدل وانصاف'' کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خود اپنے ''کلام'' کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ﴿وَتَمَّت كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقاً وَّ عَدۡلاً﴾ (۱) ترجمہ: (اور آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام' اس کا ہر حکم اور ہر فیصلہ سچائی اور عدل وانصاف پر مبنی ہے۔

☆.....نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں العَدۡل اور المُقۡسِط بھی شامل ہیں۔ان دونوں کے معنیٰ ہیں ''انصاف کرنے والا''۔یعنی عدل وانصاف تو خود ربِ کائنات اور خالقِ ارض وسماء کی پاکیزہ صفات میں سے ہے، اس رب نے اس تمام کائنات کو انصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور اس نظامِ کائنات کی بنیاد بھی

(۱) الانعام [۱۱۵]

عدل وانصاف ہی پر رکھی ہے،اور پھر اپنے بندوں کو بھی اپنے چھوٹے بڑے تمام معاملات میں عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔اور یوں خالقِ ارض وسماء نے اس اہم ترین راز کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اس کائنات کی بقاء اورانسانیت کی بہتری وترقی اورفلاح وبہبود کا تمامتر انحصار عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل پاسداری پر ہی ہے۔لہٰذا بندے اگر باہم انصاف کو قائم رکھیں گے تو یہ نظامِ کائنات بھی بدستور جاری وساری اورروا ں دواں رہے گا۔لیکن اگر بندوں نے انصاف کا خون کرڈالا تو یہ نظامِ کائنات بھی تہ وبالا اوردرہم برہم ہوجائے گا،لہٰذا قانونِ قدرت یہی ہے کہ خواہ کوئی چھوٹا سا گھر یا جھونپڑی ہو کوئی محل یا حویلی ہو کوئی کارخانہ یا فیکٹری ہو کوئی ادارہ یا کمپنی ہو کوئی مملکت یا عظیم الشان سلطنت ہو جب تک وہاں انصاف کا بول بالا رہے گا اُس وقت تک وہاں خیروخوبی اورعافیت وسلامتی رہیگی۔لیکن جب انصاف کے تقاضوں کی پامالی شروع ہوجائیگی تو پھر وہاں جلد یا بدیر کبھی نہ کبھی ضرور تباہی وبربادی آکر ہی رہے گی،اور پھر کچھ بھی نہیں بچے گا،سبھی کچھ جل کر خاکستر ہوجائے گا،اور پھر جب اس دنیا میں ظلم وستم اورحق تلفی وناانصافی کا سلسلہ حد سے بڑھ جائیگا تب آخر کار قیامت برپا ہوجائیگی اورتمام کائنات ہی کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا(۱) کیونکہ خالقِ کائنات نے اس کائنات کی بنیاد ہی ''انصاف'' پر رکھی ہے

(۱) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ''علاماتِ قیامت'' کے تذکرہ میں ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ:
(يَمُرّ الرجُلُ بِقَبرِ الرَجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيتَنِي مَكَانَهُ) (بخاری [٦٦٩٨] كتاب الفتن، باب:لاتقوم الساعة حتىٰ يغبط أهل القبور) ''یعنی انسان کسی قبر کے قریب سے گذرتے وقت یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس قبر میں موجود اس مردے کی جگہ میں دفن ہوتا''۔
مقصد یہ کہ ظلم وستم اورزیادتی وناانصافی کا سلسلہ اس قدر بڑھ چکا ہوگا کہ انسان موت کی تمنا کرے گا،قبر میں پڑے ہوئے مردے کو خوش نصیب اورخود کو بدنصیب تصور کریگا۔

یہی مفہوم ہے اس ارشادِ ربانی کا:﴿وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ المِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوا فِي المِيزَانِ وَ أَقِيمُوا الوَزنَ بِالقِسطِ وَلَاتُخسِرُوا المِيزَانَ﴾ (۱) ترجمہ:(اسی نے آسمان کو بلند کیا اور اسی نے ترازو رکھی، تاکہ تم تولنے میں تجاوز نہ کرو) یعنی تولنے میں انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

☆.....نیز قرآن کریم میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت اور ان کی طرف آسمانی کتابوں کے نزول کے جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں' ان میں سے ایک مقصد ''اقامتِ عدل'' بھی ہے، جیسا کہ اس ارشادِ ربانی میں اسی بات کا تذکرہ ہے:﴿لَقَد أرسَلنَا رُسُلَنَا بِالبَيِّنَاتِ وَ أنزَلنَا مَعَهُمُ الكِتَابَ وَالمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالقِسطِ﴾ (۲) ترجمہ:(یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا' اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان [ترازو] نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں)

نیز قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:﴿وَإِن حَكَمتَ فَاحكُم بَينَهُم بِالقِسطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ المُقسِطِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، یقیناً اللہ پسند فرماتا ہے عدل کرنے والوں کو)

نیز ارشاد ہے:﴿قُل أَمَرَ رَبِّي بِالقِسطِ﴾ (۴) ترجمہ:(آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَأُمِرتُ لِأَعدِلَ بَينَكُم﴾ (۵) ترجمہ:(اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم میں انصاف کرتا رہوں)

(۱)الرحمٰن[۷۔۸] (۲)الحدید[۲۵] (۳)المائدۃ[۴۲] (۴)الاعراف[۲۹]
(۵)الشوریٰ[۱۵]

☆.....''عدل وانصاف'' کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن وحدیث میں بار بار زندگی کے ہر معاملے میں عدل وانصاف کو قائم کرنے' نیز ظلم وزیادتی اور حق تلفی وناانصافی سے اجتناب کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاِذا حَکَمتُم بَینَ النَّاسِ أن تَحکُمُوا بِالعَدلِ﴾ (۲) ترجمہ:(اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو)

نیز ارشاد ہے:﴿وَ أقسِطُوا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ المُقسِطِینَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿یَا أیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا بِالقِسطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَ لَو عَلیٰ أنفُسِکُم أوِ الوَالِدَینِ وَالأقرَبِینَ﴾ (۴) ترجمہ:(اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کیلئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ' گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو' یا اپنے ماں باپ' یا عزیزوں رشتے داروں کے خلاف ہو)

یعنی اہلِ ایمان کو اس بات کا حکم دیا جارہا ہے کہ ہمیشہ سچی اور عدل وانصاف پر مبنی بات کہا کریں' خواہ بظاہر وہ بات خود اپنے ہی خلاف ہو، یا اس میں بظاہر خود اپنے لئے' یا اپنے والدین' یا عزیز واحباب کیلئے کسی نقصان کا اندیشہ ہو۔

نیز ارشاد ہے:﴿وَ اِذَا قُلتُم فَاعدِلُوا وَلَوکَانَ ذَا قُربیٰ﴾ (۵) ترجمہ:(اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو' گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو)

(۱)النحل[۹۰] (۲)النساء[۵۸] (۳)الحجرات[۹] (۴)النساء[۱۳۵]
(۵)الانعام[۱۵۲]

☆.....یہاں تک کہ قرآن کریم میں کفار ومشرکین اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ بھی ''اقامتِ عدل'' کی تاکید کی گئی ہے، ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالقِسطِ وَلَا یَجرِمَنَّکُم شَنَآنُ قَومٍ عَلیٰ أن لَا تَعدِلُوا اِعدِلُوا هُوَ أقرَبُ لِلتَّقوَیٰ وَاتّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیرٌ بِمَا تَعمَلُونَ﴾ (۱)

ترجمہ:(اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہوجاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، یقیناً اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے)

یعنی اس آیت میں دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف کے اصولوں اور تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اللہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید بھی کی گئی ہے، اور یہ بات بھی یاد دلادی گئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے (جن میں اقامتِ عدل، یا اس کے برعکس ظلم زیادتی اور حق تلفی بھی شامل ہے) خوب باخبر ہے۔

☆.....یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ قرآن وحدیث میں اقامتِ عدل کی یہ اس قدر تاکید وتلقین محض کسی مخصوص طبقے کیلئے نہیں ہے، بلکہ یہ تاکید وتلقین ہر انسان کیلئے ہے، کیونکہ ہر انسان کسی نہ کسی درجہ میں صاحبِ قدرت اور صاحبِ اختیار ہے۔

☆.....چنانچہ اگر کوئی بادشاہ یا حکمران اور سربراہِ مملکت ہے، تو اس کیلئے بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری بہرصورت ضروری ولازمی ہے، بلکہ عادل بادشاہ کیلئے تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بہت بڑی خوشخبری ہے۔

(۱) المائدۃ[۸]

چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے: (سَبعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِي ظِلِّہٖ یَومَ لَاظِلَّ اِلّا ظِلُّہٗ:اَلِامَامُ الــعَـــادِلُ............) (۱) ترجمہ:(سات قسم کے افراد ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بطورِ خاص سایہ میں جگہ عطاء فرمائیں گے' جبکہ اُس روز اس کے سوا اور کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا: انصاف کرنے والا بادشاہ............)

یعنی قیامت کے روز جب سورج انتہائی قریب آچکا ہوگا اور اپنی مکمل آب وتاب کے ساتھ لوگوں کے سروں پر آگ برسا رہا ہوگا، گرمی کی حدت وشدت کی وجہ سے لوگوں کا برا حال ہوگا اور سب ہی لوگ انتہائی پریشانی کے عالم میں ہوں گے' لوگ پسینوں میں شرابور ہو رہے ہوں گے، بلکہ بہت سے لوگ تو پسینوں میں غرق ہو رہے ہوں گے......اس قدر تکلیف دہ اور جان لیوا صورتِ حال میں کچھ ایسے خوش نصیب افراد بھی ہوں گے جنہیں اس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص سایہ میں جگہ دی جائیگی' جبکہ اس روز تمام کائنات اور زمین وآسمان میں اس کے سوا اور کہیں کوئی سایہ نہوگا، اور پھر خاص طور پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ سات قسم کے افراد جن کا اس حدیث میں تذکرہ کیا گیا ہے' جنہیں اُس روز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص سایہ میں جگہ عنایت کی جائیگی' ان میں سے سب سے پہلے ''عادل بادشاہ'' کا تذکرہ ہے۔ جس سے یقیناً بادشاہ اور حکمران کیلئے ''عدل وانصاف'' کی ضرورت واہمیت واضح ہوتی ہے' نیز اس سے ''عادل بادشاہ'' کا مقام ومرتبہ اور ''عدل وانصاف'' کی ضرورت واہمیت بھی واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆......حکمران' یا سربراہِ مملکت ہی کے مفہوم میں ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو کسی بھی ادارے کا سربراہ یا سرپرست ہو، یا جس کی زیرِ نگرانی یا زیرِ سرپرستی کچھ لوگ کوئی کام کاج

(۱) بخاری[۶۲۹] باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ وفضل المساجد۔ نیز[۱۳۵۷] باب اذا تصدق علیٰ ابنہٖ وھو لایشعر۔ نیز: مسلم[۱۰۳۱] باب فضل اخفاء الصدقۃ۔

انجام دینے پر مامور ہوں، چنانچہ ایسے ہر شخص کیلئے بھی اپنے ماتحت عملہ کے تمام افراد کے درمیان عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری ضروری ولازمی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (کُلُّکُم رَاعٍ وکُلُّکُم مَسئولٌ عن رَعِیَّتِہٖ.....)

(۱) ترجمہ: (یادرکھو! تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر شخص اپنی رعیت کے بارے میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہے.....)

یعنی خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، کسی ملک وقوم کا سربراہ اور بادشاہ ہو یا چرواہا اور گلہ بان، امیر وکبیر اور سرمایہ دار ہو یا غریب مزدور اور کسان..... ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار اور نگہبان ہے، اور اللہ کے سامنے جواب دہ ہے۔

☆.....اسی طرح ہر انسان کیلئے اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف سے کام لینا اور ہر قسم کی ناانصافی سے مکمل اجتناب انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ بچے اگر اپنے والدین کو ناانصافی کرتے ہوئے دیکھیں گے تو اپنی آئندہ زندگی میں شاید وہ خود بھی اسی برائی کو اپنالیں، جس کا یقینی نتیجہ ان کیلئے دنیا وآخرت میں خسارہ وبربادی ہی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

نیز یہ کہ بچوں کو اگر خود اپنے والدین سے ہی انصاف نہ مل سکے تو پھر انہیں دنیا میں اور کہاں انصاف مل سکے گا اور اس دنیا میں ان سے بڑھ کر محروم وبدنصیب اور کون ہوگا.....؟ یقیناً یہ کتنا بڑا المیہ ہوگا اور خود والدین کے ہاتھوں اپنے جگر گوشوں پر یہ کس قدر ظلمِ عظیم ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ کہ والدین کی طرف سے ناانصافی کے نتیجہ میں بچوں میں باہم حسد اور نفرت وعداوت وغیرہ جیسے انتہائی مہلک اور خطرناک قسم کے جذبات اور بدترین روحانی واخلاقی امراض پیدا ہونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کا ایک آتش فشاں جوش مارتا رہتا

(۱) بخاری، باب: الجمعۃ فی القریٰ والمدن [۸۵۳] نیز: باب اذا أتاہ خادمہ بطعامہ [۲۴۱۹] نیز: باب قوا أنفسکم واہلیکم ناراً [۴۸۹۲] نیز: کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم [۶۷۱۹]

ہے' جوکہ کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے اوراُبلتے اوردہکتے ہوئے لاوے کی شکل میں وہ گھر بار بلکہ تمام خاندان کوتباہ وبرباد کرسکتا ہے، قدرت کے بنائے ہوئے مقدس ونازک ترین رشتوں کو ہمیشہ کیلئے جلاکر خاکستراورنیست ونابود کرسکتا ہے۔

لہٰذاانسان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ اپنے بچوں میں باہم شکل وصورت' نقوش' یارنگت کی بناء پر کسی قسم کی تفریق' یا بیٹے اور بیٹی میں اپنے رویہ وسلوک' پیار ومحبت' ہدیہ وتحفہ' مالی انعام واکرام' یااورکسی بھی معاملہ میں کسی بھی قسم کی اونچ نیچ' کمی بیشی' یاتمیزوتفریق کے ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کودعوت نہ دے' اورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے دنیاوآخرت میں بدبختی وبربادی کا سامان نہ کرے، اوراللہ کی دی ہوئی عقل اور ہوش وحواس سے کام لیتے ہوئے ذرہ اس بارے میں غوروفکرکرے کہ خوبصورتی یابدصورتی' کالا یا گورا ہونا' لڑکا یالڑکی ہونا..... یہ سب کچھ بچوں کے اپنے اختیار میں تونہیں ہے، یہ سب تومحض اللہ کی طرف سے ہے، جس کی مشیت ومرضی کے سامنے چھوٹے بڑے' امیروغریب' بادشاہ وفقیرسب ہی مجبوروبے بس ہیں.....، تو پھرمحض ان اسباب کی بناء پراپنے بچوں کے ساتھ پیارومحبت اوررویہ وسلوک میں تفریق وامتیازبرتنااورناانصافی کی راہ اپنانا کہاں کی دانشمندی ہے.....؟

☆.....قرآن وحدیث میں اقامتِ عدل کی تاکیدوتلقین کے ساتھ ساتھ ''ظلم'' کی مذمت بیان کی گئی ہے اورزندگی کے ہرشعبہ اور ہرمعاملہ میں اس سے مکمل اجتناب کاحکم دیا گیاہے۔

رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: (یَا عِبَادِي اِنِّي حَرَّمتُ الظُّلمَ عَلَیٰ نَفسِي، وَجَعَلتُهٗ بَینَکُم مُحَرَّماً ، فَلَا تَظَالَمُوا) ترجمہ:اے میرے

بندو! میں نے ''ظلم'' کوخود اپنے اوپر حرام قرار دے رکھا ہے، اورتمہارے لئے بھی میں نے اسے حرام ہی قرار دے دیا ہے، اس لئے تم بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)(۱)

نیز قرآن وحدیث میں بار بار یہ ''قانونِ قدرت'' یاد دلایا گیا ہے کہ ظلم وناانصافی اور حق تلفی وزیادتی قوموں کی تباہی وبربادی کا اہم ترین سبب ہے۔ لہٰذا وہ کوئی ملک ہو یا ادارہ، کوئی گھر ہو یا کارخانہ، جہاں ظلم وزیادتی ہوگی، وہاں ضرور تباہی وبربادی آکر ہی رہیگی، وہ بستی ضرور کھنڈر بنے گی، وہ آبادی ضرور ویرانے میں تبدیل ہوگی اور آئندہ نسلوں کیلئے سامانِ عبرت بن جائے گی، وہ گھر ضرور اجڑ جائے گا، وہاں کی خوشیاں ضرور غموں میں، اور مسکراہٹیں ضرور آہوں اور سسکیوں میں بدل کر رہیں گی.....! یہی قانونِ قدرت ہے، جسے کوئی بدل نہیں سکتا.....!!

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِداً﴾ (۲) ترجمہ: (یہ ہیں وہ بستیاں جنہیں ہم نے ان کے مظالم کی بناء پر غارت کر دیا اور ان کی تباہی کی بھی ہم نے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَكَم قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ كَانَت ظَالِمَةً وَّ أَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْماً آخَرِينَ﴾ (۳) ترجمہ: (اور بہت سی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم کو پیدا کر دیا)

نیز ارشاد ہے: ﴿فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيدٍ﴾ (۴) ترجمہ: (بہت سی بستیاں ہیں جنہیں

(۱) مسلم [۲۵۷۷] ابن حبان [۶۱۹] احمد [۲۱۴۵۸] (۲) الکہف [۵۹] (۳) الانبیاء [۱۱]
(۴) الحج [۴۵]

ہم نے تہ وبالا کر دیا' اس لئے کہ وہ ظالم تھے، پس وہ اپنی چھتوں کے بل اوندھی ہوئی پڑی ہیں، اور بہت سے آباد کنوئیں بیکار پڑے ہیں، اور بہت سے پکے اور بلند محل ویران پڑے ہیں)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿فَتِلكَ بُيُوتُهُم خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَومٍ يَّعلَمُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(یہ ہیں ان کے مکانات جوان کے ظلم کی وجہ سے خالی پڑے ہیں، جولوگ علم رکھتے ہیں ان کیلئے اس میں بڑی نشانی ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ القُرىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ (۲) ترجمہ:(تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے، بیشک اس کی پکڑ دردناک اور نہایت سخت ہے)

غورطلب بات ہے کہ گذشتہ تمام آیات میں ان گذشتہ اقوام میں سے ہرایک کی تباہی وبربادی اوران کے گھروں کے اجڑ جانے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ''ظالم'' تھے۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذہنوں میں رہنا چاہئے: (اِتَّقِ دَعْوَةَ المَظلُومِ، فَاِنَّهٗ لَيسَ بَينَهَا وَبَينَ اللّٰهِ حِجَابٌ) (۳) ترجمہ:(مظلوم کی بددعاء سے ڈرو، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے)

(۱)النمل[۵۲] (۲)ہود[۱۰۲]

(۳)☆بخاری[۱۴۲۵]باب أخذ الصدقات من الأغنیاء وترد فی الفقراء..... نیز:[۱۶۲۳]باب عفوالمظلوم۔ نیز:[۴۰۹۰]باب بعث أبی موسیٰ ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہما الی الیمن..... ☆مسلم[۱۹]باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الاسلام۔☆ابن حبان[۵۰۸۱]☆ابن ماجہ[۱۷۸۳]باب فرض الزکاۃ،☆ترمذی[۶۲۵] وغیرہ۔البتہ کسی روایت میں: فَاِنَّهٗ لَيسَ بَينَهَا وَبَينَ اللّٰهِ حِجَابٌ ، کسی میں: فَاِنَّهٗ لَيسَ بَينَهٗ وَبَينَ اللّٰهِ حِجَابٌ ، اور کسی میں: فَاِنَّهَا لَيسَ بَينَهَا وَبَينَ اللّٰهِ حِجَابٌ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

☆.....''ظالموں'' کیلئے دنیامیں اس تباہی وبربادی اور پھراس دنیاوی عذاب کے علاوہ مزید یہ کہ آخرت میں بھی ان کا برا انجام' ان کیلئے غضبِ خداوندی' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے لعنت اور برا ٹھکانہ ان کا منتظر ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿يَومَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُم وَلَهُمُ اللَّعنَةُ وَلَهُم سُوٓءُ الدَّارِ﴾ (۱) ترجمہ:(جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی، ان کیلئے لعنت ہی ہوگی، اور ان کیلئے برا گھر ہوگا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿..... فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَّينَهُم أن لَّعنَةُ اللّٰهِ عَلىٰ الظَّالِمِينَ﴾ (۲) ترجمہ:(..... پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ:''اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر'')

نیز ارشاد ہے:﴿ اَلَا لَعنَةُ اللّٰهِ عَلَىٰ الظَّالِمِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(خبردار ہو کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر)

نیز ارشاد ہے:﴿مَا لِلظَّالِمِينَ مِن حَمِيمٍ وَّلَا شَفِيعٍ يُّطَاعُ﴾ (۴) ترجمہ:(ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست ہوگا نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ مِن أَولِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (۵) ترجمہ:(دیکھو! ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا، ورنہ تمہیں بھی [دوزخ کی] آگ لگ جائیگی، اور تب اللہ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ تم مدد کئے جاؤ گے) یعنی قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کیلئے ظالموں کے ساتھ تعلق اور دوستی' ان کی صحبت وہمنشینی' اور ان کی طرف

(۱) غافر/مؤمن[۵۲] (۲) الاعراف[۴۴] (۳) ہود[۱۸]
(۴) غافر/مؤمن[۱۸] (۵) ہود[۱۱۳]

رغبت ومیلان کی بھی ممانعت کردی گئی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(الظُّلمُ ظُلُمَاتٌ یَومَ القِیَامَةِ) (۱)

ترجمہ:(''ظلم'' قیامت کے روز اندھیروں کا سبب بن جائے گا)

یعنی قیامت کی ہولناکیوں میں جب انسان کو ''نور'' یعنی روشنی کی اشد ضرورت ہوگی' ایسے میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے نور عطاء کیا جائے گا(۲) جب کہ کفار ومنافقین اس روز اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں عدل وانصاف سے کام لینے کی بجائے ظلم وناانصافی کو اپنا شیوہ وشعار بنائے رکھا ان لوگوں کا بھی یہی حال ہوگا، یعنی روزِ قیامت وہ بھی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس دنیا میں کسی ظالم انسان کی طرف سے دوسروں کے ساتھ روا رکھا جانے والا ہر ایک ایک ظلم صرف ایک تاریکی کا ہی سبب نہیں بنے گا بلکہ اس کا ہر ایک ''ظلم'' وہاں اس کیلئے ''ظلمات'' یعنی بہت سی ظلمتوں' تاریکیوں اور اندھیروں کا سبب بن جائیگا.....!!

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَن كَانَت عِندَهُ مَظلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِن عِرضِهِ أَو مِن شَيءٍ فَلیَتَحَلَّلهُ مِن قَبلِ أَن لَایَكُونَ دِینَارٌ وَلَا دِرهَمٌ ، اِن

(۱)☆بخاری[۲۳۱۵]باب:الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔☆مسلم[۲۵۷۸]نیز:[۲۵۷۹]
☆ابن حبان[۵۱۷۶]ذکر الزجر عن الظلم والفحش والشح۔☆الترمذی[۳۰۲۰]باب ماجاء فی الظلم۔
☆احمد[۵۸۳۲][۶۲۱۰][۶۴۴۶][۶۴۸۷][۶۷۹۲][۶۸۳۷][۹۵۶۵][۱۴۵۰۱]۔

(۲)جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿یَومَ تَرَیٰ المُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ یَسعَیٰ نُورُهُم بَینَ أَیدِیهِم وَبِأَیمَانِهِم .....﴾ ترجمہ:(اس دن تو دیکھے گا کہ ایمان دار مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں دوڑ رہا ہوگا.....) (الحدید:۱۲)

كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنهُ بِقَدرِ مَظلَمَتِهٖ ، وَ اِن لَم يَكُن لَهٗ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِن سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيهِ) (۱) ترجمہ:(جس کسی نے اپنے کسی بھائی پر کوئی ظلم وزیادتی کی ہوخواہ اس کا تعلق عزت وآبرو سے ہو یا اور کسی بھی قسم کی زیادتی ہو، وہ اس کے ساتھ اپنا معاملہ اُس دن کی آمد سے قبل صاف کرلے کہ جس دن کسی کے پاس [تصفیۂ حساب کیلئے] نہ کوئی درہم ہوگا اور نہ کوئی دینار، تب اس ظالم کے پاس اگر کچھ نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے اس کی زیادتی کی مقدار کے برابر اُس مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اُس مظلوم کی برائیاں اِس پر لاد دی جائیں گی)

☆اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک بار اپنے اصحاب سے دریافت فرمایا:(أَتَدرُونَ مَنِ المُفلِس؟) یعنی:(کیا تم جانتے ہو کہ ''مفلس'' کون ہے؟) (قَالوا: المُفلِسُ فِينَا مَن لَا دِرهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ) عرض کیا گیا کہ:(ہم میں سے مفلس شخص وہ ہے جس کے پاس نہ کوئی روپیہ پیسہ ہو اور نہ ہی کوئی مال واسباب ہو) (فَقَالَ : المُفلِسُ مِن أُمَّتِي مَن يَأتِي يَومَ القِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِيَامٍ وزكَاةٍ ، وَيَأتِي وَقَد شَتَمَ هذا ، وَقَذَفَ هذا ، وَأَكَلَ مَالَ هذا، وَسَفَكَ دَمَ هذا ، وَضَرَبَ هذا ، فَيُعطَىٰ هذا مِن حَسَنَاتِهٖ ، وَهذا مِن حَسَنَاتِهٖ ، فَإِن فَنِيَت حَسَنَاتُهٗ قَبلَ أن يُقضَيٰ مَا عَلَيهِ أُخِذَ مِن خَطَايَاهُم، فَطُرِحَت عَلَيهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ) (۲)(تب آپؐ نے فرمایا:''مفلس تو میری امت میں سے وہ شخص ہے جو کہ قیامت کے روز [اپنے نامۂ اعمال میں] بہت سی نمازیں، روزے، اور زکوٰۃ لے کر آئے گا،

(۱) بخاری[۲۴۴۹] (۲) مسلم[۲۵۸۱] کتاب البر والصلۃ والآداب ☆ ترمذی[۲۴۱۸] باب ماجاء فی شأن الحساب والقصاص۔☆: احمد[۸۰۱۶][۸۳۹۵][۸۸۲۹] وغیرہ۔

مگراس نے[دنیامیں]کسی کوگالی بکی ہوگی،کسی پرگناہ کی کوئی تہمت لگائی ہوگی،کسی کامال ناحق دبایاہوگا،کسی کاخون بہایاہوگا،اورکسی کوزدوکوب کیاہوگا.....تب اس کے تمام اچھے اعمال ان[مظلوموں]میں تقسیم کردیئے جائیں گے۔اگراس کی تمام نیکیاں ختم ہوگئیں،مگر دعویدارختم نہوئے،توایسے میں ان سب کے گناہ اس پرلادد یئے جائیں گے،اورپھراسے جہنم میں پھینک دیاجائے گا)

☆.....خالقِ کائنات کے نزدیک''عدل وانصاف''کی اہمیت اور''ظلم وزیادتی''کی قباحت وشناعت کا اندازہ اس بات سے کیاجاسکتاہے کہ قیامت کے روزانسانوں کے علاوہ حیوانات تک میں باہم ظلم وزیادتی کے معاملات کاتصفیہ کیاجائے گا،چنانچہ ایسے تمام جانوروں کوزندہ کیاجائیگا،اوران میں سے جس کسی پرجوظلم ہواہوگااس کے ساتھ انصاف کیاجائیگااوراسے ظالم سے بدلہ نیزاس کاحق دلایاجائے گا،کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری پرزیادتی کی ہوگی تواسے بھی اس زیادتی کابدلہ دلایاجائیگا،اس کے بعدان حیوانات کوکہاجائے گا:(كُونِي تُرَاباً) یعنی:''اب تم دوبارہ خاک ہوجاؤ''۔جس پروہ حیوانات دوبارہ مرجائیں گےاورخاک میں مل جائیں گے(۱)

☆.....لہٰذااس فانی دنیامیں محض عارضی وفانی مفادات کی خاطردوسروں کی حق تلفی کرنے والوں اورظلم وزیادتی کی راہ اپنانے والوں کواس بارے میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور وفکرکرناچاہئے،ایسے افرادکواپنے آپ پررحم کرناچاہئےاورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے لئے قبر

(۱)تفسیرابن کثیرمیں اس آیت کی تفسیرملاحظہ ہو:﴿يَومَ يَنظُرُ المَرءُ مَا قَدَّمَت يَدَاهُ وَيَقُولُ الكَافِرُ يَالَيتَنِي كُنتُ تُرَاباً﴾ (سورۃ النبأ:۴۰) نیزمسندامام احمدمیں حضرت ابوذررضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ ہو:(إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ جَالِساً وَشَاتَانِ تَقتَرِنَانِ فَنَطَحَت إِحدَاهُمَا الأُخرَىٰ.....) احمد[۲۱۵۵۰]نیزمسنداحمدمیں ہی ملاحظہ ہو:(إِنَّ الجَمّاء لتُقصّ من القُرنَاءِ يَومَ القِيَامَةِ) احمد[۵۲۰]

اورحشر میں تاریکیوں کا سامان جمع کرتے رہنے سے باز آجانا چاہئے۔

☆..... عدل وانصاف کی ضرورت واہمیت کے بیان میں ہی ہرانسان کیلئے اس بات کوخوب سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ اسے خوداپنے ساتھ بھی انصاف سے کام لینا چاہئے اورشرک، بدعات، خرافات، سیئات ومنکرات، ہرقسم کے فاسدوباطل اعتقادات، لغووبے ہودہ افکاروخیالات، نیز ہرقسم کی معصیت وضلالت اوراپنے خالق ومالک کی نافرمانی سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے اورخوداپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ پرظلم وستم اورناانصافی وزیادتی سے بازرہنا چاہئے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَم يَلْبِسُوا اِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰٓئِكَ لَهُمُ الأَمنُ وَهُم مُّهتَدُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی انہی کیلئے امن ہے اوروہی ہدایت یافتہ ہیں)

☆.....قرآن کریم میں ''شرک'' کو''ظلمِ عظیم'' قراردیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے :

﴿اِنَّ الشِّركَ لَظُلمٌ عَظِيمٌ﴾ (۲) ترجمہ:(بیشک شرک توبڑاہی بھاری ظلم ہے)

قرآن کریم میں جابجا کفارومنافقین ودیگرگناہگاروں اورنافرمانوں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے ان پرکوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ دنیامیں غلط عقائدوخیالات کواپنا کر، نیز اللہ کی نافرمانی کرکے یہ خودہی اپنے آپ پرظلم کرتے رہے۔

مثلاً ایک مقام پرارشادِربانی ہے:﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُم وَلٰكِن ظَلَمُوا أَنفُسَهُم.....﴾ (۳) ترجمہ:(ہم نے ان پرکوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ خودانہوں نے ہی اپنے اوپرظلم کیا.....)

نیزارشاد ہے:﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُم وَلٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ﴾ (۴) ترجمہ:(ہم

(۱)الانعام[۸۲] (۲)لقمان[۱۳] (۳)ہود[۱۰۱] (۴)الزخرف[۷۶]

نے ان پر ظلم نہیں کیا' بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُم وَلٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُم يَظْلِمُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرے' بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)

نیز ارشاد ہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُم يَظْلِمُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(یقیناً اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)

نیز قرآن کریم میں ''قومِ سبا'' کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی وروگردانی کے تذکرے کے بعد ارشاد ہے:﴿وَظَلَمُوا أَنفُسَهُم فَجَعَلْنَاهُم أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُم كُلَّ مُمَزَّقٍ﴾ (۳) ترجمہ:(اور انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا' اس لئے ہم نے انہیں گذشتہ فسانوں کی صورت میں کر دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے)

☆.....یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ عقل اور شعور کی بدولت انسان جب بدی اور نیکی' خیر اور شر کو خوب جان چکا اور پہچان چکا' تو اب اس کیلئے ضروری ہے کہ خود پر رحم کرے اور اپنی حالت پر ترس کھائے، اپنے عقیدہ وایمان کی اصلاح کی فکر وجستجو کرتا رہے' اپنے افکار وخیالات کو پاکیزہ رکھے' اپنے خالق ومالک کی رضامندی وخوشنودی کا راستہ اختیار کرے، اس کی معصیت ونافرمانی سے اپنا دامن بچائے رکھے، خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ پر ظلم وزیادتی سے باز رہے، گوشت پوست کے بنے ہوئے اپنے اس کمزور وناتواں اور خاکی وجود کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں نہ جھونکے.....!!

(۱) العنکبوت[۴۰] (۲) یونس[۴۴] (۳) سبا[۱۹]

''رحمدلی ومہربانی''

رحمدلی' مہربانی' ہمدردی' یہ مؤمن کی خاص صفت اورنشانی ہے، قرآن وحدیث میں جابجا اس کی تلقین وتاکید کی گئی ہے، اس کی ترغیب دی گئی ہے، اوراس صفت کے حامل افراد کی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے، جبکہ اس کے برعکس سنگدلی وتلخ مزاجی کی مذمت کی گئی ہے، اوراس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رحمدلی ایمان' نیک بختی وسعادت مندی کی علامت ہے، جبکہ سنگدلی نفاق اور بدبختی کی علامت ہے، چنانچہ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ اہلِ حق کو جب بھی فتح وکامیابی اورغلبہ نصیب ہوا توانہوں نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی انتہائی فراخدلی اورحسنِ سلوک سے کام لیا، جبکہ اہلِ باطل کو جب بھی موقع ملاانہوں نے ہمیشہ بے رحمی، سنگدلی اور بربریت کا مظاہرہ کیا، مخالفین کے ساتھ وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا اورانسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے، مسلمانوں کے ساتھ مشرکینِ مکہ کی بدسلوکیوں اورمظالم کی طویل داستان اوراس کے جواب میں فتحِ مکہ کے موقع پررسول اللہ ﷺ کا ان کے ساتھ حسنِ سلوک اورعام معافی کا اعلان اس بات کی بہترین مثال اوراس حقیقت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ''رحمدلی ومہربانی'' کی اہمیت کوسمجھنے کیلئے درجِ ذیل امورقابلِ غوروفکر ہیں:

☆ اللہ رحیم ہے:

مؤمن کے دل میں رحم کے جذبات اللہ پرایمان کی وجہ سے ہیں، کیونکہ اللہ خودرحیم وکریم ہے، قرآن کریم میں اللہ کی صفتِ رحمت کا بار بار بیان وتذکرہ ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّاهُوَ عَالِمُ الغَيبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَالرَّحمٰنُ الرَّحِيمُ ﴾

(۱) ترجمہ: (وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے اس چیز کا جو غائب ہے اور جو حاضر ہے، وہ انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَت كُلَّ شَئٍ ﴾(۲) ترجمہ: (اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارحَمْ وَأَنتَ خَيرُ الرَّاحِمِينَ ﴾(۳) ترجمہ: (اور کہو کہ اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما، اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے)

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورت کی ابتداء ہی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے کی گئی ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ رحمت ہیں:

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرسَلنَاكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِينَ ﴾(۴) ترجمہ: (اور ہم نے تو آپ کو تمام جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

☆ قرآن رحمت ہے:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدجَآءَ تكُمْ مَّوعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُم وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِىْ الصُّدُورِ وَ هُدًى وَّ رَحمَةٌ لِّلمُؤمِنِينَ ﴾(۵) ترجمہ: (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے، اور دلوں میں جو روگ

(۱) الحشر[۲۲] (۲) الاعراف[۱۵۶] (۳) المؤمنون[۱۱۸] (۴) الانبیاء[۱۰۷] (۵) یونس[۵۷]

ہیں' ان کیلئے شفاء ہے، اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کیلئے)

☆ **جنت رحمت ہے:**

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُم فَفِي رَحمَةِ اللّٰهِ هُم فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور سفید چہروں والے اللہ کی رحمت [جنت] میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

☆ **مسلمان آپس میں ایک دوسرے کیلئے رحمت ہیں:**

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ، وَ الَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَىٰ الكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَينَهُم﴾ (۲) ترجمہ: (محمد [ﷺ] اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں' آپس میں رحمدل ہیں)

لہٰذا یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس مؤمن کے دل میں جس اللہ پر ایمان ہے وہ رحیم و کریم ہے، جس نبی [ﷺ] پر ایمان ہے اور ہر مؤمن روزِ قیامت ان کی شفاعت کی تمنا اپنے دل میں لئے بیٹھا ہے وہ نبی بھی رحمت ہیں، جس قرآن پر ایمان ہے اور جسے اس نے سینے سے لگا رکھا ہے وہ قرآن بھی رحمت ہے، جس جنت میں داخلے کی آرزو ہے وہ بھی رحمت ہے، مگر اس کے باوجود اس کا اپنا دل رحمت و ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو....؟ یہ کس طرح ممکن ہے؟

مسلمان جب ہوش سنبھالتا ہے اسی وقت سے ہی نماز پڑھنا شروع کر دیتا ہے، زندگی بھر وہ روزانہ پانچ نمازیں پڑھتا ہے، ہر نماز میں بہت سی رکعتیں ہیں اور ہر رکعت کے شروع میں وہ ''بسم اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ'' پڑھتا ہے، اس کے بعد ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھتا

(۱) آل عمران [۱۰۷] (۲) الفتح [۲۹]

ہےاوراس میں دوبارہ ''اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیم'' پڑھتاہے،لہٰذاایک شخص جوزندگی بھرروزانہ اللہ کے بارے میں بار بار یہ الفاظ وکلمات اپنی زبان سے دہراتا ہواور پھر بھی اس کا اپنادل رحم سے خالی ومحروم ہو..... یہ کس قدر عجیب بات ہے،مسلمان جوروزانہ دن میں پانچ بار اللہ کے سامنے سر جھکائے اور ہاتھ باندھے ہوئے اس سے دعاء وفریادکرتا ہے اوراس کی رحمت سے بہت سی امیدیں وابستہ کئے رکھتاہے،اگرخوداس کا اپنادل خلقِ خدا کیلئے رحمت وہمدردی کے جذبات سے خالی وعاری ہواور بندگانِ خدا کے ساتھ اس کا اپنا رویہ وسلوک اچھانہ ہوتو یقیناً یہ بہت ہی بڑی محرومی وبدبختی ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(مَن لَایَرحَمُ النّاسَ لَایَرحَمُهُ اللّٰهُ)(۱)

(ترجمہ:جوشخص دوسروں پررحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پررحم نہیں فرماتا)

اسی طرح ارشادہے: (لَاتُنزَعُ الرَّحمَةُ اِلَّامِن شَقِیٍّ) (۲) (ترجمہ:رحمت ومہربانی[کے جذبات]سےصرف وہی شخص محروم ہوتاہے جوبدبخت ہو)

نیزارشادہے: (اِنَّ أبعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالیٰ القَلبُ القَاسِي)(۳)

(ترجمہ:یقیناًاللہ تعالیٰ[کی رحمت]سے سب سے زیادہ دوراورمحروم رہنے والاشخص وہ ہے جس کادل سخت ہو)

اسی طرح ارشادہے:(اَلرَّاحِمُونَ یَرحَمُهُمُ الرَّحمٰنُ، اِرحَمُوا مَن فِي الأرض

(۱)مسلم[۲۳۱۹]ابن حبان[۴۶۵][۴۶۷]☆ترمذی[۱۹۲۲]باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین۔

☆نیز:ترمذی[۲۳۸۱]باب ماجاء فی الریاء والسمعۃ۔☆یہی حدیث صحیح بخاری میں بھی موجودہے،البتہ اس میں الفاظ یہ ہیں:(لَایَرحَمُ اللّٰهُ مَن لَایَرحَمُ النّاسَ)[۶۹۴۱]باب:قول اللہ تعالیٰ:قل ادعوا اللہ أوادعوا الرحمٰن..... (۲) ترمذی[۱۹۲۳]باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین۔نیز:ابوداؤد[۴۹۴۲]

(۳) ترمذی[۲۴۱۱]باب ماجاء فی حفظ اللسان۔

یَرحَمُکُم مَّن فِي السَّمَاءِ) (۱) (ترجمہ: رحمٰن انہی پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہوں، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا)

ایک بار جب رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی کے کمسن بچے کی طبیعت خراب تھی اور صورتِ حال کافی تشویشناک تھی......

تب آپ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں لیا، اُس وقت بچے کی سانس اُکھڑ رہی تھی اور نزع کے کچھ آثار نمایاں تھے...... یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، وہاں موجود افراد میں سے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے قدرے تعجب اور حیرت کے انداز میں آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ! آپ بھی......؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اِنَّمَا هِیَ رَحمَة جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَ انَّمَا یَرحَمُ اللّٰهُ مِن عِبَادِهِ الرُّحَمَاءُ) (۲)

(۱) ترمذی[۱۹۲۴] باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین ☆ احمد[۶۴۹۴] ☆ ابوداؤد[۴۹۴۱] باب فی الرحمۃ۔

(۲) ☆ بخاری[۱۲۲۴] باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یعذب المیت ببکاء بعض أہلہ علیہ......

امام نووی نے یہ حدیث ریاض الصالحین میں ''باب الصبر'' میں ذکر کی ہے۔

یہاں یہ تذکرہ بھی مناسب ہوگا کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، مزید یہ کہ یہ ان کا یہ کون سا کمسن بچہ تھا......؟ بیٹا تھا یا بیٹی تھی......اور پھر یہ کہ اس موقع پر اس کی وفات ہو گئی؟ یا یہ کہ وہ زندہ بچ گیا تھا......؟ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، باب الصبر، ج:۱۔ص:۱۸۲۔

☆ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بعض روایات میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''هٰذِهِ رَحمَة وَضَعَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ مَن شَاءَ مِن عِبَادِهِ) (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری[۵۳۳۱] باب عیادۃ الصبیان) یعنی: ''یہ تو رحم کے جذبات ہیں' جو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے''۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ رحمت وہمدردی کے جذبات ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتے، بلکہ یہ نعمت تو صرف انہی خوش نصیبوں کو ہی نصیب ہوتی ہے جنہیں خود اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کیلئے منتخب فرماتے ہیں۔

یعنی: ''یہ آنسوتو اس رحمت کی علامت ہیں جو کہ اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں سے انہی پر رحم فرماتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے کمسن صاحبزادے ابراہیم نے جب آپؐ کی گود مبارک میں آخری ہچکی لی تو اس موقع پر بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حیرت وتعجب کے طور پر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ بھی.....؟ تب آپؐ نے فرمایا کہ: (یا ابن عوف! انّها رحمة.....) یعنی: ''اے ابن عوف! یہ آنسوتو رحمت کی علامت ہیں.....'' (۱)

☆ کمزوروں کے ساتھ رحمدلی ومہربانی کی خصوصی تاکید:

معاشرے میں موجود کمزور افراد نیز کمزور طبقات کے ساتھ حسنِ سلوک، رحمدلی، ہمدردی ومہربانی اور ان کی خبر گیری کی خاص طور پر بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

اس بارے میں مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ضعیف والدین:

اس سلسلے میں سب سے پہلے والدین کا حق اور مقام ومرتبہ ہے، چنانچہ والدین کے ساتھ تو ہمیشہ اور زندگی کے ہر مرحلہ میں ہی حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے، لیکن جب وہ عمر رسیدہ اور ضعیف ہوجائیں تو اس وقت ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کیلئے رحمدلی ومہربانی کی خاص طور پر بہت زیادہ تاکید ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ قَضَىٰ رَبُّكَ أن لَّاتَعبُدُوا اِلَّااِيَّاهُ وَبالوَالِدَينِ اِحسَاناً اِمَّايَبلُغَنَّ عِندَكَ الكِبَرَأَحَدُهُمَا أو كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَاتَنهَرهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَولًا كَرِيماً﴾ (۲)

(۱) بخاری [۱۲۴۱] باب الصبر عند الصدمة الاولیٰ۔ (۲) بنی اسرائیل / الاسراء [۲۳-۲۴]

ترجمہ:(اور تیرارب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے کوئی ایک یا یہ دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا، اور عاجزی ومحبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھے رکھنا، اور دعاء کرتے رہنا کہ:'' اے میرے رب! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے'')۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس آیت میں اولاً تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' نیز ان کیلئے دعاء مانگتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ کہ اللہ کی طرف سے دعاء بھی خود ہی سکھادی گئی، پھر مزید یہ کہ اس دعاء میں ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جس سے انسان کو اپنے بچپن کا دور یاد آجائے، اور انسان چشمِ تصور سے اس منظر کو دیکھے جب وہ کمزور ونا تواں تھا، اٹھنے بیٹھنے کی سکت بھی نہیں تھی، کھانے پینے' جسمانی صفائی وغیرہ ودیگر تمام معاملات میں اسے والدین کی مکمل احتیاج تھی، والدین ہمیشہ ہنسی خوشی اس کی تمام ضروریات پوری کرتے رہے، خود روکھی سوکھی کھا کر گذارا کیا مگر اس کیلئے عمدہ خوراک کا انتظام کیا، خود جو لباس میسر آیا زیب تن کرلیا مگر اس کیلئے حتیٰ المقدور مناسب پوشاک کا بندوبست کیا، اگر کبھی وہ بیمار پڑجاتا تو اس کے والدین انتہائی بیتابی وبیقراری کے عالم میں رات بھر اس کے سرھانے کھڑے رہتے مگر اف تک نہ کرتے، اور پھر صبح ہونے پر بچہ اگر ایک بار مسکرا کر ان کی طرف دیکھ لیتا تو وہ یہ سوچ کر دیوانہ وار اپنے پروردگار کا شکر بجالاتے کہ بچے کی طبیعت اب بہتر ہے.....اور بچے کی محض اس ایک مسکراہٹ کی وجہ سے وہ اپنی رات بھر کی تمام تر تھکاوٹ اور پریشانی کو بھول جایا کرتے تھے،

ہرانسان کے بچپن میں یقیناً ایسی کتنی ہی راتیں آتی ہیں.....!!

لہٰذا قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے انسان کو اپنے والدین کیلئے جو دعاء سکھائی گئی ہے اس میں انسان کیلئے اس کے بچپن کے تذکرہ سے اسے اسی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے والدین کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعاء وفریاد کرتے وقت تصور کی آنکھ سے بچپن کے ان مناظر کو دیکھے، تاکہ اس کے دل میں اپنے والدین کیلئے زیادہ سے زیادہ رقت اور محبت والفت کے جذبات پیدا ہوں اور یوں اس کی یہ دعاء دل کی گہرائیوں سے نکلے اور رب کریم کی بارگاہ میں اسے شرفِ قبولیت نصیب ہوسکے۔

☆عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

عورت بھی چونکہ اللہ کی کمزور مخلوق ہے اس لئے اسلام میں اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک، رحمدلی وہمدردی اور نرمی برتنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے، خواہ وہ ماں ہو یا بہن، بیوی ہو یا بیٹی، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعرُوفِ﴾ (۱)

ترجمہ: (اور تم ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گذارو)

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: (اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً) (۲)

ترجمہ: (عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی میری وصیت کو تم یاد رکھنا)

☆بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک:

بچے بھی چونکہ کمزور مخلوق ہیں اس لئے ان کے ساتھ نرمی برتنے اور پیار ومحبت سے پیش

(۱) النساء[۱۹]

(۲) مسلم[۱۴۶۸] باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔ ☆ابن ماجہ[۱۸۵۱] کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح۔ اس قسم کی حدیث بخاری میں بھی مروی ہے، البتہ اس میں الفاظ یہ ہیں: (اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ) ملاحظہ ہو: بخاری[۳۱۵۳] کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الأرض خلیفۃ۔

آنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت ومحبت کا سلوک فرماتے تھے ،بعض اوقات جب آپ ﷺ نماز میں مشغول ہوتے اوراس دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ اس کی وجہ سے اپنی نماز مختصر فرمادیتے۔

ایک بار آپ ﷺ نے جب اپنے کمسن نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کیا تو وہاں موجود اقرع بن حابس التمیمی نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں ،مگر میں نے آج تک ان میں سے کسی کو اس طرح پیار نہیں کیا،اس پر آپؐ نے فرمایا:(مَن لَایَرحَم لَایُرحَم) (۱) ترجمہ:(جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت کا مستحق بھی نہیں ہوسکتا)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَیسَ مِنَّا مَن لَم یَرحَم صَغِیرَنَا وَیُوَقِّر کَبِیرَنَا) (۲) ترجمہ:(جس نے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور بڑوں کی عزت نہیں کی وہ ہم [مسلمانوں] میں سے نہیں)

☆ کمزور افراد:

معاشرے کے دیگر تمام کمزور افراد مثلاً: عمر رسیدہ افراد، معذور، بیوہ، فقراء، مساکین، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ رحم دلی وہمدردی اور حسنِ سلوک کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿فَأَمَّا الیَتِیمَ فَلَا تَقهَر﴾ (۳) ترجمہ:(پس یتیم پر سختی نہ کیا کرو)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار اپنے ہاتھ کی دونوں بڑی انگلیاں ملا کر فرمایا: (أَنَا وَ کَافِلُ

(۱) بخاری[۵۶۵۱] ☆مسلم[۲۳۱۸] ☆ابن حبان[۴۵۷] باب الرحمۃ ،نیز: ابن حبان[۴۶۳][۵۵۹۴] ☆ترمذی[۱۹۱۱] باب ماجاء فی رحمۃ الولد ☆ابوداؤد[۵۲۱۸] ☆احمد[۷۲۸۷][۷۶۳۶][۱۰۶۸۴]

(۲) ترمذی[۱۹۱۹][۱۹۲۰][۱۹۲۱] باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔ (۳) الضحیٰ:[۹]

الیَتِیمِ فِي الجَنَّةِ هکَذَا) (۱) ترجمہ:(میں اوریتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:(اَلسَّاعِي عَلَیٰ الأَرمَلَةِ وَ المِسکِینِ کَا المُجَاهِدِ فِي سَبِیلِ اللّٰهِ) (۲) ترجمہ:(بیوہ اورمسکین کی بہتری کیلئے کوشش وجدوجہد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:(أَعطُوا الأَجِیرَ أجرَهٗ قَبلَ أن یَجِفَّ عَرَقُهٗ)(۳) ترجمہ:(مزدورکواس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو)

غرضیکہ قرآن وحدیث میں کمزوروں'محتاجوں اورمسکینوں کی خبرگیری'ان کے ساتھ حسنِ سلوک'ان کیلئے رحمدلی ومہربانی'انہیں کھانا کھلانا'نیز ہرممکن طریقے سے ان کی مددواعانت کوایمان کی علامت اورجنت میں داخلے کا سبب بتایا گیا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس ان کے ساتھ ترش روئی اوربدسلوکی روارکھنا'ان کی خدمت واحترام کے معاملہ میں بے توجہی اورغفلت وبے اعتنائی برتنا'نیزان کے ساتھ کسی بھی قسم کی بدسلوکی ظلم وزیادتی اوران کی حق تلفی کوکفرونفاق کی نشانی اورجہنم میں داخلے کا سبب قراردیا گیا ہے ۔سورۃ الماعون کا بھی یہی مفہوم ہے۔

(۱) بخاری[۴۹۹۸] باب ماجاء فی اللعان وقول اللہ تعالیٰ؛والذین یرمون أزواجھم ......۔
نیز:بخاری[۵۶۵۹] باب حسن العھدمن الایمان۔☆ترمذی[۱۹۱۸] باب ماجاء فی رحمۃ الیتیم وکفالتہٖ ☆ابوداؤد[۵۱۵۰] باب فی من ضم الیتیم۔

(۲) بخاری[۵۰۳۸] کتاب النفقات،باب فضل النفقۃ علیٰ الأہل......۔
نیز:بخاری[۵۶۶۰] باب الساعی علیٰ الارملۃ۔☆مسلم[۲۹۸۲] ☆ابن حبان[۴۲۴۵] ☆ابن ماجہ[۲۱۴۰] ☆ترمذی[۱۹۶۹] باب ماجاء فی السعی علیٰ الارملۃ والیتیم ☆نسائی[۲۵۷۷] باب فضل الساعی علیٰ الارملۃ۔

(۳) ابن ماجہ[۲۴۴۳] باب أجرالأجراء۔

☆ حیوانات کے ساتھ رحمدلی ومہربانی:

اسلام دینِ رحمت ہے، اور اس کی رحمتوں کا فیضان صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلام میں حیوانات تک کے ساتھ حسنِ سلوک اور رحمت ومہربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (بَيـنَـمَـا رَجُـلٌ يَمشِي فَاشتَدَّ عَلَيهِ العَطَشُ فَنَزَلَ بِـئراً فَشَرِبَ مِنهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَبِكَلْبٍ يَلهَثُ يَأكُلُ الثَّرَىٰ مِنَ العَطَشِ، فَـقَالَ: لَقَد بَلَغَ هذَا مِثلَ الَّذِي بَلَغَ بِي، فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أمسَكَهُ بِفِيهِ، ثُمَّ رَقِيَ فَسَـقَـىٰ الكَلبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَلَهُ) (۱) ترجمہ: (ایک بار ایک شخص راستے میں چلا جارہا تھا کہ اسے پیاس نے ستایا، وہ پانی پینے کی غرض سے کنویں پر گیا، پانی پینے کے بعد وہاں اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور کنویں کے قریب گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ شخص سوچنے لگا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پیاس کی شدت کی وجہ سے میرا جو حال تھا اس بیچارے کتے کا بھی وہی حال ہے۔ اور پھر اس نے اپنے موزے میں پانی بھرا اور اسے منہ میں دبائے ہوئے اوپر چڑھتا ہوا کنوئیں سے باہر آیا اور اس کتے کو وہ پانی پلایا، اس پر اللہ کی طرف سے اس کے اس عمل کی قدردانی کے طور پر اس کیلئے مغفرت کا فیصلہ کرلیا گیا)

جبکہ اس کے برعکس ایک بار آپ ﷺ نے ایک عورت کے بارے میں فرمایا کہ: (عُـذِّبَـت اِمرأةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتهَا حَتَّىٰ مَاتَت جُوعاً) (۲)

ترجمہ: (ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے [جہنم کے] عذاب میں ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ

(۱) بخاری [۳۶۶۳] باب رحمۃ الناس والبہائم ☆ مسلم [۲۲۴۴] باب فضل ساقی البہائم.....۔
☆ ابن حبان [۵۴۴] ☆ موطا مالک [۱۶۶۱] ☆ احمد [۸۸۶۱] [۱۰۷۱۰] [۱۰۷۶۲] ☆ ابوداؤد [۲۵۵۰]

(۲) ☆ بخاری [۲۲۳۶] باب فضل سقی الماء۔ نیز: بخاری [۳۱۴۰] نیز: [۳۲۹۵] باب قول اللہ تعالیٰ:

اس نے اس بلی کو قید کر دیا تھا، اور پھر اسی قید کی حالت میں ہی بھوک کی وجہ سے وہ مر گئی)

☆..... قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کی گئی گذشتہ تمام تفصیل سے اصل مقصود یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس بارے میں مکمل خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ جس اللہ پر ہمارے دلوں میں ایمان ہے وہ اللہ رحمٰن اور مہربان ہے، جس قرآن پر ایمان ہے وہ بھی رحمت ہے، اسی طرح نبی ﷺ بھی رحمت ہیں، جس جنت کی طلب اور آرزو ہے وہ بھی رحمت ہے، مگر اس کے باوجود ہمارے دل آپس میں ایک دوسرے کیلئے اگر رحم دلی وہمدردی کے جذبات سے خالی ومحروم ہوں تو یقیناً یہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہوگی' اور یہ تو بڑی محرومی وبدبختی کی بات ہوگی، بلکہ یہ تو یقیناً جرمِ عظیم ہوگا۔

باقی از حاشیہ صفحہ گذشتہ:

وبث فیہا من کل دابۃ۔ ☆مسلم[۹۰۴] نیز: مسلم[۲۲۴۲][۲۲۴۳] باب تحریم قتل الہرۃ۔ نیز: مسلم[۲۶۹۱]

☆ابن حبان[۵۴۶] نیز[۵۶۲۱][۵۶۲۲] ذکر وصف عذاب ہذہ المرأۃ التی ربطت الہرۃ حتیٰ ماتت۔

☆ابن ماجہ[۱۲۶۵] باب ماجاء فی صلاۃ الخوف۔

☆نسائی[۱۴۸۲] نیز[۱۴۹۶] باب القول فی السجود فی صلاۃ الکسوف۔

☆احمد[۶۴۸۳][۶۷۶۳][۷۵۳۸][۷۶۳۵][۸۱۸۶][۹۸۹۲][۱۰۰۳۵][۱۰۲۱۱][۱۰۵۰۸]

[۱۰۵۹۲][۱۴۴۵۷][۱۴۶۴۲][۱۵۰۶۰][۲۷۰۰۸][۲۷۰۰۹]

البتہ بعض روایات میں اس حدیث کی ابتداء اس طرح ہے: (دَخَلَت اِمرَأَۃٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ .....)

''حسد: بدترین خصلت''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بنی نوعِ انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے صدیوں سے گمراہی وجہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتی اور سسکتی انسانیت کی صلاح وفلاح کی خاطر اپنے پیارے اورمحبوب ترین بندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بشیر ونذیر اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک مقصد ''تزکیۂ نفوس'' (یا ''اصلاحِ باطن'') بھی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿لَقَد مَنَّ اللّٰهُ عَلىٰ المُؤمِنِينَ اِذ بَعَثَ فِيهِم رَسُولًا مِّن أنفُسِهِم يَتلُوا عَلَيهِم آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيهِم وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتَابَ وَالحِكمَةَ وَ اِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی، اور پاک کرتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت، حالانکہ وہ تو اس سے قبل صریح گمراہی میں مبتلا تھے)

اس آیت میں ﴿وَيُزَكِّيهِم﴾ یعنی: ''اور پاک کرتا ہے ان کو'' کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:(أي يأمُرُهُم بِالمَعرُوفِ وَ يَنهَاهُم عَنِ المُنكَرِ لِتَزكُوا نُفُوسُهُم وَ تَطهُرمِنَ الدَّنَسِ وَ الخُبث) (۲) یعنی: ''رسول اللہ ﷺ ایمان والوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، تاکہ ان کے دل ہر قسم کی برائی سے پاک وصاف ہوجائیں''۔

(۱) آل عمران[۱۶۴] (۲) تفسیر ابن کثیر صفحہ:۴۳۳۔جلد:۱

غرضیکہ ہر مسلمان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ولازمی ہے کہ وہ ظاہری نظافت وطہارت کے ساتھ ساتھ باطنی وروحانی نظافت وطہارت کا بھی اہتمام والتزام کرے، اوراس کا دل ودماغ ' اس کا ذہن' اوراس کی سوچ کفروشرک' معصیت وضلالت' حسد' کینہ' بغض وعداوت وغیرہ ہرقسم کی نجاست وناپاکی سے پاک وصاف ہو۔

☆ حسد کی تعریف:

عربی لغت میں ''حسد'' کے معنیٰ یوں بیان کئے گئے ہیں:(تَمَنِّي أن تَتَحَوَّلَ إِلَيهِ نِعمَتُهُ أو أن يُسلَبَهَا) (۱) یعنی:''کسی کے پاس موجود کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت کاش کسی طرح اس کی بجائے مجھے مل جائے، ورنہ یہ کہ یہ نعمت اُس شخص سے بھی چھن جائے''۔یعنی کسی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھکر یہ حسرت وآرزو کرنا کہ کاش یہ چیز کسی طرح اس شخص کی بجائے مجھے مل جائے' اوراگر ایسا ممکن نہیں تو کم ازکم یہ کہ یہ چیز اس شخص کے پاس بھی نہ رہے، جس طرح میں اس نعمت سے محروم ہوں اسی طرح یہ شخص بھی اس سے محروم ہوجائے۔

علماء نے ''حسد'' کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:(تَمَنِّي زوَالِ مَا أنعَمَ اللّٰهُ بِهِ عَلىٰ عَبدٍ مِن نِعمَةِ دينٍ أودُنيَا) یعنی:''کسی کے پاس اللہ کی عطاء کردہ کوئی دینی یا دنیاوی نعمت کے بارے میں اس بات کی حسرت وآرزو کرنا کہ یہ شخص کسی طرح اس نعمت سے محروم ہوجائے''۔

اسی مکروہ ومذموم ترین جذبہ وخواہش کا نام ''حسد'' ہے۔

(۱) المعجم الوسیط، صفحہ:۱۷۲۔جلد:۱۔بعض کتبِ لغت میں حسد کی تعریف مختصراً اس طرح کی گئی ہے:(تَمَنِّي زَوَالِ النِّعمَةِ مِنَ المَحسُودِ) یعنی:محسود کے بارے میں یہ آرزو رکھنا کہ اس کے پاس موجود نعمت کا خاتمہ ہوجائے۔

البتہ یہ خواہش کہ ''فلاں شخص کے پاس جو نعمت ہے وہ اس کے پاس موجود و برقرار رہے اور اسی جیسی نعمت اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مجھے بھی عنایت فرمادیں'' یہ چیز ''حسد'' میں شامل نہیں۔

☆ حسد کی مذمت میں چند احادیث:

اس بارے میں مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں' تاکہ حسد کی قباحت مزید واضح ہوسکے:

☆(اِیَّاکُم وَ الحَسَدَ، فَاِنَّ الحَسَدَ یَأکُلُ الحَسَنَاتِ کَمَا تَأکُلُ النَّارُ الحَطَبَ) (۱) ترجمہ:(حسد سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھاجاتی ہے)

☆ (لَاتَبَاغَضُوا، وَلَاتَحَاسَدُوا، وَلَاتَدَابَرُوا، وَکُونُوا عِبَادَاللّٰہِ اِخوَاناً) (۲) ترجمہ:(ایک دوسرے کیلئے دل میں بغض وکینہ نہ رکھو' باہم حسد نہ کرو' آپس میں بے تعلق نہ رہو' اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)

☆(لَایَجتَمِعُ فِي جَوفِ عبْدٍ الاِیمَانُ وَالحَسَدُ) (۳) ترجمہ:(کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں)

یعنی اگر دل میں ایمان ہوگا تو وہاں حسد کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہوگی، اور اگر دل میں حسد پیدا

(۱) ابوداؤد[۴۹۰۳] باب فی الحسد۔☆ابن ماجہ[۴۲۱۰]

(۲)☆بخاری[۵۷۲۶] باب ما یُنہیٰ عن التحاسد والتدابر وقولہ تعالیٰ: ومن شر حاسد اذا حسد۔

☆مسلم[۲۵۵۹] باب تحریم التحاسد والتباغض۔☆ابن حبان[۵۶۶۰]☆موطا مالک[۲۶۱۵]

☆ابن ماجہ[۳۸۴۹] باب الدعاء بالعفو والعافیۃ۔☆ترمذی[۱۹۳۵] باب ماجاء فی الغیبۃ۔☆احمد[۵][۱۷]

(۳) ابن حبان[۴۶۰۶] ذکر نفی اجتماع الغبار فی سبیل اللہ وفیح جہنم فی جوف مسلم۔

ہوگیا تو پھر وہاں ایمان باقی نہیں رہے گا۔

☆(لَایَزالُ النَّاسُ بِخَیرٍ مَا لَم یَتَحَاسَدُوا) (۱) ترجمہ:(لوگ سلامت رہیں گے' تاوقتیکہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں)یعنی اگر ہم یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہماری زندگی سلامتی اور خیروعافیت کے ساتھ بسر ہو' تو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ہمیں حسد سے مکمل گریز کرنا چاہئے، کیونکہ یہ حسد ایسی مکروہ ومذموم خصلت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان بہت سی مصائب ومشکلات میں مبتلا ہوجاتا ہے، بلکہ تمام معاشرہ ہی افراتفری وانتشار' اور پھر بالآخر انحطاط وزوال کا شکار ہوجاتا ہے۔

☆حسد سے پاک انسان کیلئے جنت کی خوشخبری:

☆ عن أنس بن مالك رضی اللّٰہ عنه قال: کُنّا جُلُوساً مَعَ النَّبِیّ ﷺ فَقَال: یَطلُعُ الآنَ عَلَیکُم رَجُلٌ مِن أهلِ الجَنَّةِ ، فَطَلَعَ رَجُلٌ مِنَ الأنصَارِ تَنطُفُ لِحیَتُهٗ مِن وَضُوئِهٖ، قَدعَلَّقَ نَعلَیهِ بِیَدِهِ الشِّمَالِ ، فَلَمَّا کَانَ الغَدُ قَالَ النَّبِیّ ﷺ مِثلَ ذٰلِكَ ، فَطَلَعَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ مِثلَ المَرَّةِ الأولیٰ، فَلَمَّا کَان الیَومُ الثَّالِثُ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مثلَ مَقَالَتِهٖ أیضاً، فَطَلَعَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ عَلیٰ مِثلِ حَالِهِ الأوَّلِ، فَلَمَّا قَامَ النَّبِیُّ ﷺ تَبِعَهٗ عَبدُ اللّٰہ بن عَمروٍ ، فَقَالَ اِنِّي لَاحَیتُ أبِي فَأقسَمتُ أنِّي لَاأدخُلُ عَلَیهِ ثَلَاثاً، فَاِن رَأیتَ أن تُؤوِیَنِي حَتّیٰ تَمضِیَ، فَعَلتَ، قَالَ: نَعَم، قَالَ أنس: فَکَانَ عَبدُ اللّٰہِ یُحَدِّثُ أنَّهٗ بَاتَ مَعَهٗ تِلكَ الثَّلَاثَ اللَّیَالِي، فَلَم یَرَهٗ یَقُومُ مِنَ اللَّیلِ شَیئاً، غَیرَ أنَّهٗ اِذَا تَعَارَّ

(۱) مجمع الزوائد (عن ضمرۃ بن ثعلبۃ) جلد:۸،صفحہ:۸۷۔نقلاً عن الطبرانی۔
نیز: الترغیب والترہیب[۴۳۷۸] بحوالہ طبرانی۔

تَـقَـلَّـبَ عَـلـىٰ فِـرَاشِـهٖ ذَكَرَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، وَكَبَّرَحَتّٰى لِصَلَاةِ الفَجرِ، قَالَ عَبـدُالـلّـه: غَيـرَأنِّي لَم أسمَعهُ يَقُولُ اِلَّاخَيراً، فَلَمَّا مَضتِ الثَّلَاثُ اللَّيَالِي وَكِـدتُ أن أحتَقِرَ عَمَلَهُ قُلتُ: يَاعَبدَ اللّٰه! لَم يَكُن بَينِي وَبَينَ أبِي غَضَبٌ وَلَاهُـجـرَةٌ ، وَلٰكِنِّي سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: يَطلُعُ الآنَ عَـلَيـكُم رَجُلٌ مِن أهلِ الجَنَّةِ ، فَطَلَعَت أنتَ الثَّلَاثَ المَرَّاتِ، فَأرَدتُ أن آوِيَ اِلَيكَ فَأنظُرَمَا عَمَلُكَ فَأقتَدِيَ بِكَ، فَلَم أرَكَ عَمِلتَ كَبِيرَعَمَلٍ، فَمَا الَّـذِي بَـلَـغَ بِكَ مَـا قَـالَ رَسُـولُ اللّٰهِ ﷺ ؟ قَالَ: مَا هُوَ اِلَّامَا رَأيتَ، فَلَمَّا وَلَّيـتُ دَعَـانِـي فَقَال: مَاهُوَ اِلَّامَارَأيتَ ، غَيرَأنِّي لَاأجِدُ فِي نَفسِي لِأحَدٍ مِـنَ الـمُسْـلِـمِيـنَ غِشّاً، وَلَاأحسُدُ أَحَداً عَلىٰ خَيرٍ أعطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ، فَقَالَ عَبدُ اللّٰهِ: هذِهِ الَّتِي بَلَغَت بِكَ)(۱)

ترجمہ:(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:ایک روز جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے' آپ ﷺ نے فرمایا:''ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو کہ اہلِ جنت میں سے ہے۔چنانچہ انصار میں سے ایک صاحب اندر داخل ہوئے ، جن کی داڑھی سے تازہ وضوء کی وجہ سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے،اورانہوں نے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتا تھاما ہوا تھا۔دوسرے روز بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا،یعنی رسول اللہ ﷺ نے وہی الفاظ دہرائے'اورتب بھی وہی صاحب اسی حالت میں دکھائی دیئے۔ تیسرے روز پھر یہی واقعہ پیش آیا اور پھروہی صاحب اسی کیفیت میں نمودار ہوئے۔جب رسول اللہ ﷺ مجلس سے اٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان[انصاری شخص]

(۱)احمد[۱۲۷۲۰]جلد:۳،صفحہ:۱۶۶۔☆الترغیب والترہیب،فضل التخلی عن الحسد،جلد:۳۔صفحہ:۵۴۹۔

کے تعاقب میں روانہ ہوئے [تاکہ ان کے جنتی ہونے کا سبب معلوم کرسکیں] اوران سے کہا کہ میری اپنے والد سے کچھ رنجش ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے میں نے یہ قسم کھالی ہے کہ میں تین روز تک گھر نہیں جاؤں گا، لہٰذا اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین روز تک مجھے اپنے یہاں رہنے کی اجازت دیدیں۔انہوں نے اس بات کو منظور کرلیا۔عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ تین راتیں ان کی معیت میں گذاریں، اوران کی کیفیت یہ دیکھی کہ وہ رات کے وقت تہجد کیلئے نہیں اٹھتے، البتہ نیند کے دوران جب بھی ذرہ سی ان کی آنکھ کھلتی اوروہ کروٹ بدلتے تو اللہ کا ذکراور تسبیح وغیرہ پڑھتے، فجر تک یہی کیفیت رہتی۔البتہ اس پورے عرصہ میں میں نے ان کی زبان سے کلمۂ خیر کے سوااور کچھ نہیں سنا [یعنی انہوں نے ہمیشہ صرف اچھی بات ہی کہی]۔ جب اسی کیفیت میں تین راتیں گذر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے عمل کی حقارت آجائے (۱) تب میں نے ان پر اپنا راز ظاہر کردیا کہ میری اپنے والد کے ساتھ کوئی رنجش وغیرہ نہیں ہے، بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین روز مسلسل یہ بات سنی کہ: ''ابھی تمہارے سامنے ایسا شخص آنے والا ہے کہ جو اہلِ جنت میں سے ہے''۔اور تینوں دن مسلسل آپ ہی نمودار ہوئے، اس لئے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں آپ کے ساتھ رہوں' تاکہ آپ کے معمولات کا مشاہدہ کرسکوں اور پھر میں خود بھی انہی معمولات کو اپناؤں۔مگر [تعجب ہے کہ] میں نے آپ کو کوئی خاص بڑا عمل انجام دیتے ہوئے تو دیکھا نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی؟۔وہ کہنے لگے کہ: ''میرے پاس تو بس یہی کچھ ہے جو تم دیکھ چکے ہو''۔یہ سن کر جب میں واپس روانہ ہونے لگا تو انہوں نے مجھے آواز دی اور کہنے لگے کہ:

(۱) یعنی قریب تھا کہ میرے دل میں ان کے بارے میں یہ خیال پیدا ہونے لگے کہ یہ صاحب کوئی بہت زیادہ مجاہدہ یا کوئی خاص عبادت تو انجام دیتے نہیں' پھر کس طرح اہلِ جنت میں سے ہوگئے.....؟

''ہاں! ایک بات یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کدورت اور بغض وکینہ نہیں رکھتا، نیز یہ کہ اللہ نے جس کسی کو کوئی اچھی چیز عطاء کی ہو تو میں کبھی اس سے حسد نہیں کرتا''۔ یہ بات سن کر عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ: ''یہی تو وہ صفت ہے جس کی وجہ سے آپ کو یہ بلند ترین مقام نصیب ہوا ہے'')۔

☆ حسد کی تباہ کاریاں:

اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ حسد انتہائی خطرناک' بدترین اور مہلک ترین جذبہ ہے اور اس کے اثراتِ بد یقیناً لامحدود ہیں۔

چنانچہ اگر غور وفکر کیا جائے تو یہی حقیقت آشکارا ہو کر رہیگی کہ انسانی معاشرے میں اکثر وبیشتر جرائم کا اصل محرک یہی جذبۂ سیاہ ہی ہے۔ حسد کی وجہ سے بھائی بھائی آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے ہیں، باہمی الفت ومحبت کی جگہ نفرت وعداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں، دوستی دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے، تاریخِ عالم گواہ ہے کہ حسد کی وجہ سے بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں برباد ہو گئیں، پُر رونق بستیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں، جس معاشرے کے افراد میں حسد جیسی مکروہ ومذموم خصلت پائی جاتی ہو وہ معاشرہ انحطاط وزوال کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی دیواروں میں شگاف پڑ جاتے ہیں، بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں، رفتہ رفتہ اس معاشرے اور ملک وملت کی تمام عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے اور اس طرح اجتماعی موت واقع ہو جاتی ہے۔

☆..... امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ سورۃ الفلق کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (الحسد أوّل ذنبٍ عُصِی اللّٰہ بہٖ في السّماء، وأوّل ذنبٍ عُصِی اللّٰہ بہٖ في الأرض، فحسد ابلیسُ آدمَ، وحسد قابیلُ ھابیلَ) یعنی: ''حسد وہ اولین گناہ ہے جس

کے ذریعے آسمان میں اللہ کی نافرمانی کی گئی، اور حسد ہی وہ اولین گناہ ہے جس کے ذریعے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی گئی، [آسمان میں] ابلیس نے آدم [علیہ السلام] سے حسد کیا، اور [زمین میں] قابیل نے ہابیل سے حسد کیا''۔(۱)

ابلیس نے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا انہیں جنت سے نکلوایا' اور پھر خود بھی مردود وملعون ہوکر جنت سے نکلا، اور وہاں سے نکلتے وقت اس نے یہ عہد کیا کہ اولادِ آدم سے انتقام لینے کیلئے وہ قیامت تک ہر انسان کو صراطِ مستقیم سے منحرف وبرگشتہ کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتا رہیگا، تاکہ جس طرح وہ خود جنت سے محروم ہوا ہے اسی طرح اولادِ آدم کی بھی زیادہ سے زیادہ تعداد کو جنت سے محروم کرکے جہنم کا ایندھن بنادیا جائے۔

لہٰذا جب بھی کوئی انسان اپنے خالق ومالک کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنی آخرت برباد کرتا ہے تو وہ درحقیقت ابلیس کے اسی جوشِ انتقام کا نشانہ بننے کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، اور اس تمام تر مصیبت کا اصل اور بنیادی سبب یہی ہے کہ ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا۔

☆.....اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے قابیل نے ہابیل کو قتل کرکے سب سے پہلا انسانی خون بہایا اور اس روئے زمین پر فتنہ وفساد، قتل وغارتگری اور انسانی خون بہانے کی قبیح ترین رسم ڈالی، چنانچہ آج تک اس دنیا میں فتنہ وفساد، قتل وغارتگری اور خونریزی کا سلسلہ جاری ہے، اس تمام تر مصیبت وبربادی کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ قابیل نے ہابیل سے حسد کیا۔

(۱) الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) میں سورۃ الفلق کی آیت ''ومن شر حاسدٍ اذا حسد'' کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

☆.....اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ستایا' تکلیفیں پہنچائیں' مارا پیٹا' قتل کرنے کی سازش اور کوشش کی' ویران اور تاریک کنوئیں میں پھینک دیا' جہاں سانپ' بچھو' دوسرے زہریلے حشرات الارض کی بہتات تھی، اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بازار میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے، اور پھر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے لختِ جگر کی جدائی اور گم شدگی کے غم میں سالہا سال تک روتے رہے، یہاں تک کہ کثرتِ گریہ کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی بھی جاتی رہی، اس تمام تر مصیبت و پریشانی کا اصل سبب بھی یہی تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں نے حسد کیا۔

☆.....اسی طرح اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِينَ آتَينَاهُمُ الكِتَابَ يَعرِفُونَهُ كَمَا يَعرِفُونَ أَبنَاءَ هُم﴾ (۱) ترجمہ:(وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطاء کی ہے وہ انہیں [یعنی حضرت محمد ﷺ کو] پہچانتے ہیں' جیسا کہ وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو)

یعنی یہ یہود و نصاریٰ جس طرح اپنے بیٹوں کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں' یا کوئی بھی انسان جس طرح اپنی اولاد کو بغیر کسی شک وشبہہ اور بغیر کسی دقت یا تردد کے خوب اچھی طرح اور یقینی طور پر جانتا اور پہچانتا ہے' بالکل اسی طرح یہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کو اور آپؐ پر نازل شدہ کتاب' نیز آپؐ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو خوب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے، اور نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ مزید یہ کہ دوسروں کو بھی

(۱) البقرۃ [۱۴۶]

راہِ حق سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کے درپے رہتے ہیں،اورمسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ سے ان کی یہی خواہش وکوشش رہی ہے کہ کسی طرح انہیں بھی صراطِ مستقیم سے برگشتہ کردیاجائے اوردینِ برحق یعنی اسلام کی نعمت سے انہیں محروم کردیاجائے.....،جیسا کہ قرآن کریم میں ان کی اس مذموم خواہش کا تذکرہ ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّن أَهلِ الكِتَابِ لَوَيَرُدُّونَكُم مِّن بَّعدِ اِيمَانِكُم كُفَّاراً حَسَداً مِّن عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَّعدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الحَقُّ﴾ (۱) ترجمہ:(اہلِ کتاب میں سے اکثروبیشترلوگ اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعددوبارہ کفرکی طرف لوٹادیں'حسدکی وجہ سے جوان کے دلوں میں ہے'بعداس کے کہ ان پرحق خوب واضح ہوچکا)

نیزقرآن کریم میں ان اہلِ کتاب کے اسی حسد کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿أَم يَحسُدُونَ النَّاسَ عَلىٰ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضلِهٖ﴾ (۲)

ترجمہ:(کیایہ اہلِ کتاب حسدکرتے ہیں لوگوں [مسلمانوں] سے اس بات پرکہ اللہ نے ان پراپنافضل فرمایا)

غرضیکہ یہ یہودونصاریٰ دینِ اسلام کی حقانیت وصداقت سے بخوبی اورقطعی واقفیت کے باوجوداسے قبول کرنے کی بجائے روزِاول سے ہی اسلام اورمسلمانوں کونیست ونابود کردینے پرکمربستہ ہیں، ابتدائے اسلام ہی سے انہوں نے اسلام اورپیغمبرِ اسلام کے خلاف سازشوں کاسلسلہ شروع کردیا،کبھی رسول اللہ ﷺ کوشہیدکرنے کی کوشش کی،کبھی آپ ﷺ پرجادوکیا،کبھی آپ ﷺ کے کھانے میں زہرملایا،اس طرح یہ لوگ ہمیشہ ہی

(۱)البقرۃ[۱۰۹] (۲)النساء[۵۴]

رسول اللہ ﷺ کیلئے جسمانی وروحانی، نیز ظاہری وباطنی قسم کی اذیتوں اور پریشانیوں کا سبب بنتے رہے۔

اور پھر عہدِ رسالت کے بعد بھی یہ اہلِ کتاب مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں ہی مصروف رہے، صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، اسپین میں نہایت سفاکی وبیدردی کے ساتھ لاکھوں مسلمانوں کو تہِ تیغ کیا، اور یہی صورتِ حال آج کے اس مہذب وترقی یافتہ دور میں بھی دنیا کے مختلف خطوں میں دیکھی جاسکتی ہے.....!!

اگر غور کیا جائے تو یقیناً یہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ اس تمامتر مصیبت وآفت کا اصل اور حقیقی سبب بھی (قرآن کے فیصلے مطابق) یہی ہے کہ یہ اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں۔

حسد کی تباہ کاریوں کے بارے میں یہ محض چند مثالیں درج کی گئی ہیں جن سے اس بات کا صحیح اندازہ ہوجانا چاہئے کہ یہ جذبۂ سیاہ انسانیت کیلئے کس قدر خطرناک اور تباہ کن ہے۔

حاسد کیلئے دینی ودنیاوی خسارہ:

☆ شیطان سے مماثلت:

حاسد انسان کو اپنی بدبختی کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہئے کہ قرآن کریم میں مُعوّذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس میں جس طرح شیطان اور اس کے چیلوں کے شر سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بعینہٖ اسی طرح حاسد کے شر سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے، گویا کہ حاسد کا شر انسانیت کیلئے شیطان کے شر سے کم خطرناک نہیں ہے، بالفاظِ دیگر حاسد شخص بھی انسانیت کیلئے اسی قدر خطرناک ہے کہ جس

قدر شیطان خطرناک ہے۔

☆تمام نیکیوں کا ضیاع:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(الحَسَدُ يَأكُلُ الحَسَنَاتِ كَمَا تأكُلُ النَّارُ الحَطَبَ)

(۱) ترجمہ:(حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے)

لہٰذا حاسد انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ پر رحم کرے اور خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی نیکیاں ضائع اور برباد کرنے سے باز رہے۔

☆غیبت اور چغلی کا سبب:

حاسد انسان جس کسی سے حسد کرتا ہے جگہ جگہ اس کی غیبت اور چغلی کرتا پھرتا ہے اور اس کے عیوب بیان کرتا ہے، حالانکہ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَيلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ (۲) ترجمہ:(ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کیلئے بربادی ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لَايَدخُلُ الجَنَّةَ نَمَّام) (۳)

ترجمہ:(چغل خور انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلىٰ قَبرَينِ فَقَالَ : اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِير ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَاالآخَرُ فَكَانَ لَايَستَتِرُ مِن بَولِهٖ) وفي رواية : (وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لَايَستَنزِهُ مِن بَولِهٖ) (۴)

(۱) ابوداؤد، باب فی الحسد [۴۹۳۰] ابن ماجہ [۴۲۱۰] (۲) الہمزۃ [۱]

(۳) مسلم [۱۰۵] باب بیان غلظ تحریم النمیمۃ۔ نیز: احمد [۲۳۳۷۳] (۴) حاشیہ آئندہ صفحہ پر.....

ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ ایک بار دوقبروں کے قریب سے جب گذرے تو آپؐ نے فرمایا:(اس وقت یہ دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا ہیں، حالانکہ جس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ[بظاہر] کوئی خاص بہت بڑی وجہ نہیں ہے(۱)ان میں سے ایک شخص تو[اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ]چغلیاں کیا کرتا تھا، جبکہ دوسرا شخص پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا)۔

☆ایذاءرسانی:

حاسدانسان ہمیشہ مختلف حیلوں' تدبیروں اورسازشوں کے ذریعے اپنے محسودکواذیت وتکلیف اورگزندونقصان پہنچانے کی جدوجہدوکوشش میں مشغول رہتاہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (اَلمُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ) (۲) ترجمہ:(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں)

☆نفرت پھیلانا:

حاسدانسان ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے دوسروں کی عیب جوئی کرکے معاشرے میں نفرت' نفاق اورانتشارپھیلاتاہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کاارشادہے: (وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهٖ لَاتَدخُلُوا الجَنَّةَ حَتَّى تُؤمِنُوا، وَلَاتُؤمِنُوا حَتَّى تُحَابُّوا، أَوَلَا أَدُلُّكُم عَلىٰ

بقیہ: حاشیہ صفحہ گذشتہ:

(۴) بخاری[۱۳۱۲] باب ماجاء فی عذاب القبر من الغیبۃ والبول۔ مسلم[۲۹۲] باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ۔

(۱) یعنی وہ کوئی ایسی بہت بڑی مشکل بات نہیں تھی کہ جس سے بچنا ان دونوں کیلئے بہت مشکل کام تھا، بلکہ وہ تو بہت ہی معمولی اور آسان سی بات تھی کہ اگر یہ اس سے بچنا چاہتے تو بسہولت بچ سکتے تھے، مگر انہوں نے اس سے بچنے کی فکر اور کوشش ہی نہیں کی، جس کے نتیجہ میں اب یہ دونوں اپنی اپنی قبر میں بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۲) بخاری[۱۰] باب: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ ☆مسلم[۴۱][۴۲]

أمرٍ إِذَا فَعَلتُمُوهُ تَحَابَبتُم؟ أفشُوا السَّلَامَ بَينَكُم) (۱) ترجمہ:(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ تم مؤمن نہ بن جاؤ، اور تم مؤمن نہیں بن سکتے تاوقتیکہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ نہ کرنے لگو، کیا میں تمہیں نہ بتادوں ایک ایسی چیز کہ اگر تم اسے اپنالو تو باہم محبت کرنے لگو گے؟ آپس میں ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ سلام کیا کرو)۔

☆اپنے ہی مفادات کی بربادی:

حاسد انسان معاشرے میں نفرت کے بیج بوتا ہے' جس کی وجہ سے پورے معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہونے لگتی ہیں، اور پھر رفتہ رفتہ تمام معاشرہ اور ملک زوال وانحطاط کا شکار ہوجاتا ہے، لہٰذا حاسد انسان کو غور کرنا چاہئے کہ وہ خود بھی تو اسی معاشرے کا ہی فرد اور حصہ ہے کہ جس کی تباہی کا وہ خود سبب بن رہا ہے، اور جب وہ معاشرہ اور ملک وملت ہی سلامت نہ رہے تو پھر اس کے بعد اس حاسد کو کہاں ٹھکانہ نصیب ہوگا؟ لہٰذا حاسد انسان درحقیقت خود اپنے ہی مفادات کا دشمن ہے اور اپنا ہی آشیانہ نذرِ آتش کردینے کے درپے ہے۔

☆صحت کی بربادی:

حاسد انسان دوسروں کی نعمتیں دیکھ کر یہ تمنا کرتا ہے کہ کسی طرح وہ ان نعمتوں سے محروم ہوجائیں۔ چونکہ یہ حاسد دوسروں کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا' لہٰذا خود ہی حسد کی اس آتشِ سوزاں میں ہمیشہ جلتا رہتا ہے، ہر وقت اداس اور پریشان رہتا ہے، جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر وہ متعدد جسمانی ونفسیاتی امراض کا شکار ہوجاتا ہے، محاورہ مشہور ہے: (النّارُ تَأكُلُ

(۱) مسلم[۵۴] باب بیان أنہ لا یدخل الجنۃ الا المؤمنون.....، ☆ابن حبان[۲۳۶] ابن ماجہ[۶۸][۳۶۹۲] ☆ترمذی[۲۶۸۸] باب ماجاء فی افشاء السلام ☆احمد[۱۴۱۲]

نَفسَها اِن لَم تَجد مَا تَأکُلُهٗ) یعنی: ''آگ کو جب کوئی چیز جلانے کیلئے نہیں ملتی تو وہ خود اپنے آپ کو ہی جلا کر ختم کر دیتی ہے''۔

بعینہٖ اسی طرح حاسد انسان دوسروں کی نعمتوں اور ان کی مسرتوں کو دیکھ کر ''خودسوزی'' کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے، اپنا سکون اور اپنی صحت برباد کرتا ہے، اور یوں وہ خود اپنے آپ پر' نیز اپنے ان بچوں پر بھی ظلم کرتا ہے کہ جنہیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

☆اللہ کی تقسیم پر اعتراض:

اس دنیا میں جس کسی انسان کو جو کوئی بھی نعمت میسر ہے درحقیقت اسے وہ اللہ کی طرف سے ملی ہے، کسی کو کسی نعمت سے نوازنے میں' اور کسی کو محروم رکھنے میں کیا حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے؟ یہ اللہ ہی جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔ البتہ مسلمان کیلئے اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کی ہر تقسیم اور اس کے ہر فیصلے کو دل وجان سے درست تسلیم کرے اور اس پر راضی ومطمئن رہے، بلکہ یہ چیز تو خود اللہ پر ایمان ہی کے مفہوم میں شامل ہے۔(۱)

جبکہ اس کے برعکس حاسد انسان دوسروں کے پاس موجود اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ کر کے اور ان کی خوشحالی وآسودگی کو دیکھ کر غمگین اور ناراض ہوتا ہے، گویا کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس تقسیم پر خوش نہیں ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ کیسا مسلمان ہے کہ جسے ''اللہ کی تقسیم'' پر اعتراض ہے......؟

☆......خصوصاً جبکہ یہ بھی ایک اٹل اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا

(۱)''اللہ پر ایمان'' کے ضمن میں ہی اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' پر ایمان بھی شامل ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب: ''اسلامی عقائد'' از: مؤلف۔

میں جس کسی انسان کے پاس جو کچھ بھی خوشحالی وفراوانی اور مسرت وشادمانی کا سامان موجود ہے' کوئی ضروری نہیں کہ وہ واقعی اللہ کی طرف سے اس کیلئے بطورِ انعام واحسان ہی ہو.....! کیونکہ یہ دنیاوی نعمتیں اور آسائشیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ مؤمن وکافر' صالح وفاسق سب ہی کو عطاء فرماتا ہے، کسی کو بطورِ انعام' کسی کو بطورِ امتحان' جبکہ کسی کو یہی نعمتیں بطورِ وبالِ جان بھی دی جاتی ہیں، یعنی یہی نعمتیں اس کیلئے سکون واطمینان کے فقدان اور راحت وآرام کی تباہی وبربادی کا سامان بن جایا کرتی ہیں، بالفاظِ دیگر یہی نعمتیں اس کیلئے عذاب ثابت ہوتی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بظاہر آسودہ وخوشحال نظر آنے والے اس انسان کی زندگی اور اس کے شب وروز خود اس انسان سے بھی بدتر ہوں کہ جو اس کی اس خوشحالی وآسودگی کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہے اور اپنا دین وایمان' اپنی دنیا وآخرت نیز اپنی صحت وتندرستی برباد کرنے پر آمادہ وکمربستہ ہے.....!!

لہٰذا کسی کے پاس محض ظاہری نعمتیں اور آسائشیں دیکھ کر ''حسد'' جیسی بدترین خصلت' مہلک ترین عادت' بلکہ قبیح ترین آفت میں مبتلا ہو کر خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی دنیا وآخرت' اپنی صحت وتندرستی برباد کرنا' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے خالق ومالک اور محسن ومنعم کو ناراض کرنا اور اس کے غیظ وغضب کو دعوت دینا کہاں کی دانشمندی ہے.....؟

☆.....مزید یہ کہ یہ بات بھی تو عین ممکن ہے کہ اس محسود (یعنی جس سے حسد کیا جارہا ہے) کی یہ دنیاوی کامیابی' جاہ ومنصب اور خوشحالی وآسودگی' نیز اس کے پاس موجود دیگر تمام نعمتیں حرام وناجائز ذرائع سے حاصل شدہ ہوں، ایسے میں بظاہر نعمت نظر آنے والی یہ تمام چیزیں تو آخرکار یقیناً اس کیلئے عذاب اور وبالِ جان ہی ثابت ہوں گی، اور قبر میں یہ تمام چیزیں سانپ اور بچھو بن کر اسے ڈسینگی.....!!

لہٰذا ان ''سانپوں'' اور ''بچھوؤں'' سے دوری وسلامتی اور عافیت ونجات پر تو خلوصِ دل کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے..... نہ یہ کہ اس عافیت وسلامتی پر رنج وملال اور احساسِ محرومی وافسردگی کا اظہار کیا جائے.....!!

حسد کا علاج:

گذشتہ سطور میں ''حسد'' جیسی بدترین خصلت اور مہلک ترین اخلاقی ' روحانی اور نفسیاتی مرض کے تذکرہ کے بعد اب سوال یہ ہے کہ اس آفت سے حفاظت ونجات کیلئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟

اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی روشنی میں اس اہم ترین سوال کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں درجِ ذیل امور کا اہتمام والتزام کیا جائے:

(۱)..... حاسد انسان کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں سنجیدگی سے غور وفکر کرے کہ اسے جو تھوڑی بہت نیک اعمال کی توفیق ہو جاتی ہے' اگر اس کے یہ تمام نیک اعمال (رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق) اس کی اس بری خصلت (یعنی حسد) کی وجہ سے ضائع ہوتے رہیں' تو کیا اس سے بڑھ کر کوئی بدنصیبی ہو سکتی ہے.....؟

(۲).....حاسد انسان کو دنیا میں رنج وغم اور افسردگی وپریشانی ' نیز آخرت میں بھی بربادی وناکامی ہی نصیب ہوتی ہے، لہٰذا اسے غور کرنا چاہئے کہ اس کی اس بری خصلت کی وجہ سے محسود کا تو کچھ بھی نہیں بگڑتا، البتہ اس کی یہ خصلت خود اس کیلئے یقیناً انتہائی مضر اور تباہ کن ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنا ہی نقصان اور اپنی ہی بربادی کا سامان کرتا چلا جائے.....؟

(۳).....حاسد انسان کو چاہئے کہ وہ خود اپنے سے بلند مقام ومرتبہ اور زیادہ حیثیت یا مال ودولت رکھنے والوں کو دیکھ کر غمگین، پریشان اور بیمار ہونے اور بس ہمیشہ کڑھتے رہنے کی بجائے ان لوگوں کو دیکھا کرے جو مال ودولت اور مقام ومرتبے میں اس سے کم حیثیت رکھتے ہوں، تاکہ ان کے مسائل، پریشانیوں اور دشواریوں کا نظارہ ومشاہدہ کرکے اسے خود اپنے پاس موجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی توفیق ہو، اس طرح اسے احساسِ محرومی اور ذہنی کرب واذیت سے نجات، نیز روحانی مسرت وآسودگی حاصل ہوگی، جیسے کہ ایک شخص اپنا جوتا گم ہوجانے پر غمگین اور پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جو اپنی ٹانگوں سے ہی محروم تھا، تب اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جوتا گم ہوگیا تو کوئی بات نہیں، الحمدللہ ٹانگیں تو صحیح سلامت ہیں۔

(۴).....حاسد کو چاہئے کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر افسردہ وغمگین ہونے اور اس کے زوال کی تمنا کرنے کی بجائے اسی جیسی نعمت اللہ سے اپنے لئے بھی طلب کرے، اللہ کے خزانے میں کوئی کمی تو نہیں ہے، اگر وہ چیز اللہ کے علم میں اس کیلئے بہتر اور مفید ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے بھی عطاء فرمادیں گے، ورنہ یہ کہ اللہ کے ہر کام میں یقیناً حکمت ومصلحت پوشیدہ ہے، ہر بندے کی بہتری اور اس کے نفع ونقصان کے بارے میں خود بندے سے بھی بڑھ کر اللہ کو علم ہے، کیونکہ بندوں کا علم ناقص اور اللہ کا علم کامل ہے،، لہٰذا بندے کیلئے اپنی کسی پسندیدہ چیز سے دوری ومحرومی میں بھی درحقیقت اس کیلئے خالقِ کائنات اور علام الغیوب کی طرف سے یقیناً خود بندے کیلئے ہی کوئی خوبی وبہتری ہی مقصود ہے۔

(۵).....حاسد کو چاہئے کہ وہ کسی دوسرے کے پاس موجود کسی نعمت کو دیکھ کر افسردہ وغمگین ہونے اور حسد جیسی بدترین خصلت کا شکار ہوکر دنیا وآخرت کی بربادی مول لینے کی بجائے

خود اپنے اندر بھی وہی عمدہ اوصاف' نیز محنت ومشقت کا جذبہ' طلبِ صادق' سچی لگن اور تڑپ پیدا کرے کہ جس کی بدولت اُس محسود کو یہ مقام ومرتبہ' یہ ترقی اور یہ نعمتیں نصیب ہوئی ہیں۔

جس طرح قابیل نے جب ہابیل کو قتل کی دھمکی دی تو جواب میں ہابیل نے کہا کہ: ﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (۱) یعنی: (بیشک! اللہ تو پرہیزگاروں سے ہی قبول فرماتا ہے)۔

مقصد یہ کہ قابیل کی طرف سے قتل کی دھمکی کے جواب میں ہابیل نے اسے یوں کہا کہ تم مجھ سے حسد کرنے اور اس کے نتیجہ میں مجھے قتل کر دینے کی بجائے وہی خوبی یعنی تقویٰ' پرہیزگاری اور للّٰہیت اپناؤ کہ جس کی بدولت مجھے یہ مقام ومرتبہ حاصل ہوا ہے۔(۲)

☆..... مذکورہ بالا تمام باتیں تو حاسد سے متعلق تھیں کہ وہ اس مکروہ ترین عادت اور قبیح ترین خصلت سے بچنے کیلئے کیا تدابیر اختیار کرے۔

☆ حاسد کے شر سے کس طرح بچا جائے؟

جہاں تک محسود کا تعلق ہے کہ اسے حاسد کے شر سے محفوظ ومأمون رہنے کیلئے کیا کرنا چاہئے؟ تو اس بارے میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ:

(۱).....تمام شرعی احکام وتعلیمات' نیز اسلامی اخلاق وآداب کی مکمل پابندی کی جائے۔

(۲).....سورۃ الاخلاص اور مُعوّذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس' نیز آیۃ الکرسی کی بکثرت تلاوت کا اہتمام والتزام کیا جائے۔

(۳).....جس شخص کے بارے میں اندیشہ ہو کہ اس کے مزاج میں حسد پایا جاتا ہے' بلاضرورت اس کے سامنے اپنے پاس موجود نعمتوں کا اظہار یا تذکرہ نہ کیا جائے۔

(۱) المائدۃ [۲۷] (۲) جیسا کہ اردو میں محاورہ مشہور ہے: ''محنت کر، حسد نہ کر''۔

(۴).....اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحت وتندرستی، عزت وشہرت، جاہ ومنصب، مال ودولت، یااورکسی بھی شکل میں جوبھی نعمت عطاء کررکھی ہو،اس پرفخر وغرور، تکبر، خودپسندی، دوسروں کے ساتھ بدسلوکی اوران کی تحقیروتذلیل کی بجائے حتیٰ الامکان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شکرگذاری واحسان مندی، نیزاس کے سامنے عجزوانکسار اوراس کی مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک کا راستہ اختیار کیا جائے۔

(۵).....اپنے اعزہ واحباب اورقرب وجوار میں مقیم افرادمیں سے ناداروں اورحاجت مندوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی اوراعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا جائے اورحتیٰ الامکان ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کیا جائے، نیزخلوصِ نیت کے ساتھ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطروقتاً فوقتاً ان کی مالی مدد واعانت بھی کی جائے، تاکہ ان کے دلوں میں احساسِ محرومی یاحسد کے جذبات پیدانہوسکیں، ان شاءاللہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ایسے شخص سے حسد، اوراس کی خوشحالی وآسودگی کے زوال کی آرزوکرنے کی بجائے اسے اپنامحسن اورخیرخواہ تصورکریں گے اوراس کیلئے مزیدخیروبرکت اورترقی وخوشحالی کی دعاء کرتے رہیں گے۔

زبان کی حفاظت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو پیدا فرمایا، اسے عدم سے وجود بخشا، اور پھر اپنے فضل وکرم سے اسے بیشمار نعمتوں سے نوازا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اِن تَعُدُّوا نِعمَتَ اللّٰہِ لَاتُحصُوھَا﴾ (۱) ترجمہ: (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کرسکو گے)

ابنِ آدم پر اس کے خالق ومالک اور منعم ومحسن کی طرف سے جو بیشمار احسانات وانعامات ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا احسان ''قوتِ گویائی'' ہے۔ یعنی خالقِ کائنات نے انسان کو زبان کی شکل میں ایک انتہائی گراں قدر نعمت عطاء فرمائی، اور پھر اس زبان کے ذریعے اسے بولنے کی قوت عطاء فرمائی، تاکہ وہ اپنا مدعیٰ بیان کرسکے اور مافی الضمیر کا اظہار کرسکے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآنَ خَلَقَ الاِنسَانَ عَلَّمَهُ البَیَانَ﴾ (۲) ترجمہ: (رحمٰن نے قرآن سکھایا، اسی نے انسان کو پیدا کیا، اور اسے بولنا سکھایا)

☆..... یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ فطری طور پر انسان کا مزاج یہ ہے کہ اس کے دل میں ہمیشہ اپنے محسن کیلئے انتہائی عزت واحترام کے جذبات موجزن رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا راستہ اختیار کرتا ہے، اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، بلکہ اسے اس کی نافرمانی کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی قیمتی چیز بطورِ تحفہ یا انعام دیتا ہے، تو تحفہ یا انعام وصول کرنے

(۱) ابراہیم [۳۴] نیز: النحل [۱۸] (۲) الرحمٰن [۱-۴]

والے اس شخص میں اگر حیاء ومروت ہوتو اسے ضرور اس بات کا لحاظ اور احساس ہوگا کہ میں اپنے اس محسن کی دی ہوئی اس چیز کو اس کی مرضی ومنشاء کے خلاف استعمال نہ کروں، بلکہ ہمیشہ صرف اسی طریقے کے مطابق ہی استعمال کروں جو میرے منعم ومحسن کی خواہش اور اس کی مرضی، نیز اس کی طرف سے آمدہ تعلیمات وہدایات کے عین مطابق ہو۔

☆.....اس انسانی فطرت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس بارے میں بھی غور وفکر کیا جائے کہ جب انسان کیلئے یہ ''زبان'' اس کے خالق ومالک کی طرف سے بہت ہی بڑی نعمت اور احسانِ عظیم ہے، تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس نعمت کو صرف انہی طریقوں کے مطابق ہی استعمال کرے جو اس کے محسن کی مرضی ومنشاء اور اس کی طرف سے نازل شدہ ہدایات وتعلیمات کے مطابق ہوں، جن میں انسان کیلئے اپنے اس منعم ومحسن کی خوشنودی ورضامندی کا سامان ہو، نیز جن میں خود بولنے والے کیلئے، یا دوسروں کیلئے کسی فتنہ وفساد اور آفت ومصیبت کا اندیشہ نہو، بلکہ سب ہی کیلئے عافیت وسلامتی اور خیر وخوبی کا پیغام ہو۔

☆.....چنانچہ اس موضوع (یعنی: ''انسان کی گفتگو'') کی اسی نزاکت واہمیت کی بناء پر ہی قرآن وحدیث میں انسان کو جابجا ''زبان'' کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کے غلط استعمال سے مکمل اجتناب کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسناً﴾ (۱) ترجمہ: (لوگوں سے ہمیشہ خوش اسلوبی سے بات کیا کرو)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُل لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحسَنُ إِنَّ الشَّيطَانَ يَنزَغُ

(۱) البقرۃ [۸۳]

بَينَهُم اِنَّ الشَّيطَانَ كَانَ لِلاِنسَانِ عَدُوّاً مُّبِيناً) (۱) ترجمہ: (اورمیرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں' کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے، بیشک شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّهَ وَقُولُوا قَولاً سَدِيداً﴾ (۲) ترجمہ:(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور درست بات کہو)

یعنی انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ایسی درست' مناسب' اور سچی بات کہا کرے جس میں خود اس کیلئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی عافیت وسلامتی کا سامان ہو، اور ہر ایسی بات سے مکمل گریز کرے جس میں فتنہ وفساد' آفت ومصیبت' یا کسی بھی قسم کی پریشانی کا احتمال ہو۔

نیز ارشاد ہے:﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَولٍ اِلَّا لَدَيهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (۳) ترجمہ:(انسان منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے) یعنی انسان کی زبان سے ادا ہونے والا ہر ایک ایک لفظ اس کے نامۂ اعمال میں محفوظ کرنے کیلئے ہمہ وقت اس کے ہمراہ ایک فرشتہ مستعد وتیار رہتا ہے، لہٰذا انسان کیلئے ضروری ہے کہ اپنی زبان سے ایک ایک لفظ ادا کرتے وقت خوب غور وفکر کرے، اور اس کے ذہن میں ہمیشہ اپنی ہر ہر بات کے بارے میں اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس بیدار رہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَن كَان يُؤمِنُ بَاللّهِ وَاليُومِ الآخِرِ فَليَقُل خَيراً أو لِيصمُت) (۴) ترجمہ:(جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ [ہمیشہ] اچھی بات کہا کرے، ورنہ خاموش رہا کرے)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (اِنَّ العَبدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِن سَخَطِ اللّهِ لَا يُلقِي لَهَا بَالًا

(۱) الاسراء/بنی اسرائیل [۵۳] (۲) الاحزاب [۷۰] (۳) ق [۱۸] (۴) بخاری [۶۱۰] وغیرہ

يَهوِي بِهَا فِي جَهَنَّم) (۱) ترجمہ: (بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے، اگرچہ اس [انسان] کی نظر میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، مگر یہی بات اس کیلئے جہنم میں جا گرنے کا سبب بن جاتی ہے)

☆.....''زبان'' یا بالفاظِ دیگر انسان کی گفتگو کی اس قدر اہمیت اور اس کی نزاکت کے پیشِ نظر اس سلسلہ میں اسلامی آداب وتعلیمات کا علم وادراک اور اس بارے میں شعور وآگاہی ہر مسلمان کیلئے انتہائی ضروری ولازمی ہے۔ان آداب وتعلیمات کی رو سے انسان کیلئے اپنی زبان کے استعمال کے سلسلہ میں درجِ ذیل امور سے اجتناب کا مکمل اہتمام والتزام ضروری ولازمی ہے:

(۱) فضول گفتگو:

فضول اور بلاضرورت گفتگو ناپسندیدہ عادت اور مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی جن صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے ایک یہ صفت بھی ہے کہ: ﴿وَالَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور وہ فضول اور بیہودہ کاموں سے منہ موڑے رکھتے ہیں) اس آیت میں ''لغو'' کے معنیٰ ومفہوم میں یقیناً فضول گفتگو بھی شامل ہے، لہٰذا فضول گفتگو سے اجتناب ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم اور یہی تقاضا ہے: (مِن حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ تَركُهُ مَالَايَعنِيهِ) (۳) ترجمہ: (انسان کیلئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو)۔

(۱) بخاری [۶۱۱۳] (۲) المؤمنون [۳] (۳) ترمذی [۲۳۱۷] احمد [۱۷۳۲] ابن حبان [۲۲۹]

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (لَاتُكثِرُوا الكَلَامَ بِغَيرِ ذِكرِ اللّٰهِ تَعَالىٰ، فَإِنَّ كَثرَةَ الكَلَامِ بِغَيرِ ذِكرِ اللّٰهِ تَعَالىٰ قَسوَةٌ لِلقَلبِ، وَإِنَّ أَبعَدَ النَّاسِ مِن رَحمَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ : القَلبُ القَاسِي) (۱) ترجمہ: (اللہ کے ذکر کے سوا دوسری باتیں ضرورت سے زیادہ نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر کے سوا کثرتِ کلام سے دل سخت ہوجاتا ہے، اور اللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور اور محروم وہی شخص رہتا ہے جس کا دل سخت ہو)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: مَا النَّجَاة؟ یعنی (ہر قسم کی آفتوں اور پریشانیوں سے) سلامتی ونجات حاصل کرنے کیلئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: (أَمسِك عَلَيكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيتُك، وَابْكِ عَلىٰ خَطِيئَتِك) (۲) ترجمہ: (اپنی زبان کو سنبھال کر رکھو، تمہیں تمہارا گھر کافی ہوجائے (۳) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو) (۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (المُسلِمُ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ) (۵) ترجمہ: (مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں)

بسیار گوئی یعنی زیادہ بولنا انسان کی ناپختگی وناسمجھی کی دلیل ہے، جبکہ اس کے برعکس خاموشی

(۱) ترمذی [۲۴۱۱] (۲) ترمذی [۲۴۰۶] باب ماجاء فی حفظ اللسان۔

(۳) یعنی بلاضرورت اپنے گھر سے باہر گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتے رہنے سے پرہیز کیا جائے۔ نیز اس کا یہ معنیٰ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو چھوٹا بڑا قیمتی یا معمولی جیسا بھی گھر نصیب ہو وہ اسی پر راضی وقانع رہے اور دوسروں کے گھروں کی طرف نہ دیکھا کرے۔

(۴) یعنی گناہوں سے بچنے کی کوشش کے باوجود اگر فطری انسانی کمزوری کے باعث کبھی کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر خوش ہونے یا اس پر اصرار کی بجائے جلد از جلد خلوصِ دل کے ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام کیا جائے۔

(۵) بخاری [۱۰] باب من سلم المسلمون من لسانہٖ ویدہٖ۔ نیز: مسلم [۴۱]

اور کم گوئی یقیناً عقلمندی وسمجھداری کی نشانی ہے۔

مثال مشہور ہے: اِذا تَمّ عقلُ المَرءِ نَقَصَ کَلَامُہٗ یعنی: ''انسان کی عقل جب پختہ ہوجاتی ہے تو اس کی گفتگو کم ہوجاتی ہے''۔ نیز مثال مشہور ہے: مَن سَکَتَ سَلِمَ، وَمَن سَلِمَ نَجیٰ یعنی: ''جو شخص خاموش رہا وہی سلامت رہا' اور جو سلامت رہا اسی نے نجات پائی''۔ نیز: اِذا کَانَ الکَلَامُ مِن الفِضَّۃِ فَالسُّکُوتُ مِنَ الذَّھَبِ یعنی: ''انسان کی گفتگو اگر چاندی کی طرح قیمتی ہے' تو اس کی خاموشی یقیناً سونے کی طرح قیمتی ہے''۔

لہٰذا ''کثرتِ کلام'' یعنی فضول اور بلاضرورت گفتگو سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ یہ عادت انسان کیلئے کسی بھی وقت کسی بڑی آفت ومصیبت کا سبب بن سکتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس کم گوئی میں انسان کیلئے عافیت وسلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ کسی کا شعر ہے:

ایک خاموشی سے ٹلتی ہیں ہزاروں مشکلات
جو رہا خاموش' سمجھو مل گئی اس کو نجات

جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر کسی صورت واپس نہیں آسکتا' بندوق سے نکلی ہوئی گولی واپس نہیں ہوسکتی' بعینہٖ اسی طرح جو بات ایک بار زبان سے نکل گئی وہ کسی صورت واپس نہیں آسکتی۔ لہٰذا انسان کیلئے یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھی لفظ ادا کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ لیا کرے، جیسا کہ اردو میں محاورہ مشہور ہے: ''پہلے سوچو، پھر تولو، پھر بولو''۔ نیز کسی دانشمند کا قول ہے کہ: ''اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو' مگر زبان بند رکھو''۔ شاعر کہتا ہے:

مَا اِن نَدِمتُ علَیٰ سُکُوتِي مَرَّۃً وَلَقَد نَدِمتُ عَلَیٰ الکَلَامِ مِرَارَا

یعنی آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مجھے اپنی ''خاموشی'' پر افسوس ہوا ہو، البتہ زندگی میں ایسے

مواقع بارہا آئے کہ جب مجھے اپنے ''بولنے'' پر انتہائی ندامت اور حسرت کا سامنا کرنا پڑا۔

نیز کسی کا شعر ہے:

اِحْفَظْ لِسَانَكَ أَيُّهَا الاِنسَانُ لَا يَلدَغَنَّكَ هٰذا الثُّعبَانُ

ترجمہ: (اے انسان! اپنی زبان کو خوب سنبھال کر اور احتیاط کے ساتھ استعمال کیا کرو، تا کہ کسی روز یہ ''سانپ'' تمہیں ڈس نہ لے۔

نیز کسی کا شعر ہے:

يَمُوتُ الفَتَىٰ مِن عَثرَةٍ بِلِسَانِهٖ وَلَيسَ يَمُوتُ المَرءُ مِن عَثرَةِ الرِّجلِ

ترجمہ: (بعض اوقات کوئی نوجوان شخص ٹھوکر لگنے کی وجہ سے موت کے منہ میں جا پہنچتا ہے۔ حالانکہ وہ ٹھوکر اسے پاؤں سے نہیں، بلکہ زبان سے لگی ہوتی ہے (یعنی انسان کیلئے پاؤں میں لگنے والی ٹھوکر کی بنسبت زبان کی ٹھوکر بہت زیادہ خطرناک، مہلک، اور جان لیوا ثابت ہوا کرتی ہے)۔

لہٰذا جس کسی کو دنیا وآخرت میں عافیت اور سلامتی ونجات مطلوب ہو اس کیلئے فضول گفتگو سے بہر صورت اجتناب اور مکمل گریز انتہائی ضروری ہے۔

(۲) کثرتِ مزاح:

''کثرتِ مزاح''، یعنی باہمی ہنسی مذاق اگر معقول حد کے اندر ہو تو یقیناً اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بعض اوقات تو کسی کی دلجوئی کیلئے ہنسی مذاق مطلوب ومحمود ہے، البتہ اس موقع پر شرعی آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ ہنسی مذاق میں بھی مبالغہ آمیزی اور دروغ گوئی سے اجتناب کیا جائے، نیز ایسی بات سے گریز کیا جائے جس میں کسی کی دل آزاری کا اندیشہ ہو۔ جبکہ اگر ہنسی مذاق کے موقع پر ان شرعی آداب کو پسِ پشت ڈال دیا جائے، یا

''حدِ اعتدال'' کوملحوظ نہ رکھا جائے تو یقیناً ایسی ہنسی مذاق سے اجتناب ضروری ہے، کیونکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ حیادار اور باوقار ہو، جبکہ ضرورت سے زیادہ ہنسی مذاق یقیناً وقار کے منافی ہے۔

نیز ضرورت سے زیادہ اور بے موقع ہنسی مذاق میں بعض اوقات زبان سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ متکلم کو اس کی اہمیت ونزاکت کا احساس نہیں ہوتا، لیکن وہی بات مخاطب کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہوجاتی ہے.....! اور پھر تعلقات میں خوشگواری کی بجائے تلخی وکشیدگی کا عنصر نمایاں ہونے لگتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

جِراحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الالتِيَامُ وَلايَلتَامُ مَا جَرَح اللِّسَانُ

یعنی: ''نیزوں کے زخم تو کبھی نہ کبھی بھر ہی جاتے ہیں، لیکن زبان کے زخم کبھی نہیں بھرتے، بلکہ ہمیشہ تازہ ہی رہتے ہیں.....''۔

نیز مثال مشہور ہے: لكلّ شئ بَذر، وبَذر العَدَاوة : المِزاح یعنی: ''ہر چیز کا ایک بیج ہوا کرتا ہے، اور باہمی نفرت وعداوت کا بیج ضرورت سے زیادہ ہنسی مذاق ہے''۔

چنانچہ مشاہدہ یہی ہے کہ بسا اوقات محض باہمی ہنسی مذاق میں اور بس کھیل ہی کھیل میں کسی کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے اچانک صورتِ حال یکسر تبدیل ہوجاتی ہے، قہقہوں اور مسکراہٹوں سے بھرپور محفل دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ کارزار کا نقشہ پیش کرنے لگتی ہے۔

لہٰذا ''کثرتِ مزاح''، یعنی ضرورت سے زیادہ فضول ہنسی مذاق سے اجتناب ضروری ہے۔ بلکہ یہ بات تو خاص طور پر ذہن نشیں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جس کسی کے ساتھ جس قدر نازک اور حساس نوعیت کے تعلقات ہوں، اس کے ساتھ فضول ہنسی مذاق سے اسی قدر

گریز ضروری ہے، تاکہ ان حساس اور نازک تعلقات میں کبھی کسی ناگواری یا تلخی کا کوئی عنصر شامل نہونے پائے۔

(۳) جھوٹ: (۱)

یقیناً ''سچ'' ہر فضیلت کا منبع اور ہر خیر وخوبی کا سرچشمہ ہے، جبکہ اس کے برعکس جھوٹ ہر خرابی کی اصل اور ہر برائی کی جڑ ہے۔ جھوٹ کی قباحت وشناعت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں ''صدق'' کے بالمقابل ''نفاق'' کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح وثابت ہوتی ہے کہ ''صدق'' ایمان کی علامت' دنیاوآخرت میں سعادت مندی اور صلاح وفلاح کا سبب ہے۔ جبکہ ''جھوٹ'' کفر ونفاق کی علامت اور دنیاوآخرت میں بربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ اِن شَاءَ أو يَتُوبَ عَلَيهِم اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً﴾ (۲) ترجمہ: (تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے' اور منافقوں کو اگر چاہے تو سزا دے' یا ان کی توبہ قبول فرمائے' یقیناً اللہ تو بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے)

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار منافق کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: (آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَاِذَا وَعَدَ أخلَفَ ، وَاِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ) (۳)

ترجمہ: (منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے گا جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کریگا تو

(۱) ''جھوٹ'' کی قباحت وشناعت کے بارے میں مزید تفصیل ''صدق'' کی فضیلت واہمیت کے بیان میں صفحہ: ۲۱ پر ملاحظہ ہو۔ (۲) الاحزاب [۲۴]

(۳) بخاری [۳۳] باب ظلم دون ظلم، نیز بخاری: [۲۵۳۶] [۲۵۹۸] [۵۷۴۴]۔ مسلم [۵۹] باب بیان خصال المنافق۔ ترمذی [۲۶۳۱] باب ماجاء فی علامۃ المنافق۔ احمد [۸۶۷۰]

وعدہ خلافی کرے گا،اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے گی تو اس میں خیانت کرے گا)۔

(۴)غیبت:

''غیبت'' سے مراد ہے: ''کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جو اسے ناگوار محسوس ہو''۔ (۱)

یہاں یہ حقیقت ہمیشہ ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ فطری طور پر انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ اس بات کو قطعاً قبول نہیں کرتا کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہی جائے۔

نیز یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جب بھی کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کوئی نامناسب بات کہی جاتی ہے تو قانونِ قدرت یہی ہے کہ آج یا کل، جلد یا بدیر، کبھی نہ کبھی یہ بات ضرور اُس شخص تک پہنچ کر ہی رہیگی،اوراس وقت اس بات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوچکی ہوں گی، کہنے والے نے معمولی سی کوئی بات کہی،اور پہنچانے والے نے خوب بڑھا چڑھا کر بات پہنچائی، کہنے والے نے ہلکے پھلکے انداز میں کچھ کہا،مگر پہنچانے والے کا انداز یقیناً مختلف ہوگا، کہنے والے کی نیت میں شاید کوئی فساد نہو،جبکہ پہنچانے والا کسی اور نیت سے یہ بات پہنچائیگا..... اور پھر صورتِ حال بہت نازک اور خطرناک ہوجائیگی، بڑے مسائل پیدا ہوں گے،رنجشوں اور تلخیوں کا ایک طوفان برپا ہوجائیگا، باہمی تعلقات میں خوشگواری کی بجائے تلخی وبدمزگی کی آمیزش ہوجائیگی،محبتیں نفرتوں میں بدل

(۱)ملاحظہ ہو حدیث:أتدرون ماالغيبة؟ قالوا: اللّٰه ورسولهٗ أعلم، قال ﷺ : ذكركَ أخاك بما يكره..... (مسلم:۲۵۸۹) باب استحباب العفووالتواضع ۔

جائینگی،طبیعتوں میں بدمزاجی وکدورت آجائیگی،انسانی رشتوں کی عمارت منہدم ہونے لگے گی......!!

اورپھرنتیجہ کیاہوگا؟صحت کی خرابی،سکون واطمینان کافقدان،اوربالآخردنیاوآخرت کی بربادی......!!

لہٰذااس بارے میں اسلامی تعلیمات' نیزحکمت ودانشمندی کاتقاضایہی ہے کہ اگرکسی کوکسی کی کوئی بات' یااس میں موجودکوئی عادت یااس کی کوئی حرکت ناپسندہوتوکسی تیسرے شخص کے سامنے اس بارے میں کسی قسم کے تذکرہ یاتبصرہ کی بجائے براہِ راست خوداسی سے اس بارے میں گفتگوکرلی جائے،اورگفتگوکرتے وقت اندازخالصۃً ناصحانہ ہو،ہمدردی اور خلوص نمایاں ہو،تحقیروتذلیل مقصودنہو،جس طرح معالج اپنے مریض کے ساتھ مکمل ہمدردی ومحبت اورشفقت وخلوص کااظہارکرتاہے،اس کی تحقیروتذلیل نہیں کرتا،اس کے علاج کے سلسلہ میں اس سے حاصل شدہ معلومات یااس کے رازوں کی تشہیرنہیں کرتا......!

نیزجس طرح والدین اپنے کسی بچے میں موجودکسی اخلاقی عیب کی وجہ سے اسے محلے میں یاخاندان اوربرادری والوں کے سامنے رسوااوربدنام نہیں کرتے، بلکہ وہ تواس کی پردہ پوشی کی ہرممکن کوشش کرتے ہیں اورانتہائی محبت وخلوص اورشفقت وہمدردی کے ساتھ اس کی اصلاح کی فکروجستجومیں مشغول رہتے ہیں۔بعینہٖ اسی طرح کسی بھی مسلمان میں موجودکسی عیب' یااس کی کسی ناپسندیدہ عادت یاحرکت پراس کی تحقیروتذلیل اوردوسروں کے سامنے اس کی تشہیرکی بجائے اسے براہِ راست خلوت میں مناسب طریقہ سے تنبیہ کردی جائے،اندازناصحانہ ہو' ناقدانہ نہو۔اس طرح باہمی تعلقات میں کوئی خرابی وبدمزگی پیدانہیں ہوگی،نہ ہی کسی رنجش یاتلخی کااندیشہ رہے گا،ارشادِربانی:﴿أُدعُ اِلیٰ سَبِیلِ

رَبِّكَ بِالحِكمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ﴾ (۱) (یعنی:''اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے'') سے مطابقت بھی ہوجائیگی، فریضۂ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کی ادائیگی' نیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل بھی ہوجائیگی:(مَن سَتَرَ مُسلِماً سَتَرَهُ اللّهُ يَومَ القِيَامَةِ) (۲) ترجمہ:(جس نے[دنیامیں] کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی' اللہ تعالیٰ[قیامت کے روز]اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے)۔

اس معاملہ کی اس قدر اہمیت ونزاکت' یا بالفاظِ دیگر''غیبت'' کی اس قدر قباحت وشناعت اوراس کے بیشمار مفاسداور بدترین نتائج کی وجہ سے ہی قرآن وحدیث میں اس سے مکمل اجتناب کی نہایت ہی سختی کے ساتھ تاکید کی گئی ہےاوراس کے انجامِ بد سے ڈرایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَلَا يَغتَب بَعضُكُم بَعضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُم أَن يَّأكُلَ لَحمَ أَخِيهِ مَيتاً فَكَرِهتُمُوهُ.....﴾ (۳) ترجمہ:(اورتم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیاتم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاناپسند کرتا ہے؟تم کواس سے گھن ہی آئے گی.....)

یعنی قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے غیبت کرنے والے کواس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جواپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔حالانکہ فطرتِ سلیمہ کا تقاضا تو یقیناً یہی ہے کہ فوت شدہ بھائی کی مناسب طریقہ سے تجہیز وتکفین کے بعداسے جلداز جلد مکمل عزت واحترام کے ساتھ اس کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچادیا جائے، تاکہ اس کی لاش کسی بھی قسم

(۱)النحل[۱۲۵]

(۲)بخاری[۲۳۱۰]مسلم[۲۵۸۰]بعض روایات میں: سَتَرَهُ اللّه في الدنيا والآخرة کے الفاظ ہیں۔

(۳)الحجرات[۱۲]

کی بے حرمتی سے محفوظ وسلامت رہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر کوئی شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کردے تو یقیناً یہ انتہائی بے حسی، سفاکی، اور سنگدلی کا مظاہرہ ہوگا۔ یعنی اسی طرح ''غیبت'' کرنے والا شخص بھی اللہ کی نظر میں گویا کہ اپنے بھائیوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھانے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے، اور اس طرح وہ اپنی بے حسی اور سنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے والا انسان انتہائی بے حس اور سنگدل ہونے کے علاوہ مزید یہ کہ ''بزدل'' بھی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں ہمت وشجاعت ہوتی تو یقیناً وہ اپنے مردہ بھائی کی بجائے کسی زندہ انسان کا گوشت کھا کر دکھاتا، اور تب وہ زندہ انسان اپنا دفاع کرتا، اپنی حفاظت کا انتظام کرتا، بلکہ شاید کوئی مناسب جوابی کارروائی بھی کرتا.....لیکن اسے کسی زندہ انسان کا گوشت کھانے کی جرأت تو ہوئی نہیں، اسی لئے مردہ کا گوشت نوچ رہا ہے، اس سے بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص اس انتہائی مکروہ ومذموم اور قبیح ترین حرکت (یعنی مردہ بھائی کا گوشت کھانے) کے علاوہ مزید قابلِ ملامت ومذمت اس لئے بھی ہے کہ اس میں ایک اور بری صفت بھی موجود ہے، اور وہ ہے: ''بزدلی''۔ یعنی اسی طرح ''غیبت'' میں مبتلا شخص بھی مزید قابلِ ملامت ومذمت اس لئے بھی ہے کہ وہ ''بزدل'' بھی ہے۔ کیونکہ اگر وہ بہادر ہوتا اور اس میں ہمت وشجاعت ہوتی تو کسی کے بارے میں پیٹھ پیچھے باتیں بنانے کی بجائے اس کی موجودگی میں اور اس کے سامنے بات کرتا، اور تب وہ اپنی حفاظت کا کوئی انتظام کرتا، کوئی صفائی پیش کرتا، حاضرین کے سامنے درست اور اصل حقیقتِ حال واضح کرتا، بلکہ شاید وہ اس کے خلاف کوئی مناسب جوابی کارروائی بھی کرتا.....یہی اس آیت کا مفہوم ہے۔

غیبت کے مرتکب شخص کی خسّت ودنائت' نیز آخرت میں اس کیلئے انجامِ بداور عبرتناک سزا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو: (لَمّا عُرِجَ بِي مَرَرتُ بأقوَامٍ لَهُم أظفَارٌ مِن نُحَاسٍ يَخمِشُونَ وُجُوهَهُم وَصُدُورَهُم ، فَقُلتُ مَن هٰؤلَاءِ يَا جِبرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤلَاءِ الَّذِينَ يأكُلُونَ لُحُومَ النّاسِ وَيَقَعُونَ فِي أعرَاضِهِم) (۱) ترجمہ: (معراج کے موقع پر میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے ناخن تانبے کے تھے' جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے، میں نے کہا کہ: ''اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ [جبریل نے] کہا کہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں'') (۲)

☆..... یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ جب کوئی شخص کسی کے سامنے کسی کی غیبت کرتا ہے تو عموماً ہر سلیم الطبع انسان اس غیبت کرنے والے کے بارے میں فوراً ہی یہ رائے قائم کرلیتا ہے کہ یقیناً یہ شخص حاسد' کینہ پرور' کم ظرف' سازشی اور تنگدل قسم کا انسان ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا شخص خود ہی مخاطب کی نظروں سے گر جاتا ہے اور اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے۔

کہہ رہا تھا شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے' اتنا ہی وہ خاموش ہے

لہٰذا جس کسی کو اپنی عزت وآبرو کا کچھ احساس ہو' اسے چاہئے کہ دوسروں کے سامنے کسی کی غیبت کرکے خود اپنے آپ کو ذلیل ورسوا نہ کرے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت وآبرو کی

(۱) احمد [۱۳۳۶۴]۔ ابوداؤد [۴۸۷۸] باب فی الغیبۃ۔ (۲) یعنی لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور اس طرح ان کی عزتیں پامال کیا کرتے ہیں۔ غور طلب بات ہے کہ سورۃ الحجرات میں وارد مضمون کی طرح یہاں اس حدیث میں بھی غیبت کرنے والے کو انسانوں کا گوشت کھانے والے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

بربادی کا سامان نہ کرے۔ کیونکہ دولت، صحت وغیرہ، غرضیکہ دنیا کی ہرنعمت چھن جانے کے بعد دوبارہ مل سکتی ہے۔لیکن عزت وہ واحد چیز ہے جوایک بارختم ہوجانے کے بعد دوبارہ کبھی نہیں مل سکتی۔مثال مشہور ہے کہ: ''پہاڑ سے گرنے کے بعدانسان دوبارہ اٹھ سکتا ہے،لیکن نظروں سے گرنے کے بعد دوبارہ کبھی نہیں اٹھ سکتا''۔

☆.....البتہ اہلِ علم کے بقول بعض صورتوں میں ''غیبت'' کی اجازت ہے۔اس سلسلہ میں اگرچہ اہلِ علم نے کافی تفصیل بیان کی ہے(۱) تاہم مختصر تذکرہ درجِ ذیل ہے:

(الف): جب کسی انسان کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی یا کسی قسم کی حق تلفی ہوئی ہو، وہ حصولِ انصاف کی غرض سے کسی ایسے شخص کے سامنے ظالم کے بارے میں شکوہ وشکایت کرے کہ جس سے اسے یہ امید ہو کہ یہ شخص میری دادرسی کرسکتا ہے، اور مجھے انصاف دلاسکتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الجَهرَ بِالسُّوءِ مِنَ القَولِ اِلَّا مَن ظُلِمَ﴾ (۲)

ترجمہ: (برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، مگر مظلوم کو اجازت ہے)۔

(ب): کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی تعلق یا رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے، مثلاً ازدواجی رشتہ، کاروباری شراکت، یا لین دین، یا کسی بھی قسم کا کوئی معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور اس بارے میں تحقیق وجستجو کے طور پر اور اپنی تسلی واطمینان کی غرض سے اس نے کسی سے مشورہ طلب کیا، اور جس سے مشورہ طلب کیا گیا ہے وہ اس حقیقت سے خوب واقف ہو کہ جس کسی کے بارے میں مشورہ طلب کیا گیا ہے وہ اچھا انسان نہیں ہے، لہٰذا یہ رشتہ یا تعلق کسی صورت مناسب نہیں ہے اور اس میں مشورہ طلب کرنے والے شخص کیلئے سراسر خسارے اور بربادی

(۱) تفصیل کیلئے ریاض الصالحین میں ''باب مایُباح من الغیبۃ'' (باب ۲۵۶) ملاحظہ ہو۔ (۲) النساء [۱۴۸]

کا قوی امکان ہے۔ایسے میں اس شخص کو چاہئے کہ مشورہ طلب کرنے والے کو دینی یا دنیوی خسارے اور بربادی سے بچانے کی غرض سے مکمل ایمانداری کے ساتھ درست اور صحیح مشورہ دے اور اپنی دانست کے مطابق اسے اصل اور حقیقی صورتِ حال سے آگاہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(اَلمُستَشَارُ مُؤتَمَن) (۱) یعنی:''جس کسی سے مشورہ طلب کیا جائے وہ[اس چیز کو اپنے ذمے امانت تصور کرتے ہوئے]مکمل ایمان داری کے ساتھ مشورہ دے''۔

(ج): کسی بچے کی اصلاح کی غرض سے اس کے والدین سے اس کی شکایت کرنا' تاکہ والدین بروقت کوئی تادیبی کارروائی یا مناسب اقدام کرسکیں۔

(د): بعض اہلِ علم کے بقول ایسے فاسق وفاجر افراد کی غیبت بھی مباح ہے کہ جن کا فسق وفجور ظاہر ومعروف ہو،جنہیں اپنے فسق وفجور پر شرمندگی وندامت کی بجائے فخر اور ناز ہو، اور وہ اپنے فسق وفجور کو مخفی وپوشیدہ رکھنے کی کوشش کی بجائے خود ہی اس کا اعلان وبیان اور تشہیر کرتے پھرتے ہوں.....!

البتہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی لغویات وخرافات سے بہرحال اجتناب ہی کیا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ:﴿وَالَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ﴾ (۲) (یعنی:''اور وہ فضول اور بیہودہ کاموں سے منہ موڑے رکھتے ہیں) نیز ارشادِ نبوی ﷺ:(مِن حُسنِ اِسلَامِ المَرءِ تَركُهٗ مَالَايَعنِيهِ) (۳)(یعنی:''انسان کیلئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہو'') کا بھی یہی تقاضا ہے۔

(۱) ترمذی[۲۸۲۲] (۲)المؤمنون[۳] (۳) ترمذی[۲۳۱۷]احمد[۱۷۳۲]

(۵) نمیمہ:

''نمیمہ'' سے مراد ہے: ''چغلی''، یعنی لوگوں کے دلوں میں باہم منافرت، تفریق، عداوت، اور بغض وکینہ جیسے خطرناک ومہلک ترین جذبات پیدا کرنے اور انہیں آپس میں لڑانے کی غرض سے اِدھر اُدھر باتیں پہنچانا، جسے اردو میں عام طور پر ''لگائی بجھائی کرنا'' کہا جاتا ہے۔
اس قبیح ترین حرکت کی وجہ سے معاشرے میں باہمی محبت والفت اور ایک دوسرے کیلئے عزت واحترام اور نیک جذبات کی بجائے دلوں میں کینہ، بغض وعداوت، اور نفرتوں کی چنگاریاں سلگنے لگتی ہیں، جس کے نتیجے میں قربتیں دوریوں میں بدل جاتی ہیں، رشتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، اور خاندان ٹوٹنے اور بکھرنے لگتے ہیں۔
چونکہ یہ قبیح عادت انسانی معاشرے کیلئے انتہائی مضر ہے اور اس کے نقصانات بیشمار ہیں، اسی لئے اسلام میں اس سے باز رہنے کی حد درجہ تاکید وتلقین کی گئی ہے، بلکہ اس قبیح حرکت کے مرتکب انسان کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ''عذابِ قبر'' کی خبر دی گئی ہے۔

حدیث ملاحظہ ہو:

☆عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: (مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلىٰ قَبرَينِ فَقَالَ : اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِير ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَا الآخَرُ فَكَانَ لَايَستَنزِهُ مِن بَولِهِ) (۱)

ترجمہ: (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دو قبروں کے قریب سے جب گذرے تو آپؐ نے فرمایا: (اس وقت یہ دونوں قبروں والے عذاب میں مبتلا ہیں، حالانکہ جس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں وہ [بظاہر] کوئی خاص بہت بڑی وجہ

(۱) بخاری [۲۱۵] [۱۲۹۵] وغیرہ۔

نہیں ہے، ان میں سے ایک شخص تو [اس لئے عذاب میں مبتلا ہے کہ] چغلیاں کیا کرتا تھا، جبکہ دوسرا شخص پیشاب سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا)(۱) (۲)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ : المَشَّاؤونَ بِالنَّمِيمَةِ ، المُفَرِّقُونَ بَينَ الأَحِبَّةِ ، البَاغُونَ لِلبُرَءَاءِ العَنَتَ) (۳) ترجمہ:(اللہ کے تمام بندوں میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہ [لوگوں کے درمیان] چغلیاں کرتے پھرتے ہیں، باہم محبت کرنے والوں میں جدائی اور دوریاں پیدا کرتے ہیں، اور بیگناہوں پر جھوٹا الزام لگانے کیلئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں)۔

☆..... اس سلسلہ میں مزید یہ بات بھی یادرکھنے کی اشدضرورت ہے کہ کسی کی زبانی دوسروں کی چغلی یاغیبت سُن کرخوش ہونے یااسے محض کھیل تماشایاتفریحِ طبع کاذریعہ سمجھنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہی شخص جوآج ہمارے سامنے دوسروں کے عیوب بیان کررہاہے کل ضرور بضرور دوسروں کے سامنے ہمارے عیوب بھی بیان کریگا۔مثال مشہورہے: مَن نَمّ لَكَ نَمّ عَلَيكَ یعنی تمہارے سامنے دوسروں کی چغلی کرنے والا یہاں سے اُٹھکر جب کسی دوسری محفل میں جائیگا تو یقیناً وہاں تمہاری چغلیاں کرے گا۔

(۱)اس حدیث میں کسی روایت میں: لایستنزہ اور کسی میں: لایستبرئ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔جبکہ ایک اورروایت میں: لایستتر کے الفاظ ہیں، جوکہ ''ستر'' سے ہے،یعنی وہ شخص پیشاب کرتے وقت لوگوں کی نگاہوں سے چھپنے کا اہتمام نہیں کیا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو: دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین۔از:محمد بن علان الصدیق الشافعی۔ج:۸۔ص:۲۹۔باب تحریم النمیمہ۔

(۲) یعنی وہ کوئی ایسی بہت بڑی مشکل بات نہیں تھی کہ جس سے بچنا ان دونوں کیلئے بہت مشکل کام تھا، بلکہ وہ تو بہت ہی معمولی اور آسان سی بات تھی کہ اگر یہ اس سے بچنا چاہتے تو بسہولت بچ سکتے تھے،مگرانہوں نے اس سے بچنے کی فکراور کوشش ہی نہیں کی، جس کے نتیجہ میں اب یہ دونوں اپنی اپنی قبر میں بڑے عذاب میں مبتلا ہیں۔

(۳)احمد[۱۸۰۲۷]

ہر کہ عیبِ دگراں پیشِ تو آورد وشمرد بے گماں عیبِ تو پیشِ دگراں خواہد برد

☆..... یہاں ضمناً یہ تذکرہ بھی مناسب رہیگا کہ دراصل اسلام میں جسمانی وروحانی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک وصاف رہنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔جیسا کہ اس حدیثِ مذکور میں ان دونوں افراد میں سے ایک کے بارے میں عذابِ قبر میں مبتلا ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی کہ وہ ظاہری اور جسمانی طہارت وصفائی کا اہتمام نہیں کرتا تھا، جبکہ دوسرے شخص کے بارے میں وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ روحانی یا اندرونی نجاست میں مبتلا تھا۔لہٰذا مسلمان کیلئے ظاہری وباطنی ہر قسم کی نجاست سے پاکیزگی وصفائی کا اہتمام والتزام اور فکر وجستجو ضروری ولازمی ہے۔یہی مضمون اس ارشادِ ربانی کا بھی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِینَ﴾ (۱) ترجمہ:(یقیناً اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پاک وصاف رہنے والوں کو)۔

بلکہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ بعثت کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ایک اہم ترین مقصد ''تزکیہ'' بھی بیان کیا گیا ہے۔(۲)

لہٰذا جس کسی کو دنیا وآخرت میں عافیت اور سلامتی ونجات مطلوب ہو اس کیلئے ہر قسم کی فضول اور لغو گفتگو سے بہر صورت اجتناب اور مکمل گریز انتہائی ضروری ہے۔

(۶) طعن وتشنیع:

مسلمان کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ دوسروں پر لعن طعن کرنا' ان کا مذاق اڑانا، انہیں تماشا بنانا' ان کی عزت وآبرو کو پامال کرنا' اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ سب انتہائی مکروہ

(۱) البقرۃ[۲۲۲]

(۲) ﴿لَقَد مَنَّ اللّٰهُ عَلیٰ المُؤمِنِینَ ..... وَیُزَکِّیهِم .....﴾ آل عمران[۱۶۴]

اور قبیح ترین عادات ہیں۔

حجۃ الوداع کے یادگار موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اہلِ ایمان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (انّ دِمَاءَ كُم وأموالَكُم وأعرَاضَكُم حَرَامٌ عَلَيكُم كَحُرمَةِ يَومِكُم هذا ، فِي بَلَدِكُم هذا ، وفِي شَهرِكُم هذا) (۱) ترجمہ: ''تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری عزت وآبرو باہم ایک دوسرے کیلئے اسی طرح قابلِ احترام ہے کہ جس طرح یہ آج کا دن، یہ جگہ، اور یہ مہینہ قابلِ احترام ہے)

مقصد یہ کہ ہر مسلمان کے دل میں جس طرح یومِ عرفہ، حرمِ مکہ، اور حج کے مقدس ترین مہینے کی اہمیت وعزت پیوست اور راسخ وثابت ہے، بعینہٖ اسی طرح دلوں میں باہم ایک دوسرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کی بھی اہمیت ہو اور ایک دوسرے کیلئے عزت واحترام کے مضبوط جذبات ہوں اور پھر باہم رویہ وسلوک بھی انہی جذبات کے تابع ہو۔

اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (كُلُّ المُسلِمِ عَلىٰ المُسلِمِ حَرامٌ : عِرضُهٗ وَمَالُهٗ وَ دَمُـــهٗ) (۲) ترجمہ: (ایک مسلمان کیلئے دوسرے مسلمان کا سبھی کچھ حرام ہے: اُس کی عزت وآبرو بھی، اس کا مال بھی، اور اس کا خون بھی)۔

لہٰذا مسلمانوں میں باہم طعن وتشنیع، تمسخر وتضحیک، استہزاء، سب وشتم، فحش گوئی، نیز ایک دوسرے کی عیب جوئی جیسی ان قبیح ترین عادات سے اجتناب از حد ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿ويلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ﴾ (۳) ترجمہ: (بربادی ہے ہر عیب چننے والے، طعنہ دینے والے کیلئے)

اس آیت کے مفہوم میں دوسروں کو تمسخر وتضحیک کا نشانہ بنانا، مذاق اڑانا، زبان سے کسی کو لعن

(۱) بخاری [۶۷] باب قول النبی ﷺ: رُبّ مبلّغ أوعىٰ من سامع (۲) ترمذی [۱۹۲۷] (۳) ہمزۃ [۱]

طعن اور ذلیل و بے عزت کرنا' ہاتھ پاؤں یا آنکھ کے اشارے سے یا کسی بھی شکل میں کسی کا مذاق اڑانا یا نقل اتارنا' دوسروں کے عیوب کی تلاش میں لگے رہنا اور پھر معاشرے میں یا برادری میں انہیں رسوا اور شرمسار کرنا' عزت وآبرو کو پامال کرنا.....وغیرہ .....سب ہی کچھ شامل ہے۔

نیز ارشادِ ربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَایَسْخَرقَومٌ مِّن قَومٍ عَسَیٰ أن یَّکُونُوا خَیراً مِّنهُم.....﴾ (۱) ترجمہ:(اے ایمان والو! کوئی ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، عین ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں)

یعنی مذاق اڑانے کی وجہ عموماً یہ ہوا کرتی ہے کہ مذاق اڑانے والا خود کو افضل اور اعلیٰ وارفع سمجھتا ہے اور دوسروں کو حقیر و کمتر تصور کرتا ہے، اسلئے وہ دوسروں کا مذاق اڑاتا ہے اور انہیں رسوا اور بے عزت کرتا ہے۔اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ تمہیں کیا خبر کہ درحقیقت کون بہتر ہے اور کون کمتر؟ کون اعلیٰ ہے اور کون ادنیٰ؟ اس بات کا حقیقی علم تو فقط اللہ ہی کو ہے، عین ممکن ہے کہ جس کسی کو تم حقیر و کمتر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑا رہے ہو' اللہ کے نزدیک وہ تم سے افضل و بہتر ہو، اور اس کا مقام و رتبہ تم سے بڑھ کر ہو.....لہٰذا باہم ایک دوسرے کو تمسخر و تضحیک کا نشانہ نہ بناؤ، اور ایک دوسرے کی عزت اچھالنے سے باز رہو۔

اسی مذکورہ بالا آیت میں آگے مزید ارشاد ہے:﴿وَلَاتَلمِزُوا أنفُسَکُم وَلَاتَنَابَزُوا بِالأَلقَاب﴾ ترجمہ:(آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو' اور باہم ایک دوسرے کو برے ناموں سے نہ پکارو)

(۱) الحجرات[۱۱]

رسول اللہ ﷺ کا رشاد ہے:(لَیسَ المُؤمِنُ بِاللَعّانِ، ولَاالطعَّان، ولَاالفَاحِشُ وَلَاالبَذِئ) (۱) ترجمہ:(مؤمن لعن طعن، اورفحش وبیہودہ گفتگوکرنے والانہیں ہوسکتا) اس بارے میں مزید درجِ ذیل باتیں خوب سمجھنے اور ذہن نشیں کرلینے کی ضرورت ہے۔

☆......انسان خطاء کا پتلا ہے، ہرانسان میں یقیناً کوئی نہ کوئی عیب تو ضرور ہوگا، ایسا انسان تواس دنیامیں کوئی بھی نہیں کہ جس میں اخلاقی یا جسمانی کوئی بھی عیب یا نقص نہو، یا جس سے زندگی بھرکبھی کوئی بھی خطاء یا لغزش سرزد نہ ہوئی ہو۔ ہرخطاء اور ہرعیب سے پاک تو فقط اللہ ہی کی ذات ہے۔مثال مشہور ہے:من طلب أخاً بلاعیبٍ بقي بلاأخٍ یعنی اس دنیامیں جس کسی کوکسی ایسے بھائی کی تلاش ہوجس میں کوئی بھی عیب یا خامی نہو، تو ایسا شخص یقیناً بغیر بھائی کے ہی رہ جائیگا۔یعنی اتنی بڑی دنیا میں زندگی بھرکی تلاش وجستجواورتگ ودو کے باوجودایسا کوئی انسان نہیں مل سکے گا جواخلاقی یا جسمانی ہرقسم کے عیوب ونقائص سے مکمل خالی اور پاک ہو۔

لہٰذاہرانسان کی سوچ یہ ہونی چاہئے کہ اگرکسی شخص میں مجھے کوئی عیب نظرآتا ہے تو یقیناً خودمجھ میں بھی کوئی نہ کوئی عیب تو ہوگا، بلکہ شاید بہت سے عیوب ہوں، محاورہ مشہور ہے کہ: وفیك عیوبٌ وللنّاس أعین یعنی عیوب ونقائص تو خودتم میں بھی موجود ہیں، اوردیکھنے والوں کی آنکھیں بھی سلامت ہیں۔ لہٰذادوسروں کے عیوب پرطعن وتشنیع، تمسخروتضحیک، اوران کی تشہیرکی بجائے اگرہم ان کی پردہ پوشی کریں اورخاموشی اختیارکریں تو دوسرے بھی ہمارے عیوب پرخاموشی، پردہ پوشی اوردرگذرکارویہ اختیارکریں گے، اوراس طرح ہم خودبھی سکون واطمینان کی زندگی بسرکرسکیں گے......اوردوسرے بھی چین کی زندگی

(۱) ترمذی[۱۹۷۷] باب ماجاءفی اللعنۃ۔

جی سکیں گے..... یوں معاشرے میں امن وامان اور سکون واطمینان کی فضاء برقرار رہیگی۔ جبکہ اس کے برعکس اگر ہم نے دوسروں کے عیوب کی تشہیر کر کے انہیں اذیت پہنچائی' معاشرے میں' محلے اور برادری میں انہیں رسوا اور بدنام کیا' تو یقیناً وہ بھی ایسا ہی کوئی جوابی یا انتقامی اقدام کریں گے، تب زندگی اجیرن ہو جائیگی اور سکون واطمینان غارت ہو جائیگا۔

☆..... اس بارے میں مزید ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہنے اور پھر ان کی تشہیر اور معاشرے میں ان کی تحقیر وتذلیل کی بجائے انسان کی نظر ہمیشہ خود اپنے عیوب پر رہنی چاہئے، اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش کی جائے، اپنے انجام' اپنی قبر اور اپنی آخرت کو یاد کیا جائے، اللہ کی عدالت میں خود اپنے حساب وکتاب اور اپنے بارے میں جوابدہی کا احساس ذہن میں تازہ رہے اور ہمہ وقت یہی فکر دامن گیر رہے، دوسروں کی فکر چھوڑ دے۔

شاعر کہتا ہے:

اَلمَرءُ اِن کَانَ عَاقِلاً وَرِعاً أشغَلَهٗ عَن عُیُوبِ النّاسِ وَرَعُه

کَمَا السّقِیمُ المَرِیضُ یُشغِلُهٗ عَن وَجَعِ النّاسِ کُلّهِم وَجَعُه

یعنی: ''عقلمند اور پارسا انسان دوسروں کی عیب جوئی سے ہمیشہ باز رہتا ہے۔ جس طرح کسی درد میں مبتلا مریض اپنے درد کی وجہ سے دوسروں کے درد سے بے خبر رہتا ہے''۔

یعنی جس کسی کو خود اس کے اپنے مرض نے بدحال کر رکھا ہو اور اپنے درد نے تڑپا رکھا ہو..... اسے دوسروں کے درد کا ہوش کہاں ہوگا.....؟ شاعر کہتا ہے:

نہ تھی عیب کی جب ہمیں اپنی خبر رہے ڈھونڈتے غیروں کے عیب وہنر

پڑی اپنی برائیوں پر جونظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

نیز کسی کا شعر ہے:

اوروں پہ معترض تھے لیکن، جب آنکھ ہم نے کھولی
خود اپنے دل میں ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

☆.....نیز یہ بات بھی ذہنوں میں رہے کہ اس دنیا میں اگر کسی انسان میں موجود کسی اخلاقی یا جسمانی عیب پر جو کوئی اسے طعنہ دیگا' وہ یہ بات یاد رکھے کہ آج یا کل' جلد یا بدیر' کبھی نہ کبھی ضرور وہ خود یا اس کے گھر کا کوئی فرد اسی عیب میں مبتلا ہو کر رہیگا۔ یہی قانونِ قدرت ہے، جو کہ اٹل ہے اور پتھر پر لکیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَاتَغتَابُوا المُسلِمِينَ وَلَاتَتَّبِعُوا عَورَاتِهِم ، فَإِنَّهُ مَنِ اتّبَعَ عَورَاتِهِم يَتَّبِعُ اللّهُ عَورَتَهُ، ومَن يَتّبِعِ اللّهُ عَورَتَهُ يَفضَحُهُ فِي بَيتِهِ) (۱) ترجمہ: (مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو اور نہ ہی ان کے عیوب تلاش کیا کرو، کیونکہ جو کوئی ان کے عیوب تلاش کرے گا' اللہ اس کے عیوب تلاش کرے گا' اور اللہ جس کے عیوب تلاش کرے گا اسے اس کے گھر میں ہی رسوا کر کے ہی چھوڑیگا)

یعنی اللہ سے تو کسی کا کوئی عیب پوشیدہ نہیں ہے، لہٰذا مقصد یہ کہ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے رہنے والے انسان کے ساتھ اللہ کی طرف سے ''ستاری'' اور اس کی ''پردہ پوشی'' کی بجائے اس کی ذلت ورسوائی کے اسباب پیدا کر دیئے جائیں گے، خواہ وہ ذلت ورسوائی کے خوف سے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دے اور اپنے گھر میں بند ہو کر بیٹھ جائے، مگر اس کے

(۱) ابوداؤد [۴۸۸۰] ترمذی [۲۰۳۲] باب ماجاء فی تعظیم المؤمن۔ نیز: احمد [۱۹۷۹۱] [۱۹۸۱۶] [۲۲۴۵۵] البتہ بعض روایات میں لَاتَغتَابُوا المُسلِمِينَ کی بجائے لَا تُؤذوا المُسلِمِينَ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ نیز بعض روایات میں وَلَاتَتَّبِعُوا کی بجائے وَلَا تَتَتَبَّعُوا (یعنی: "اتّباع" کی بجائے: "تتبُّع") اسی طرح بعض روایات میں يَفضَحُهُ فِي بَيتِهِ کی بجائے يَفضَحُهُ في جَوفِ رَحلِهِ کے الفاظ ہیں۔

باوجود وہ ذلیل ورسوا ہوکر ہی رہے گا۔

یہی قانونِ قدرت اخلاقی عیب کے علاوہ کسی جسمانی نقص یا عیب پر طنز وتمسخر کے سلسلہ میں بھی ذہن نشیں رہنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:(لوسَخِرتُ من كلبٍ لخشيتُ أن أُحَوّل كلباً) (۲)یعنی:''میں تو اس خوف سے کبھی کسی کتے کا بھی مذاق نہیں اڑاتا کہ کہیں مجھے بھی کتا ہی نہ بنادیا جائے''۔

☆.....لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اس بارے میں اسلامی تعلیمات وہدایات کی مکمل پیروی کرتے ہوئے دوسروں کی عیب جوئی،طعن وتشنیع اور تمسخر وتضحیک سے باز رہے،اور خود اپنے آپ پر نیز اپنے اہل وعیال پر رحم کرے۔ورنہ قدرت کے بنائے ہوئے اس اٹل قانون کے مطابق جلد یا بدیر یہی نتیجہ ظاہر ہوکر رہے گا کہ:''جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور.....!''اور تب حسرت وندامت کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آسکے گا اور وہ خود دنیا کے سامنے نشانِ عبرت بن کر رہ جائے گا.....!!!

☆.....☆.....☆

(۱) ترمذی[۲۵۰۵] (۲)قرطبی،تفسیر سورۃ الحجرات،آیت:۱۱۔

''تکبر'' سے اجتناب

''تکبر'' اور ''غرور'' سے مراد ہے: ''خود کو دوسروں سے افضل، اعلیٰ وارفع سمجھنا اور دوسروں کو اپنے مقابلہ میں کمتر، حقیر وذلیل تصور کرنا، جس طرح ابلیس نے خود کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل وبرتر سمجھتے ہوئے یوں کہا کہ: ﴿أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ﴾ (۱) یعنی: ''میں تو اس سے بہتر ہوں''۔

''تکبر'' سے اجتناب کی ضرورت واہمیت اس بات سے ہی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن کریم میں ابلیس کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ (۲) ترجمہ: (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں ہوگیا)

گویا تکبر وغرور شیطانی عمل ہے، لہٰذا مؤمن کیلئے بہرصورت اس سے مکمل اجتناب ضروری ولازمی ہے۔

نیز ''تکبر'' کی قباحت وشناعت درجِ ذیل آیات کی روشنی میں بھی ملاحظہ ہو:

ارشادِ ربانی ہے: ﴿سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ (۳) ترجمہ: (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں)

نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾ (۴) ترجمہ: (یقیناً وہ [اللہ] تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

(۱) الاعراف [۱۲] نیز: ص [۷۶] (۲) البقرۃ [۳۴] (۳) لاعراف [۱۴۶]
(۴) النحل [۲۳]

نیز ارشاد ہے:﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (۱)
ترجمہ:(اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر مغرور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے)

نیز ارشاد ہے:﴿أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (۲)
ترجمہ:(کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟)

نیز ارشاد ہے:﴿فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾ (۴) ترجمہ:(اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے)

یعنی انسان تکبر اور فخر وغرور کی وجہ سے خواہ کتنا ہی اِترا کر اور اکڑ کر چلے، نیز اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر خوب زور زور سے پاؤں مار کر دیکھ لے، مگر یہ کہ وہ اپنے پاؤں سے یا اپنی مغرورانہ چال سے زمین کو پھاڑ تو سکتا نہیں۔اسی طرح خواہ وہ کتنا ہی تن کر، سر اٹھا کر، اور گردن لمبی کر کے چل لے، مگر یہ کہ اللہ کے بنائے ہوئے پہاڑوں کے برابر لمبائی کو وہ نہیں پہنچ سکتا.....تو پھر اس مغرورانہ چال سے کیا فائدہ.....؟

اور یہ تکبر محض مغرورانہ چال تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ انسان کی گفتگو، لب ولہجہ، رفتار وگفتار، دوسروں کے ساتھ اس کے معاملات، اہلِ خانہ، عزیز واحباب، دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اس کا رویہ وسلوک وغیرہ ..... ان تمام امور میں کبر وغرور سے اجتناب ضروری ہے۔

(۱) غافر/مؤمن[۳۵] (۲) الزمر[۶۰] (۳) النحل[۲۹]
(۴) الاسراء/بنی اسرائیل[۳۷]

اسی طرح ارشادِ ربانی ہے:﴿وَلَاتُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَاتَمْشِ فِي الأَرْضِ مَرَحاً اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (۱) ترجمہ:(لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پُھلا (۲) اور زمین پر اِترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ پسند نہیں فرماتا)

نیز ارشاد ہے:﴿وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ﴾ (۳) ترجمہ:(اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر)

یعنی ایسی چال سے گریز کیا کیا جائے جس سے مال ودولت' جاہ ومنصب' طاقت وقوت' حسن وجمال' یا اور کسی بھی وجہ سے دوسروں کے سامنے تکبر اور فخر وغرور کا اظہار ہوتا ہو۔

نیز اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان نہ تو بہت تیز چلے' او نہ ہی بہت سست رفتاری کا مظاہرہ کرے، بلکہ اپنی چال میں اعتدال پیدا کرے۔ کیونکہ بلاضرورت تیز چلنا شرف اور وقار کے منافی ہے، جبکہ مؤمن کو ہر معاملہ میں ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے جو کہ شرف اور وقار کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ نیز بہت تیز چلنے میں گر جانے' خود اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو کوئی چوٹ لگ جانے یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ بھی ہے۔اس کے برعکس بہت آہستہ چلنے میں بھی یہ قباحت ہے کہ اس طرح دوسرے راہ گیروں کیلئے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ نیز بلاوجہ سست رفتاری میں بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، لہٰذا جب اللہ نے صحت وتندرستی جیسی انمول اور گراں قدر نعمت سے نوازا ہو تو بلاوجہ بیماروں اور معذوروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا یقیناً بہت بڑی ناشکری ہے۔

نیز بہت آہستہ چلنے میں مغروروں اور متکبروں کے ساتھ مشابہت بھی ہے، کیونکہ اکثر مغرور

(۱) لقمان[۱۸] (۲) یعنی جب کوئی دوسرا تم سے ہمکلام ہو تو تکبر اور غرور کی وجہ سے اس سے اپنا منہ نہ پھیرو۔
(۳) لقمان[۱۹]

ومتکبر قسم کے لوگ بھی اکڑ کر اور اِترا کر آہستہ آہستہ چلتے ہیں، گویا کہ گن گن کر قدم رکھ رہے ہوں، اس طرح تکبر وتصنع کے ذریعہ وہ دوسروں پر اپنا امتیاز جتانا چاہتے ہیں۔

متکبر انسان کو یہ قانونِ قدرت ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ تکبر وغرور، خود پسندی، اور خودنمائی کا یقینی انجام دنیا وآخرت میں ذلت ورسوائی اور ہلاکت وبربادی ہے۔

ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

(اَلکِبرِیَاءُ رِدَائي، وَالعَظَمَةُ اِزارِي، فَمَن نَازعَنِي وَاحِداً مِنهُمَا ، أَلقَيتُهُ فِي جَهَنَّمَ) (۱) ترجمہ: (بڑائی میری چادر ہے، اور عظمت میری اِزار ہے، جو شخص مجھ سے ان کو چھیننا چاہے گا، میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا) یعنی ''عظمت وکبریائی'' محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا جو کوئی اس صفت کو اپنانے کی کوشش کرے گا وہ اپنے لئے خود جہنم کا سامان کرے گا۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَایَدخُلُ الجَنَّةَ مَن کَانَ فِي قَلبِهٖ مِثقَالُ ذَرَّةٍ مِن کِبرٍ) (۲) ترجمہ: (وہ شخص جنت میں داخل نہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر وغرور ہو)

☆..... ''کبر وغرور'' کے برعکس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی کی خاطر تواضع اور عجز وانکسار کو اپنا شیوہ وشعار بنانے والوں کیلئے قرآن وحدیث میں اللہ ورسول ﷺ کی طرف سے جنت کی خوشخبری اور دنیا وآخرت میں کامیابی، اور عزت ورفعت کی نوید سنائی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں قارون کی سرکشی، تکبر اور طغیان کے نتیجہ میں ہلاکت وبربادی کے تذکرہ کے بعد، تواضع وانکسار کا راستہ اختیار کرنے والوں کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف

(۱) ابن ماجہ [۴۱۷۴] [۴۱۷۵] ابن حبان [۵۶۷۱] احمد [۷۳۷۶] وغیرہ

(۲) مسلم [۹۱] باب تحریم الکبر۔

سے انعام' آخرت کی کامیابی اور عمدہ انجام کا تذکرہ وبیان ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:﴿تِلكَ الدَّارُ الآخِرَةُ نَجعَلُهَا لِلَّذِينَ لَايُرِيدُونَ عُلُوّاً فِي الأرضِ وَلَافَساداً وَالعَاقِبَةُ لِلمُتَّقِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہی کیلئے مقرر کردیتے ہیں جو زمین میں اونچائی' بڑائی اور فخر نہیں کرتے ،نہ ہی فساد کی چاہت رکھتے ہیں،اور آخرت کی بھلائی تو پرہیز گاروں کیلئے ہے)

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ کے خاص بندوں کی صفات وعلامات کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ایک یہ صفت بھی مذکور ہے:﴿وَعِبَادُ الرَّحمٰنِ الَّذِينَ يَمشُونَ عَلىٰ الأرضِ هَوناً﴾ (۲) ترجمہ:(رحمٰن کے [سچے] بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں)

نیز قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کو مؤمنین کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے پیش آنے اور تواضع وانکسار اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَاخفِض جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ المُؤمِنِينَ﴾ (۳) ترجمہ:(آپ ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں شامل ہوکر آپ کی راہ پر چلیں)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَازادَ اللّٰهُ عَبداً بِعفوٍ اِلّا عِزّاً، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ اِلّارَفَعَهُ اللّٰهُ) (۴) ترجمہ:(جب کوئی بندہ [کسی سے انتقام کی بجائے اسے] معاف کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ وترقی عطاء فرماتے ہیں، نیز جو کوئی اللہ کی رضامندی کیلئے تواضع وانکسار اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مزید رفعت وبلندی عطاء فرماتے ہیں)۔

(۱)القصص[۸۳] (۲)الفرقان[۶۳] (۳)الشعراء[۲۱۵]

(۴)مسلم[۲۵۸۸]باب استحباب العفو والتواضع۔

نیز ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ أَوحَیٰ اِلَيّ أن تَوَاضَعُوا، حَتّیٰ لَایَفْخَرَ أَحَدٌ عَلیٰ أَحَدٍ، وَلَایَبغِي أَحَدٌ عَلیٰ أَحَدٍ) (۱) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی بھیجی ہے کہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آیا کرو، کوئی کسی کے سامنے فخر وغرور کا مظاہرہ نہ کرے، اور نہ ہی کوئی کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرے)

☆...... یہاں یہ بات بھی ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ کبر وغرور، فخر ومباہات، خود پسندی وخودنمائی، اور حبِ جاہ جیسی مکروہ ومذموم ترین صفت وعادت محض فساق وفجار یادنیا کے طلبگاروں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ بسااوقات بہت سے اصحابِ علم وفضل اور عابد وزاہد قسم کے لوگ بھی شیطان کی اس شاطرانہ چال اور اس کے بچھائے ہوئے اس دلفریب وخوشنما جال میں پھنس کر اپنی تمامتر متاع سے محروم ہوجاتے ہیں اور اپنی محنت وریاضت برباد کر بیٹھتے ہیں۔

غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے زاہد کو کہ بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے

اس قسم کے عباد وزہاد کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو معاملہ ہو اور ان کیلئے جو فیصلہ ہو، وہ تو ایک الگ اور مستقل پریشانی کا سبب ہے ہی، اس کے علاوہ مزید یہ کہ وہ خلقِ خدا کی نظروں سے بھی گر جاتے ہیں اور جگ ہنسائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

اس کی مزید تفصیل اس طرح سمجھ لینی چاہئے کہ انسانوں کی دراصل دو قسمیں ہیں: دنیا کے طلبگار اور دین کے طلبگار۔ دنیا کے طلبگاروں کو تو شیطان مال وزر کی ہوس، نیز نفسانی وجسمانی خواہشات میں مشغول ومنہمک رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ دین کے طلبگاروں کی بربادی کیلئے وہ حُبِ جاہ، کبر وغرور، ریاکاری، خود پسندی وخودنمائی جیسے ہتھکنڈے استعمال

(۱) مسلم [۲۸۶۵]

کرتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات کسی شخص کے علم وفضل اور تقویٰ وزہد کی وجہ سے لوگ اسے انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کیلئے دیدہ ودل فرشِ راہ کئے رکھتے ہیں۔ لیکن اس تقویٰ وزہد، نیز عزت اور قدر ومنزلت ہی کے ذریعہ شیطان اس کی رسوائی وبربادی کا انتظام اس طرح کرتا ہے کہ اس کے دل میں کبر وغرور، خود پسندی، ریاء اور حبِ جاہ جیسے مذموم ومکروہ جذبات ڈال دیتا ہے، اور پھر یہی چیز اس کیلئے بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

مزید یہ کہ اس قسم کا انسان بعض اوقات اپنی اس قدر ومنزلت پر اللہ کی شکر گذاری اور عجز وانکسار کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے مزید قدر ومنزلت کی ہوس میں کوئی ایسی بات یا ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی تمامتر عزت یکسر خاک میں مل جاتی ہے اور اسے خفت اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆.....نیز اس کی مثال اس طرح بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی ادارے میں متعدد ملازمین کام کرتے ہوں، ان میں سے کچھ افراد ایسے ہوں کہ جن کی مہارت وقابلیت اور کارکردگی کا معیار بہت اعلیٰ نہو، بس گذارے لائق ہو، البتہ مجموعی طور پر متعلقہ افسرانِ بالا ان سے مطمئن ہوں.....جبکہ اسی ادارے میں کوئی بہت ہی لائق وفائق انسان بھی موجود ہو، جس کی کارکردگی باقی تمام افراد کے مقابلہ میں نہایت ہی عمدہ واعلیٰ ہو، اور ہر طرف اس کی شہرت اور بڑی قدر ومنزلت ہو، نیز یہ شخص اٹھتے بیٹھتے ہر موقع پر ہمیشہ افسرانِ بالا کے سامنے اپنی قابلیت ومہارت اور حسنِ کارکردگی کی داستانیں بیان کر کے ان سے خوب داد وتحسین بھی وصول کرتا رہتا ہو اور ان کا محبوب ومقرب اور نورِ نظر بنا ہوا ہو.....مگر اس قدر ومنزلت، عزت افزائی اور آفرین وداد وتحسین پر اللہ کا شکر ادا کرنے اور بس اپنے کام سے کام رکھنے کی بجائے یہ شخص ہمیشہ افسرانِ بالا کے سامنے اپنے دوسرے ساتھیوں کے پست

معیار کی خوب تشہیر بھی کرتا چلا جاتا ہو اور ان کی تحقیر وتذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا ہو.....اس کی اس حرکت کی وجہ سے یقیناً نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ رفتہ رفتہ اس کے افسرانِ بالا اس کی اس مکروہ عادت اور مذموم خصلت کی وجہ سے اس سے بیزار بلکہ متنفر ہو جائیں گے،اور پھر صورتِ حال یکسر تبدیل ہو جائے گی' یہ شخص اپنی تمام تر مہارت' صلاحیت' اور قابلیت ولیاقت' نیز محنت وجاں فشانی اور حسنِ کارکردگی کے باوجود مکروہ اور ناپسندیدہ قرار پائیگا،اور ہر کوئی اس سے کنارہ کشی اور گلوخلاصی کی کوشش کریگا۔جبکہ اس کے دوسرے ساتھی نسبۃً اپنے پست معیار کے باوجود پسندیدہ قرار دیئے جائیں گے.....کسی نے درست کہا ہے کہ:''غرور کا سر نیچا''۔

☆.....کبر وغرور' خود پسندی' خودنمائی' جھوٹی عزت اور سستی شہرت کی طلب' نیز حُبِ جاہ وغیرہ کی مذمت میں گذشتہ سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے' اگر چہ ہر مہذب ومثقف انسان ان تمام باتوں کا مکمل علم وادراک اور اس بارے میں خوب آگاہی وشعور اور واقفیت ومعرفت رکھتا ہے' اور بچپن سے ہی اس قسم کی باتیں درسی وغیر درسی کتب میں بکثرت اس کی نظر سے گذرتی رہتی ہیں اور سماعت سے ٹکراتی رہتی ہیں۔لیکن اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ انسان اکثر وبیشتر ان باتوں سے غافل رہتا ہے،اور جب کبھی وہ اپنے علم وفضل اور مقام ومرتبہ کے باوجود خود پسندی کے جذبہ سے مجبور ہو کر ایسی کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے ذلت وخفت اٹھانا پڑتی ہے' تب اسے بچپن میں پڑھی ہوئی وہ تمام باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔لیکن ''اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت.....'' لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان باتوں کو گاہے بگاہے پڑھتا اور سوچتا رہا کرے اور اس چیز کو اپنے روزمرہ کے معمولات میں شامل کرلے۔

''غصہ''؛ دین ودنیا کا خسارہ:

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی علامات وصفات کے تذکرہ وبیان کے ضمن میں ارشاد ہے:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الغَيظَ وَالعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ المُحْسِنِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: (وہ غصہ پی جانے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت فرماتا ہے)

نیز ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَجتَنِبُونَ كَبَائِرَ الإِثْمِ وَالفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُم يَغفِرُونَ﴾ (۲) ترجمہ: (اور وہ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور غصے کے وقت [بھی] معاف کردیتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور گذارش کی کہ: اے اللہ کے رسول! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: (لَا تَغْضَبْ) یعنی: ''غصہ نہ کیا کرو''۔ اس شخص نے متعدد بار اپنی یہی گذارش دہرائی، اور ہر بار رسول اللہ ﷺ نے اسے یہی وصیت فرمائی۔ (۳)

اس حدیث کی روشنی میں ''غصہ'' کی قباحت وشناعت، نیز انسان کیلئے اس سے اجتناب کی ضرورت واہمیت واضح وثابت ہوتی ہے۔

☆.....حقیقت یہ ہے کہ غصہ انسان کی عقل کا، نیز اس کی صحت کا دشمن ہے، کیونکہ:

☆.....زیادہ غصہ دکھانے والا انسان خطرناک اور مہلک قسم کے جسمانی، نفسیاتی، ذہنی، اور اخلاقی وروحانی امراض وآفات کا شکار ہوکر جلد ہی راہیِ ملکِ عدم ہوجاتا ہے۔

(۱) آل عمران [۱۳۴] (۲) الشوریٰ [۳۷] (۳) بخاری [۵۷۶۵]

☆.....زیادہ غصہ دکھانے والا انسان خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی خانہ بربادی کا سامان کرتا ہے، کیونکہ اس کے اس غصیلے اور درشت مزاج کی وجہ سے گھر میں آئے دن تلخ کلامی اور نوک جھونک ہوتی رہتی ہے، جس کے نتیجے میں اکثر وبیشتر طلاق تک نوبت جا پہنچتی ہے اور پھر اس کا گھر برباد اور اس کے بچے دربدر ہوجاتے ہیں۔

☆.....غصہ دکھانے والا انسان کبھی ترقی نہیں کرسکتا، کبھی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، کبھی کوئی اعلیٰ مقام ورتبہ حاصل نہیں کرسکتا، کیونکہ جب وہ روز روز غصہ دکھائیگا تو ملازمت سے برطرف کردیا جائیگا۔ مثال مشہور ہے: لایَنَالُ العُلا مَن طَبعُهُ الغَضَبُ یعنی زیادہ غصہ دکھانے والا انسان کبھی کسی بلند مقام ومرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔

☆.....غصہ دکھانے والا انسان کبھی کامیاب تاجر نہیں بن سکتا، کیونکہ اس کے ہر روز کے اس غصے اور تلخ کلامی ودرشت روئی کی وجہ سے گاہکوں کے ساتھ اس کے تعلقات متأثر ومجروح ہوں گے جس کی وجہ سے اس کے کاروبار پر بھی یقیناً منفی وناخوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

☆.....غصہ دکھانے والا انسان جب جوش میں ہوش کھو بیٹھتا ہے تو جائز وناجائز، حلال وحرام اور خیر وشر کی تمیز وتفریق کو بھلا کر ایسی ناپسندیدہ، نامناسب، نامعقول، غیر مہذب اور غیر شائستہ حرکتوں اور کارروائیوں میں مبتلا ومشغول ہوجاتا ہے جو اس کیلئے دینی ودنیاوی خسارے، تباہی وبربادی اور ذلت ورسوائی کا سبب بنتی ہیں۔

☆.....لہٰذا یہ غصہ انسان کی صحت کا دشمن، اس کی عقل کا دشمن، اس کے دین کا دشمن، اس کی دنیا کا دشمن، اور اس کی آخرت کا دشمن ہے، نیز اس میں انسان کیلئے دونوں جہانوں میں سراسر خسارے اور نقصان ہی کا سامان وانتظام ہے۔

مثال مشہور ہے کہ: ''غصے کی ابتداء ہمیشہ حماقت سے اور انتہاء ہمیشہ ندامت پر ہوتی ہے''۔

☆..... ''غصے'' کے انہی لامحدود دینی ودنیاوی مفاسد ونقصانات کی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں صبر وتحمل، بردباری، ضبطِ نفس، عفوودرگذر، رواداری ووسعتِ قلبی اور احترامِ انسانیت جیسی اعلیٰ صفات وعادات کو اپنانے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَمَنْ عَفٰى وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (۱) ترجمہ: (جوکوئی معاف کردے اور اصلاح کرلے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے)

نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾ (۲) ترجمہ: (اور جوکوئی صبر کرلے اور معاف کردے، یقیناً یہ تو بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (۳) ترجمہ: (برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوجائیگا جیسے دلی دوست)

یعنی انتقام کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اگر برائی کا بدلہ اچھائی اور احسان کے ساتھ دیا جائے تو اس کی برکت سے باہمی نفرتوں اور بغض وعداوت، نیز اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تمام مشکلات وآفات، بے سکونی، ذہنی کوفت اور اعصابی تناؤ وغیرہ سے نجات نصیب ہوجائیگی، اور صرف یہی نہیں، بلکہ وہ شخص جو کل تک بدترین دشمن اور قتل وغارت گری وخوں ریزی پر آمادہ تھا، آج وہ بہترین دوست بلکہ مددگار بن جائیگا، یہ اللہ کی طرف سے وعدہ ہے

(۱) الشوریٰ [۴۰] (۲) الشوریٰ [۴۳] (۳) حٰمٓ السجدۃ [۳۴]

البتہ جذبۂ صادق، یقینِ کامل اور خلوصِ دل کے ساتھ آزمائش شرط ہے.....!

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَازادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعفْوٍ اِلّا عِزّاً) (۱)

ترجمہ: (جب کوئی بندہ [کسی سے انتقام کی بجائے اسے] معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں ترقی واضافہ عطاء فرماتے ہیں)

اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے: (لَيسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ ، اِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِندَ الغَضَبِ) (۲) ترجمہ: (وہ شخص طاقتور نہیں جو اپنے مقابل کو پچھاڑ دے، طاقتور تو دراصل وہ ہے جو غصے کے وقت خود اپنے آپ کو قابو میں رکھے)

☆احتیاطی تدابیر:

غصے کی اس قدر قباحت وشناعت، اس کے دینی ودنیاوی مفاسد ونقصانات، نیز اس کے تباہ کن نتائج واثرات کے تذکرہ وبیان کے بعد اب یہ بات غور طلب ہے کہ اس آفت ومصیبت سے حفاظت ونجات کیلئے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں؟

اس سلسلے میں یقیناً اسلامی تعلیمات وہدایات موجود ہیں، جن کی روشنی میں درجِ ذیل باتیں یاد رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱).....انسان کو جب غصہ آنے لگے تو اسے یہ بات سوچنی چاہئے کہ اللہ نے انسان کو کتنی اچھی شکل وصورت سے نوازا ہے، لیکن اسے جب غصہ آتا ہے تو اس کی شکل کس قدر بگڑ جاتی ہے، گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں، آنکھیں باہر کو اُمڈ آتی ہیں، سانس اکھڑنے لگتی ہے، ہوش وحواس غائب ہوجاتے ہیں، منہ سے مغلظات اور غیر مہذب وناشائستہ کلمات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے.....لہٰذا انسان کو اس بارے میں غور کرنا چاہئے کہ ابھی تک تو میری

(۱) مسلم [۲۵۸۸] باب استحباب العفو والتواضع۔ (۲) بخاری [۵۷۶۳]

شکل اچھی خاصی ہے، حاضرینِ محفل میں میری عزت بھی ہے، لیکن اب اگر میں غصہ دکھاؤں گا تو میری یہ اچھی خاصی شکل بگڑ جائیگی، لوگوں کا ایک مجمع اکٹھا ہوجائیگا، اور میں ان سب کے سامنے ایک تماشا بن کر رہ جاؤں گا.....! لہٰذا میں خود اپنے ہی ہاتھوں خود کو دنیا کے سامنے تماشا کیوں بناؤں.....؟

(۲)..... یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ ضرورت سے زیادہ اور بے موقع ہنسی مذاق میں اکثر وبیشتر کوئی ایسی بات ہوجاتی ہے جو کسی کو ناگوار گذرتی ہے، اور پھر وہ بات غصے اور تلخی ورنجش کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ لہٰذا فضول اور بے موقع ہنسی مذاق سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے۔

(۳)..... غصے کا اصل سبب اور محرک عموماً تکبر اور غرور ہوا کرتا ہے۔ انسان جب خود کو بڑا اور افضل، اور دوسروں کو حقیر وکمتر سمجھتا ہے تبھی بات بات پر وہ دوسروں پر برستا اور بگڑتا ہے اور ہمیشہ غصہ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے غصے کے عین جوش اور عروج کے موقع پر اسے کسی ایسے انسان کے روبرو لا کھڑا کیا جائے جو مقام ومرتبے یا شان وشوکت میں اس سے بڑھ کر ہو، تو اس کا سارا غصہ فوراً ہی غائب ہوجائیگا.....! لہٰذا انسان کو اپنی عام زندگی اور روزمرہ کے معاملات میں تکبر وغرور جیسی شیطانی صفت سے بچنا چاہئے اور اس کے برعکس خوش اخلاقی، تواضع، عجز وانکسار جیسی عمدہ عادات وصفات اور اعلیٰ اخلاق کو اپنانا چاہئے۔ تاکہ اس کی بدولت وہ غصے جیسی مکروہ وتباہ کن عادت سے محفوظ ومامون رہ سکے۔

(۴).....انسان کو جب اپنی طبیعت میں غصے کے برے اثرات محسوس ہونے لگیں تو اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وقدرت، اس کے قہر وغضب اور اس کی شانِ جباری وقہاری..... نیز اس کے مقابلے میں اپنی کمزوری وناتوانی کا اپنے ذہن میں خوب استحضار واستدارک

کرنا چاہئے۔

(۵)..... جب کسی پرغصہ آئے تو مار پیٹ یا جذبۂ انتقام کے ہاتھوں مغلوب ہونے کی بجائے رحمت وہمدردی' اورعفوودرگذر جیسی عمدہ عادات وصفات کی طرف راغب ہونا چاہئے، اوراس موقع پراس کا اندازِفکر یہ ہونا چاہئے کہ اگر یہ شخص میرا مجرم اورقصوروار ہے تو میں خود بھی تو اللہ کا مجرم اورقصوروار ہوں، کیونکہ مجھ سے بھی تو یقیناً کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی گناہ تو ضرورسرزد ہوا ہوگا، کیونکہ تمام گناہوں اورخطاؤں سے پاک تو کوئی بھی نہیں ہے..... لہٰذا اپنے مجرم اور گناہگار کو یہ سوچ کرمعاف کردینا چاہئے کہ شاید اس طرح اللہ بھی مجھے معاف فرمادے.....!!

ارشادِربانی ہے:﴿وَلیَعفُوا وَلیَصفَحُوا ، أَلَاتُحِبُّونَ أن یَغفِرَ اللّٰہُ لَکُم وَ اللّٰہُ غَفُورٌ رَّحِیمٌ﴾ (۱) ترجمہ:(معاف کردینا اوردرگذر کرلینا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصورمعاف فرمادے؟ اللہ تو قصوروں کومعاف فرمانے والا' مہربان ہے) یعنی اگرہم اپنے لئے اللہ سے معافی کے خواہشمنداورمغفرت کے طلبگار ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم بھی دوسروں پربگڑنے' برسنے اورغصہ دکھانے کی بجائے انہیں معاف کردیا کریں۔

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ:(یَارَسُولَ اللّٰہ! مَاذَا یُبَاعِدُنِي مِن غَضَبِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ؟) یعنی:''اے اللہ کے رسولؐ! میں اللہ کے غصے سے بچنے کیلئے کیا طریقہ اختیارکروں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشادفرمایا: (لَاتَغضَبْ) یعنی:''دوسروں پرغصہ نہ کیا کرو''۔(۲)

مقصد یہ کہ جوکوئی دوسروں کے سامنے بلاوجہ غصہ دکھانے سے باز رہے گا، اللہ کے غضب

(۱)النور[۲۲] (۲)احمد[۶۶۳۵]

اور غصے سے بھی وہی محفوظ وسلامت رہے گا۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: اِرحَمُوا مَن فِي الأرضِ يَرحَمُكُم مَّن فِي السَّمَاءِ) (۱)

ترجمہ: (تم زمیں والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا)

شاعر کہتا ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہربان ہوگا' عرشِ بریں پر

(۲)..... غصے کے وقت انسان کو کچھ بولنے کی بجائے مکمل خاموشی اختیار کر لینی چاہیئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا غَضِبَ أَحَدُكُم فَليَسكُت) (۲)

ترجمہ: (تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وہ خاموش رہے)

کیونکہ غصے کی شدت اور حدت کے وقت جب انسان مخبوط الحواس ہو جاتا ہے اور اپنی زبان سے ہرزہ سرائی کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے' ایسے میں عین ممکن ہے کہ کسی بھی لمحے اس کی زبان سے کوئی ایسی بیہودہ' نامناسب اور خطرناک قسم کی بات نکل جائے کہ جس کے برے اثرات بہت دوررس ہوں اور اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوں..... اور پھر صورتِ حال ایسا رخ اختیار کر لے کہ جو: ''لمحوں نے خطا کی تھی' صدیوں نے سزا پائی ہے'' کا مصداق بن جائے.....

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت وہدایت پر عمل پیرا رہتے ہوئے غصے کے وقت حتیٰ الامکان خاموشی اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۷)..... غصے کے وقت انسان کے خون میں نیز اس کے مزاج میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے، ایسے میں جسم میں جس قدر حرکت زیادہ ہوگی اسی قدر یہ حرارت بھی بڑھتی جائیگی.....

(۱) ترمذی[۱۹۲۴] باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین (۲) احمد[۲۱۳۶]

کیونکہ حرکت کی وجہ سے حرارت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔لہٰذا غصے کے وقت انسان کو چاہئے کہ حرکت سے مکمل اجتناب کرے، اگر کھڑا ہوتو بیٹھ جائے، بیٹھا ہوا ہوا تو لیٹ جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا غَضِبَ أَحَدُكُم وَهُوقَائِمٌ فَلیَجلِس، فَاِن ذَهَبَ عَنهُ الغَضَبُ وَ اِلّا فَلیَضطَجِع) (۱) ترجمہ: (تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے' اگر وہ کھڑا ہوتو بیٹھ جائے، اگر تب بھی غصہ ختم نہ ہو' تو لیٹ جائے)

نیز یہ کہ غصے کی حالت میں آرام وسکون سے ایک جگہ بیٹھے رہنے کی بجائے انسان اگر کھڑا ہوگا تو پھر شاید فریقین باہم تلخ کلامی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی طرف پیش قدمی بھی شروع کردیں، جس کے نتیجے میں شاید وہ ایک دوسرے کے اتنے قریب پہنچ جائیں کہ تلخ کلامی سے بڑھ کر نوبت دست درازی تک پہنچ جائے، اور پھر باہم دست وگریباں بھی ہوجائیں......اس کے بعد نہ جانے نوبت کہاں تک جا پہنچے اور کیا مصیبت برپا ہوجائے......؟

(۸)......غصے کے وقت انسان کے خون نیز اس کے جسم اور مزاج میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے، اور حرارت آگ کی خاصیت ہے۔شیطان بھی آگ ہی سے بنا ہوا ہے۔لہٰذا غصے کے وقت انسان پر شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس سے ایسی مذموم اور نازیبا قسم کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں اور وہ اس قدر درندگی وسفاکی کا مظاہرہ اور ایسے ہولناک اور وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کر گذرتا ہے کہ جن کا وہ اپنی عام زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا......لہٰذا ان شیطانی اثرات سے محفوظ رہنے کیلئے غصے کے وقت شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کی جائے۔

(۱) احمد [۲۱۳۸۶] ابن حبان [۵۶۸۸]

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی نظر دو آدمیوں پر پڑی جو کہ باہم لڑائی جھگڑے میں مشغول تھے، ان میں سے ایک کا غصے کی شدت کی وجہ سے برا حال تھا، آپ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: (اِنّـي لأعـلـمُ كـلِمةً لوقالها ذهبَ عنهُ الشَّيطَانُ) یعنی: ''میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر اس وقت یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اسے شیطان سے نجات نصیب ہوجائیگی''۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کلمہ:

أعُوذُ بِاللّه من الشّيطانِ الرّجيم ہے۔ (۱)

(۹)...... نیز غصے کے وقت چونکہ انسان کے مزاج میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے جو کہ آگ کی خاصیت ہے، اور شیطان بھی آگ ہی سے بنا ہوا ہے، آگ کو بجھانے کیلئے پانی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا شیطانی اثر کی اس آگ کو بجھانے کیلئے وضوء کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ الـغَـضَـبَ مِنَ الشَّيطَانِ، وَاِنَّ الشَّيطَانَ خُلِقَ مِـنَ الـنَّـارِ، وَاِنَّمَا تُطفَأُ النَّارُ بِالمَاءِ، فَاِذَا غَضِبَ أَحَدُكُم فَليَتَوَضَّأ) (۲)

ترجمہ: (غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وضوء کرلیا کرے)۔

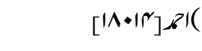

---

(۱) احمد [۲۷۲۴۹] (۲) احمد [۱۸۰۱۴]

''صبر'': دنیاوآخرت میں کامیابی کا راز:

انسان کیلئے دونوں جہانوں میں صدموں اور پریشانیوں سے نجات اور کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہونے کیلئے ''صبر'' کی عادت اپنانا انتہائی ضروری ہے۔مثال مشہور ہے: مَن صَبَرَ ظَفَرَ یعنی: کامیابی تو بس اسی کو نصیب ہوئی جس نے صبر کیا۔

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِینَ﴾ (۱) ترجمہ: (یقیناً اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لہٰذا قابلِ غور بات ہے کہ جس کسی کو اللہ کی معیت نصیب ہوجائے تو یقیناً اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے.....؟

نیز ارشادِ ربانی ہے:﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّابِرُونَ أَجرَهُم بِغَیرِ حِسَابٍ﴾ (۲) ترجمہ:(بے شک صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَالَّذِینَ صَبَرُوا ابتِغَاءَ وَجهِ رَبِّهِم وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزقنَاهُم سِرّاً وَّعَلَانِیَةً وَّ یَدرَأُونَ بِالحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُم عُقبَی الدَّار.....﴾ (۳) ترجمہ:(اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کیلئے صبر کرتے ہیں' اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں' اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اسے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں' اور برائی کو بھی بھلائی سے ٹالتے ہیں' انہی کیلئے عاقبت کا گھر ہے.....)

☆صبر کی اقسام:

اہلِ علم نے صبر کی چند اقسام بیان کی ہیں' جن کا مختصر تذکرہ کچھ اس طرح ہے:

(۱)البقرۃ[۱۵۳] (۲) الزمر[۱۰] (۳) الرعد[۲۲]

(۱) صبر علیٰ الطاعۃ:

یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت واطاعت اور تمام اسلامی احکام وتعلیمات پر عمل کے معاملہ میں سستی وتغافل یا پس ہمتی کی بجائے مکمل اہتمام والتزام اور صبر وثبات سے کام لینا۔

☆.....مثلاً روزانہ پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کے بارے میں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجائیگی کہ یقیناً یہ انتہائی کٹھن اور دشوار کام ہے(۱) زندگی بھر ہر روز پانچ بار وضوء کرنا، کبھی اپنی نیند اور آرام کو قربان کرنا، کبھی تجارت' دکانداری' یا دفتر کو چھوڑنا، کبھی یاروں دوستوں کی محفل جمی ہو' یا کوئی کھیل کود' یا دلچسپی کا کوئی اور مشغلہ عروج پر ہو' ایسے میں ''اللہ اکبر'' کی صدا سنتے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور دنیا کے تمام مشغلوں اور دلچسپیوں سے منہ موڑ کر چپ چاپ مسجد کی طرف چل دینا.....راستے میں گرمی ہو یا سردی' تپتی ہوئی دھوپ ہو یا طوفان اور آندھی' اندھیرا ہو یا روشنی..... ہر صورت میں مسجد کی طرف اپنا یہ سفر زندگی بھر صبح وشام دن کے اجالوں میں اور رات کے اندھیروں میں اسی طرح جاری وساری رکھنا..... یقیناً اس کیلئے ''صبر'' ناگریز ہے۔

☆.....اسی طرح زندگی بھر ہر سال رمضان کے مہینے میں صبح سے شام تک مسلسل بھوکا پیاسا رہنا ''صبر'' کے بغیر ممکن نہیں۔

☆.....حج کے موقع پر اپنے وطن اور گھر سے دوری' عزیز واحباب سے جدائی' سفر کی صعوبت ومشقت' راحت وآرام نیز روپے پیسے کی قربانی .....اور پھر وہاں مناسک کی ادائیگی کے دوران قدم قدم پر تکلیفوں' مشقتوں' اور خلافِ مزاج باتوں کو خندہ پیشانی سے

(۱) جیسا کہ نماز کے بارے میں خود ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الخَاشِعِينَ.....﴾ [البقرۃ:۴۶] یعنی: (یہ چیز شاق ہے' مگر [اللہ کا] ڈر رکھنے والوں پر.....)

برداشت کرنا..... یقیناً یہ سب کچھ ''صبر'' کے بغیر ممکن نہیں۔

☆.....اسی طرح زندگی بھر ہر سال ''زکوٰۃ'' کی ادائیگی' اپنی محنت وجاں فشانی اور خون پسینے کی کمائی کسی جبر یا زیادتی کے بغیر خالصۃً برضاورغبت' چپ چاپ اور خاموشی کے ساتھ کسی مسکین کے حوالے کر دینا..... یقیناً اس کیلئے بہت بڑی ثابت قدمی اور ''صبر'' کی ضرورت ہے۔

(۲) صبر عن المعصیۃ:

یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی اور تمام معاصی ومنکرات کی آلودگی سے اپنا دامن بچائے رکھنے کی خاطر ''صبر وثبات'' کا مظاہرہ کرنا۔خصوصاً دورِحاضر میں جبکہ قدم قدم پر فحاشی ومنکرات کا ایک سیلاب ہے، طاغوتی قوتوں نے انسان کو راہِ حق سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کیلئے قدم قدم پر خوشنما جال پھیلا رکھے ہیں.....حلال آمدنی کے ذرائع محدود ومسدود' جبکہ حرام مال ہر طرف سے خود بخود اُمڈتا چلا آرہا ہے.....! ایسے میں مالِ حرام کی اس دلدل سے خصوصاً ' نیز دیگر تمام معاصی ومنکرات کی آلودگیوں سے عموماً اپنا دامن بچائے رکھنا یقیناً انتہائی ''صبر آزما'' کام ہے۔

(۳) اللہ کی بنائی ہوئی ''تقدیر'' پر صبر:

یعنی زندگی کے اس سفر میں پیش آنے والے مختلف تکلیف دہ حالات اور پریشان کن امور پر ''صبر'' سے کام لینا، اور یہ سوچ رکھنا کہ تقدیر میں لکھی ہوئی پریشانیوں سے تو کسی صورت فرار ممکن نہیں، اور ''تقدیر'' بنانے والا اللہ ہے۔لہٰذا ان پریشانیوں میں بھی یقیناً اللہ کے علم میں بندے کیلئے کوئی حکمت ومصلحت ہی ہوگی جسے وہی بہتر جانتا ہے' ہم نہیں جانتے، کیونکہ اللہ کا علم کامل ہے اور ہمارا علم ناقص ہے۔

☆.....یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مؤمن کو ہمیشہ اللہ سے عافیت وسلامتی ہی طلب کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعاء ہونی چاہئے کہ اللہ اسے ہر قسم کے ابتلاء اور آزمائش سے محفوظ ومامون ہی رکھے۔لیکن اس کے باوجود اگر کوئی آزمائش پیش آہی جائے تو اسے اللہ کی مرضی وتقدیر سمجھ کر صبر وثبات سے کام لینا چاہئے۔

ارشادِ ربانی ہے:﴿وَ اصْبِر عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِن عَزْمِ الأُمُورِ﴾ (۱)

ترجمہ:(اور جو مصیبت تم پر آجائے اس پر صبر کرنا، یقیناً یہ بہت ہی تاکیدی کاموں میں سے ہے)

یعنی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کرنا بہت ہی بڑا اور اہم ترین کام ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اس کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

☆.....دوسری بات یہ کہ انسان کو ہمیشہ اس بارے میں غور وفکر کرنا چاہئے کہ اللہ کی طرف سے ابتلائات اور آزمائشوں کا سلسلہ تو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ بھی جاری رہا۔

خود رسول اللہ ﷺ افضل الخلائق اور سید الانبیاء والمرسلین ہونے کے باوجود پیدائشی یتیم تھے، زندگی بھر آنکھیں باپ کی صورت دیکھنے کو ترستی رہیں، اس کے بعد محض چھ برس کی عمر میں انسانی آبادی سے دور ویران وبیابان مقام پر پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان اپنی معصوم نگاہوں سے ماں کو اس فانی دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوتے دیکھا۔آپؐ کی چار صاحبزادیوں میں سے تین کی وفات عین جوانی کی عمر میں آپؐ کی حیات میں ہی ہوگئی۔ آپؐ کی عمر مبارک جب اکسٹھ برس ہوئی تب صاحبزادے ابراہیم کی ولادت ہوئی، لیکن یہ

(۱) لقمان[۱۷]

صاحبزادہ جب اٹھارہ ماہ کی عمر کو پہنچا اور اس کی معصوم مسکراہٹوں سے گھر کے آنگن میں بہار آنے لگی، تب آپؐ کے اس معصوم لختِ جگر اور نورِ نظر نے ایک روز خود آپؐ کی گود مبارک میں ہی آخری ہچکی لی اور ہمیشہ کیلئے داغِ مفارقت دے گیا، اور یہ منظر دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے..... اس کے علاوہ کفار ومشرکین، نیز یہود ومنافقین کی طرف سے مسلسل جسمانی وذہنی تکلیفوں اور ایذاء رسانیوں کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہی جاری رہا۔ کبھی پتھر برسا کر لہولہان کیا گیا، کبھی جنگیں مسلط کی گئیں، کبھی دیوانہ، کبھی جادوگر کہا گیا، کبھی کھانے میں زہر ملایا گیا..... حتیٰ کہ خالصتہً گھریلو عزت وشرف کو بھی مجروح وداغدار کرنے کی ناپاک جسارت اور گھناؤنی سازش کی گئی..... مگر آپؐ ہمیشہ ہی ''صبر وتحمل'' کا پیکر بنے رہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی اس سیرتِ طیبہ میں اہلِ ایمان کیلئے خصوصاً، اور تمام عالمِ انسانیت کیلئے عموماً ''اسوۂ حسنہ'' ہے،

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ذہن نشیں رہنا چاہئے: (عَجَباً لِاَمرِ المُؤمِنِ اِنَّ اَمرَہ کُلَّہ لَہ خَیرٌ وَلَیسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلّا لِلمُؤمِنِ، اِن اَصَابَتہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیراً لَہ وَ اِن اَصَابَتہُ ضَرّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیراً لَہ) (۱) ترجمہ: (مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی عجیب ہے، کیونکہ اس کیلئے تو ہر صورت میں خیر ہی خیر ہے اور یہ تو صرف مؤمن ہی کی شان ہے [کسی اور کو یہ نعمت نصیب نہیں] کیونکہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، یوں وہ خوشی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ صبر سے کام لیتا ہے، اور اس طرح وہ تکلیف بھی اس کیلئے خیر بن جاتی ہے)

(۱) مسلم [۲۹۹۹] باب لایُلدغ المؤمن من جحر مرتین۔ ابن حبان [۲۸۹۶] ذکر اثبات الخیر للمسلم الصابر.....۔

☆.....اس کے علاوہ اس ضمن میں یہ بات بھی یادرکھنے کی ضرورت ہے کہ مؤمن کوزندگی بھر ہمیشہ ہی عموماً' اورتکلیف وپریشانی اوررنج وغم کے موقع پرخصوصاًانابت الی اللہ کازیادہ سے زیادہ اہتمام کرناچاہئے، سچے دل سے اللہ کی طرف رجوع کیاجائے،اس کے ساتھ اپنےتعلق کومضبوط ومستحکم کیاجائے،اسلامی احکام وفرائض وتمام شرعی عبادات ومعاملات' خصوصاً نمازکی مکمل پابندی کی جائے،ذوق وشوق سے اورخوب دل لگاکرتوجہ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے،ترجمہ ومعانی کوسمجھنے کی کوشش بھی کی جائے،حرام آمدنی سے اجتناب اوررزقِ حلال کیلئے سعی وکوشش کی جائے،کسی کی دل آزاری نہ کی جائے،خلقِ خداکوستانے سے مکمل گریز کیاجائے،تمام معاصی ومنکرات سے بچنے کا پختہ عزم کیاجائے، اللہ سے خوب دعاء وفریادکی جائے،اسی سے ہی لولگائی جائے،اسی سے مدد واعانت طلب کی جائے،اوراس کے ذکرکا بکثرت اہتمام والتزام کیاجائے،کیونکہ مؤمن کیلئے دونوں جہانوں میں کامیابی وکامرانی کاراز اللہ کے ذکرمیں ہی پوشیدہ ہے۔

ارشادِربانی ہے:﴿وَ اذکُرُوا اللّٰہَ کَثِیراً لَّعَلَّکُم تُفلِحُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(اورتم اللہ کوبکثرت یادکیاکروٗ تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہوسکے)

نیزارشادہے:﴿وَ اصبِر وَ مَا صَبرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾ (۲) ترجمہ:(اورآپ صبرکیجئے، اوربغیرتوفیقِ الٰہی کے آپ صبرکرہی نہیں سکتے)

یعنی ہرپریشانی کے مقابلے کیلئے (خواہ وہ مالی پریشانی ہو'کوئی گھریلومشکل ہو'کسی دشمن یا بدخواہ کی طرف سے ظلم وزیادتی کا سامناہو'یاکوئی بھی معاملہ ہو.....بہرصورت)انسان کو چاہئے کہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ اپناتعلق مزیدمضبوط ومستحکم کرنے کی فکروجستجوکرے،

(۱)الانفال[۴۵] (۲) النحل[۱۲۸]

اسی پرتوکل کرے،اوراپناہرمعاملہ بس اسی کے حوالے کردے،جس قدراسے دنیازیادہ ستائے' یاکسی بھی معاملے میں اس کی پریشانیوں میں جس قدراضافہ ہو'اسی قدراللہ کے ساتھ اس کی دوستی بڑھتی جائے اوراس کے ساتھ تعلق مضبوط ومستحکم ہوتاچلاجائے.....

اوروہ ہمیشہ اس آیت کے معنیٰ ومفہوم میں غوروفکرکرتارہے:﴿وَ أُفَوِّضُ أَمرِي اِلَىٰ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰـهَ بَـصِيـرٌ بِـالعِبَـادِ﴾ (۱) ترجمہ:(میں توا پنامعاملہ بس اللہ ہی کے حوالے کرتاہوں، بےشک وہ اپنے بندوں کوخوب دیکھنے والا ہے)

نیز:﴿اِنَّـمَـا أَشكُـوا بَثِّي وَحُزنِي اِلَىٰ اللّٰهِ﴾ (۲) ترجمہ:(میں توا پنی پریشانیوں اوررنج والم کی فریادصرف اللہ ہی سے کرتاہوں)

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کوخطاب کرتے ہوئے یہ ارشادہے:﴿وَلَـقَـدْ نَعلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدرُكَ بِمَا يَقُولُونَ فَسَبِّح بِحَمدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ وَاعبُد رَبَّكَ حَتّىٰ يَأتِيَكَ اليَقِينُ﴾ (۳) ترجمہ:(ہمیں خوب علم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کادل تنگ ہوتاہے،آپ اپنے رب کی تسبیح اورحمد بیان کرتے رہیں،اورسجدہ کرنے والوں میں شامل ہوجائیں،اوراپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کوموت آجائے)

اس آیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ انسان اپنے مخالفین کی طرف سے بدسلوکی' یااورکسی بھی وجہ سے جب کسی پریشانی سے دوچارہوجائے توایسے میں ضرورت سے زیادہ رنجیدہ وافسردہ ہونے کی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ سے تسبیح وتحمید کااہتمام کیاجائے اوراس کے ساتھ اپناتعلق مضبوط ومستحکم کرنے کی خوب فکراورجستجو کی جائے۔

(۱)غافر/مؤمن[۴۴] (۲)یوسف[۸۶] (۳)الحجر[۹۷۔۹۸۔۹۹]

(۴) خلافِ مزاج باتوں پر صبر وتحمل:

یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں محض کوئی دوانسان بھی ایسے نہیں ہوسکتے کہ ہر معاملے میں جن کا نظریہ بالکل ایک ہی جیسا ہواوران میں مکمل اتفاقِ رائے ہو۔خواہ وہ باپ بیٹا ہوں، حقیقی بھائی ہوں، میاں بیوی ہوں، یا جوکوئی بھی ہوں۔نہ ہی اس دنیامیں کوئی ایسا انسان ملے گا کہ پیدائش سے موت تک زندگی کے ہر قدم پراور ہر معاملے میں اس کے تمام امورعین اس کی اپنی مرضی وخواہش کے مطابق طے پاتے ہوں، خواہ وہ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر، امیر ہو یا غریب۔(۱)

چنانچہ زندگی کے اس سفر میں ہرانسان کوقدم قدم پر بہت سی خلافِ مزاج باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینے اور ذہن نشیں کر لینے کی اشد ضرورت ہے کہ ہمیشہ صبر وتحمل، وسعتِ صدر، رواداری، حلم وبردباری، دوسروں کی رائے کا

(۱) اس موقع پر عبرت کی غرض سے ایک مختصر سے واقعے کا تذکرہ مناسب رہیگا۔ایک بار عید کے موقع پر میں نے ایک شخص کو نمازِ ظہر کے بعد مسجد میں کافی اداس و پریشان دیکھا۔چونکہ اس سے میرا کچھ تعارف تھا اس لئے رسمی دعاء وسلام کے بعد میں نے اس کی اس اداسی کی وجہ دریافت کی۔جواب میں وہ شخص یوں گویا ہوا کہ پاکستان میں گاؤں میں میرا بیٹا ہے جو کہ بہت ہی شریف اور فرمانبردار بھی ہے۔گذشتہ چند سالوں سے مسلسل ایسا اتفاق ہورہا ہے کہ وہ ہر سال عید کے موقع پر مجھ سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ میں اس کیلئے کچھ رقم ارسال کروں، تاکہ وہ موٹر سائیکل خرید سکے۔میں اس کی یہ فرمائش ٹال نہیں سکتا اس لئے ہر سال یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس سال چونکہ مالی حالات درست نہیں ہیں، لہٰذا آئندہ سال عید کے موقع پر ضرور رقم ارسال کردوں گا۔مگر افسوس کہ ہر سال کی طرح اس سال بھی میں اس کی یہ خواہش پوری نہ کرسکا.....حالانکہ وہ میرا انتہائی فرمانبردار بھی ہے.....!!

دوسرے ہی روز اتفاقاً ایک دعوت میں ایک صاحب کو اپنے بیٹے کے بارے میں نہایت ہی افسردگی اور حسرت ویاس کی کیفیت میں اس طرح شکوہ کرتے ہوئے سنا: ''میں نے عید سے ایک روز قبل اپنے بیٹے کو بالکل نئی گاڑی بطورِ ہدیہ بھجوائی، مگر ظالم کو اتنی توفیق بھی نہ ہوئی کہ عید کے روز مجھے ٹیلی فون پر ہی ''عید مبارک'' کہہ دیتا.....!!!

احترام' ''جیواور جینے دو'' نیز'' کچھ لو' کچھ دو'' کا اصول اپنانا انتہائی ضروری ہے۔ جوکوئی خلافِ مزاج باتوں پرصبر کواپنا شیوہ وشعار بنائے گا وہی اس دنیا میں سکون واطمینان اور عافیت وسلامتی کے ساتھ جی سکے گا۔اس کے برعکس جوکوئی ہمیشہ بے صبری' تنگ نظری اور تنگ ظرفی کا مظاہرہ کرے گا وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی اس عارضی وفانی زندگی کو مزید مشکلات ومصائب اور تلخیوں سے بھرپور بنا دیگا،زندگی بھرخود بھی بے چین وبے سکون رہے گا اور دوسروں کیلئے بھی آفات ومصائب اور پریشانیوں کے اسباب پیدا کرتا رہے گا......!!

(۵) مالی حالات کے معاملہ میں صبر وقناعت:

مال ودولت اور زمین جائیداد کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ اس دنیا میں انسان اگر صبر وقناعت کواپنانے کی بجائے ہوسِ زر اور حرص وطمع کا شکار ہوجائے تو پھر زندگی بھر سکون اور مسرت واطمینان کی لذت سے محروم ہی رہے گا۔ ہوسِ زر کا یہ منہ زور اور بے لگام گھوڑا اسے زندگی کے کسی بھی مرحلے پر پڑاؤ ڈالنے یا رکنے اور سستانے کی مہلت ہی نہیں دیگا۔فضول اور غیر ضروری خواہشات یا بے جا تمناؤں کے سراب کے پیچھے زندگی بھر دیوانہ وار دوڑتے دوڑتے وہ موت کی سرحد تک جا پہنچے گا' مگر اس کے باوجود متأسف' رنجیدہ وملول اور بے چین وبے سکون ہی رہے گا......!!

ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (۱) ترجمہ:(غفلت میں مبتلا کئے رکھا تمہیں زیادتی کی خواہش نے (۲) یہاں تک کہ تم قبرستان جا پہنچے)

(۱)التکاثر[۱-۲] (۲) یعنی مال ودولت' زمین جائیداد' اور آل واولاد کی کثرت وفراوانی کی تمنا انسان کو زندگی بھر مسلسل غفلت میں مبتلا کئے رکھتی ہے وروہ اپنے انجام اوراس کیلئے تیاری کی فکر سے غافل وبے خبر رہتا ہے، یہاں تک کہ اپنی آخری منزل یعنی ''قبر'' میں جا پہنچتا ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی دوافراد ایسے ہوں کہ جن کی مالی ضروریات تقریباً ایک ہی جیسی ہوں ، مگر دونوں کی آمدنی مختلف ہو،ایک کی آمدنی تو کم ہو' مگراس کے باوجودوہ خوش وخرم رہتا ہو،سفید پوشی پرصبروشکرکواپنا شیوہ وشعار بنارکھا ہو،اپنے اہل وعیال کےساتھ ہنسی خوشی زندگی بسرکرتا ہو......جبکہ دوسرے شخص کی آمدنی توزیادہ ہو،مگراس کے باوجودوہ ہمیشہ رنجیدہ وملول ہی رہتا ہو،اس کے معصوم بچے ہردم اور ہرلحظہ اس کی توجہ' ہمدردی اورمحبت وشفقت کوترستے ہوں......مگروہ ہمیشہ بس روپے پیسے کی کمی اورتنگی کارونا ہی لئے بیٹھا رہتا ہو،اور یوں گھر کی فضاء کومکدر' افسردہ اورسوگوار بنائے رکھتا ہو......ایسی صورتِ حال میں یقیناً یہی کہا جائیگا کہ پہلا شخص اپنی کم آمدنی کے باوجود''امیر'' ہے۔جبکہ یہ دوسرا شخص زیادہ آمدنی کے باوجود''فقیر''اور''مسکین''ہی کہلائے گا۔کیونکہ مالداری یاتونگری وخوشحالی کا تعلق مال وزرکی کثرت وفراوانی سے نہیں ہے۔بلکہ اس کاتعلق تو''دل''سے ہے۔ جیسا کہ ارشادِنبوی ﷺ ہے:(لَیسَ الغِنَیٰ عَن کَثرَةِ العَرَضِ ، وَ لٰکِنَّ الغِنَیٰ غِنَیٰ النَّفسِ) (۱) ترجمہ(مالداری وتونگری ظاہری مال ودولت سےنہیں، بلکہ اصل اورحقیقی مالداری تودل کےاستغناءکانام ہے)

ابلیس نے جنت سے نکلتے وقت اولادِآدم سے انتقام کاجوعزم کیا تھااوراس موقع پراس نے جو دھمکیاں دی تھیں' ان میں سے ایک دھمکی یہ بھی تھی جس کاتذکرہ اس آیت میں ہے:﴿وَلَأُضِلَّنَّهُم وَلَأُمَنِّيَنَّهُم ......﴾ (۲) ترجمہ:(میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا اورباطل امیدیں دلاتا رہوں گا......)

یعنی شیطان کی ہمیشہ خواہش وکوشش یہی رہتی ہے کہ وہ انسان کوفضول تمناؤں اوربے جا

(۱)بخاری[۶۰۸۱]باب الغنیٰ غنیٰ النفس۔نیز:مسلم[۱۰۹۱] (۲)النساء[۱۱۹]

خواہشات کے جال میں پھنسادے اورزندگی بھراسے دھوکہ وفریب اورمحض خوابوں کی دنیامیں الجھائے رکھے،اوریوں خواہشاتِ نفس کی بندگی وغلامی میں ہی اس کی تمام زندگی بسرہوجائے۔

فضول خواہشات' بے جاتمناؤں اورہوسِ زرمیں مبتلاحریص اورلالچی انسان خواہ کتناہی امیروخوشحال ہوجائے اوردنیابھرکےخزانے اس کے قدموں میں ہوں......مگراس کے باجودوہ زندگی بھربس روتاہی رہے گا،اور پیسے کے پیچھے بھاگ بھاگ کرخودکوہلکان کئے رکھے گا،کیونکہ ''مزید'' کی ہوس اسے کبھی چین سے نہ جینے دے گی۔ایسےانسان کی کیفیت یہ ہوگی کہ مدتوں اورسالوں کسی چیزکےحصول کیلئے روتارہے گا،اورجب وہ چیزاسے مل جائے گی توبس دوچاردن اس کی خوشی منائے گا۔اس کے بعدکسی اورچیزکیلئے روناشروع کردے گا......آخراسی طرح روتے روتے اس کی زندگی توختم ہوجائے گی،مگرخواہشات اورتمناؤں کایہ سلسلہ ختم نہ ہوگا......!!

ایسےہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کاارشادہے:(لَوكَانَ لِابنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِن مَالٍ لَابتَغَىٰ ثَالِثاً ، وَلَا يَملأُ جَوفَ ابنِ آدَمَ اِلّا التُّرَابُ) (۱)
ترجمہ:(ابنِ آدم کواگرمال ودولت سے بھرپوردووادیاں بھی نصیب ہوجائیں' تب بھی وہ تیسری وادی کی تمنا کریگا،ابنِ آدم کاپیٹ توبس قبرکی مٹی ہی بھرسکتی ہے)

حریص ولالچی انسان اورمال وزرکاپجاری محض اپنے مفادات کے حصارمیں ہی ہمیشہ کیلئے بندہوکررہ جاتاہے،تمام رشتے ناتے وہ فراموش کردیتاہے،بس پیسہ ہی اس کاباپ ہے، پیسہ ہی اس کی اولادہے، پیسہ ہی اس کامحبوب ہے، پیسہ ہی اس کادین ومذہب ہے......

(۱) بخاری[۶۰۷۲] باب مایُتّقیٰ من فتنۃ المال وقول اللہ تعالیٰ انما أموالکم وأولادکم فتنۃ......۔ نیز: مسلم[۱۰۴۸]

بلکہ پیسہ ہی اس کا خدا ہے..... پیسے کی خاطر وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہوئے دیوانہ وار آگے بڑھنے کی کوشش میں شب وروز تگ ودو میں مشغول رہتا ہے، پیسے کی خاطر حلال وحرام کی تمیز کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، پیسے کی خاطر کسی بھی لمحہ وہ وحشی درندہ بھی بن سکتا ہے، کسی بڑے جرم کا ارتکاب بھی کرسکتا ہے، بلکہ کسی بے گناہ کا خون تک بہا سکتا ہے.....مگر ایسے انسان کو یہ حقیقت یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی زندگی بھر کی اس تگ ودو، جدوجہد، دیوانگی وبے چارگی، نیز روپے پیسے کی خاطر درندگی وسفاکی اور جرائم کے ارتکاب کے باوجود ہمیشہ ''مفلس ومسکین'' اور ''محتاج وفقیر'' ہی رہے گا، اور زندگی کی آخری سانس تک ''دو اور دو چار'' کا یہ چکر اسے کبھی سکون واطمینان کی لذت سے آشنا نہ ہونے دے گا، اور وہ ھل من مزید کی فریاد اپنے ہونٹوں پر لئے ہوئے بے بسی وبے چارگی کے عالم میں اس عارضی وفانی دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوجائے گا، اس کے وارث اس کے چھوڑے ہوئے مال ودولت سے خوب عیش وعشرت اڑائیں گے، جبکہ وہ خود اس دنیا سے بھی روتا ہوا جائے گا، اور اگر اس کا وہ مال حرام ذرائع سے حاصل شدہ ہو، یا اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو، تو یہی مال اسے قبر میں بھی سکون نہ لینے دے گا، بلکہ سانپ اور بچھو بن کر قیامت تک اسے ڈستا رہے گا.....لہٰذا مؤمن کیلئے ضروری ہے کہ مال ودولت کے معاملے میں ہمیشہ صبر وقناعت سے کام لے، اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ ذہن نشیں رکھے: (مَا أُعطِيَ أَحَدٌ مِن عَطَاءٍ خَيراً وَ أَوسَعَ مِنَ الصَّبرِ) (۱) ترجمہ: (''صبر'' سے زیادہ بہتر اور کشادہ کوئی نعمت کبھی کسی کو عطا نہیں کی گئی) یعنی ''صبر وقناعت'' ایسی عظیم نعمت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت کبھی کسی انسان کو نصیب نہیں ہوسکتی۔

(۱) مسلم [۱۰۵۳] باب فضل الصبر والتعفف۔ یہی حدیث بخاری میں [۶۱۰۵] اس طرح مروی ہے: وَلَن تُعطُوا عَطاءً خَيراً وَ أَوسَعَ مِنَ الصَّبرِ۔

''شکرگذاری''مؤمن کی خاص صفت

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کوحکم دیتے ہوئے ارشادفرمایا:
﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ (۱) ترجمہ:(تم مجھے یادکرو، میں بھی تمہیں یادکروں گا، میری شکرگذاری کرواورناشکری سے بچو)
نیزارشادہے:﴿وَ اِن تَشْكُرُوا يَرضَهُ لَكُم﴾ (۲) ترجمہ:(اگرتم شکرادا کروتووہ [اللہ]اسےتمہارے لئے پسندکرے گا)
حقیقت یہ ہے کہ انسان پراس کے خالق ومالک کے بیشمار احسانات ہیں۔کتنی ہی ایسی نعمتیں ہیں جواللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو مانگے بغیرہی عطاءفرمارکھی ہیں۔اللہ نے ہی انسان کو پیدا کیا،زندگی عطاءفرمائی،رزق عطاءفرمایا،صحت وتندرستی سے نوازا،سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی،دیکھنے،سننے،اور بولنے کی قوت دی،یہ دل ودماغ،یہ ہاتھ پاؤں،آنکھیں، ناک،کان،سرسے پاؤں تک اس کا تمام وجودہی اللہ کی طرف سے احسانِ عظیم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
قرآن کریم میں ارشادہے:﴿وَ اِن تَعُدُّوا نِعمَتَ اللّٰهِ لَاتُحصُوها﴾ (۳) ترجمہ:(اوراگرتم اللہ کی نعمتیں شمارکرناچاہوتوانہیں شماربھی نہیں کرسکتے)
نیزارشادہے:﴿..... وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُم تَشْكُرُونَ﴾ (۴) ترجمہ:(..... اسی نےتمہارے کان اورآنکھیں اوردل بنائے تاکہ تم شکرادا کرو)

(۱)البقرۃ[۱۵۲] (۲)الزمر[۷] (۳)ابراہیم[۳۴] (۴)النحل[۷۸]

اسی طرح ارشاد ہے:﴿أَلَم نَجعَلْ لَهُ عَينَينِ وَلِسَاناً وَّ شَفَتَينِ ......﴾ (۱)
ترجمہ:(کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں؟ اور زبان اور ہونٹ نہیں بنائے......؟)
انسان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس تمام کائنات کو انسان کے سامنے مسخر کردیا ہے اور اس کی خدمت پر مامور فرمادیا ہے تاکہ انسان اس کائنات سے اپنی ضرورت ومصلحت کے مطابق استفادہ کرسکے۔قرآن کریم میں جابجا اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلَم تَرَوا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَا فِي الأَرضِ وَأَسبَغَ عَلَيكُم نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾ (۲) ترجمہ:(کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری وباطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿اَللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقاً لَّكُم ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الفُلكَ لِتَجرِيَ فِي البَحرِ بِأَمرِهٖ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الأَنهَارَ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمسَ وَ القَمَرَ دَائِبَينِ ، وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيلَ وَ النَّهَارَ﴾ (۳) ترجمہ:(اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے،اور آسمان سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کیلئے پھل نکالے ہیں،اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کردیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں،اسی نے ندیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کردی ہیں،اسی نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کردیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں)

(۱)البلد[۸-۹] (۲)لقمان[۲۰] (۳)ابراہیم[۳۲-۳۳]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان تمام احسانات اور بیشمار نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خلوصِ دل اور جذبۂ صادق کے ساتھ اپنے خالق و مالک اور محسن ومنعم کا شکرگذار بن کر رہے، اور ہر قسم کی ناشکری سے مکمل اجتناب کرے۔

شکرگذاری کی ضرورت واہمیت نیز اس کی فضیلت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث میں جابجا مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے عجز وانکسار، اطاعت وانقیاد اور تشکر وامتنان کا راستہ اپنایا، جبکہ اس کے برعکس فرعون اور قارون وہامان وغیرہ کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سرکشی وطغیانی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرکے اپنی بدبختی کا ثبوت دیا۔

☆.....مثلاً قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْماً وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِن عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۱) ترجمہ: (اور ہم نے یقیناً داؤد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا، اور دونوں نے کہا: تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے)

اس کے بعد مزید اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آخر میں پھر فرمایا: ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ﴾ (۱) ترجمہ: (بیشک یہ تو بالکل کھلا ہوا فضلِ الٰہی ہے)

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہی پھر یہی تذکرہ ہے کہ وہ اللہ کی

(۱) النمل [۱۵] (۲) النمل [۱۶]

نعمتوں کا مشاہدہ کرکے یوں گویا ہوئے: ﴿...... هٰذا مِن فَضلِ رَبّي، لِيَبلُونِي أَأَشكُرُ أَم أَكفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشكُرُ لِنَفسِهٖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ﴾ (۱) ترجمہ: (...... یہ تو میرے رب کا فضل ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگذاری کرتا ہوں یا ناشکری، جوکوئی شکرگذاری کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے [شکرگذاری] کرتا ہے، اور جو ناشکری کرے تو میرا رب یقیناً غنی [بے پرواہ] اور کریم ہے)

☆......اسی طرح قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ عرصۂ دراز اور سالہاسال کی جدائی وگم شدگی کے بعد جب ان کی اپنے والدین اور بھائیوں سے ملاقات ہوئی اور وہ سب یکجا ہوئے تو اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی شکوہ وشکایت یا نالہ وفریاد کی بجائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکرادا کرتے ہوئے یوں کہا: ﴿وَقَد أَحسَنَ بِي إِذ أَخرَجَنِي مِنَ السِّجنِ وَ جَآءَ بِكُم مِنَ البَدوِ مِن بَعدِ أَن نَزَغَ الشَّيطَانُ بَينِي وَ بَينَ إِخوَتِي إِنَّ رَبّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَآءُ إِنَّهُ هُوَ العَلِيمُ الحَكِيمُ﴾ (۲) ترجمہ: (اُس [اللہ] نے میرے ساتھ بڑا ہی احسان کیا جب کہ مجھے جیل خانے سے نکالا اور آپ لوگوں کو صحرا سے لے آیا' اس اختلاف کے بعد جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا، میرا رب جو چاہے اس کیلئے بہترین تدبیر کرنے والا ہے، اور بہت علم وحکمت والا ہے)

اس کے بعد آپ علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مزید احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے جذبۂ احسان مندی وشکرگذاری سے لبریز ہوکر اپنے رب سے مناجات میں اس طرح مشغول ہوگئے: ﴿رَبِّ قَد آتَيتَنِي مِنَ المُلكِ وَعَلَّمتَنِي مِن تَأوِيلِ الأَحَادِيثِ

(۱) النمل [۴۰] (۲) یوسف [۱۰۰]

فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرضِ أَنتَ وَلِيِّی فِي الدُّنيَا وَالآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِماً وَّ أَلحِقنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(اے میرے رب!تونے مجھے ملک عطاء فرمایااورتونے مجھے خواب کی تعبیر سکھائی،اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! توہی دنیاوآخرت میں میرا کارساز ہے،توجھے اسلام کی حالت میں فوت کراور مجھے نیکوں میں شامل فرمالے)۔

غورطلب بات یہ ہے کہ والدین سے سالہاسال کی جدائی اوران کیلئے فطری تڑپ' بیقراری وبے چینی کے باوجوداس ملاقات کے موقع پرآپ علیہ السلام نے والدین کے سامنے رورو کر بھائیوں کے مظالم' زہریلے حشرات الارض سے بھرپوراس بھیانک اور ویران وسنسان کنوئیں میں گذرنی والی تکلیف دہ کیفیات' یابے گناہی وبے قصوری کے باوجود سالہاسال تک جیل خانے میں قیدوبند کی صعوبتوں ومشقتوں کا تذکرہ کرکے رونے اور رلانے کی بجائے محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات وانعامات کا تذکرہ فرمایااوران احسانات پرانتہائی مؤثر ودل نشیں انداز میں جذبۂ شکرگذاری کااظہارفرمایا۔

☆..... خاتم الانبیاء والمرسلین' سیدالاولین والآخرین' رسول اللہ ﷺ کی کیفیت یہ تھی کہ طویل شب بیداری اورنوافل کے دوران مسلسل قیام کی وجہ سے آپؐ کے قدم مبارک کی جلد میں شگاف پڑجاتے تھے،نیز قدم مبارک سوج جایا کرتے تھے۔جیسا کہ حضرت مغیرہ فرماتے ہیں:(قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰی تَوَرَّمَت قَدَمَاه ، فَقِيلَ لَهٗ : غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ ، قَالَ : أَفَلَا أَكُونَ عَبداً شَكُوراً؟) (۲) ترجمہ:(نبی ﷺ رات کو[دورانِ نماز]اس قدرطویل قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے قدم

(۱)یوسف[۱۰۱] (۲)بخاری[۴۵۵۶]باب قولہ تعالیٰ:لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر.....۔

مبارک سوج جایا کرتے تھے۔آپ سے عرض کیا گیا کہ: اللہ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمارکھے ہیں؟اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں [اللہ کا] شکرگذار بندہ نہ بنوں؟'')۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنّ نبيّ اللّٰه ﷺ كان يقوم من اللّيل حتّىٰ تتفطّر قدماه ، فقالت عائشة : لم تصنع هذا يا رسول اللّٰه وقد غفر اللّٰه لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر؟ قال : أَفَلَا أُحِبُّ أَن أَكُونِ عَبداً شَكُوراً؟) (۱) ترجمہ:(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو[دورانِ نماز]اس قدر طویل قیام کیا کرتے تھے کہ آپؐ کے قدموں [کی جلد]میں شگاف پڑ جایا کرتے تھے۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! آپ اس قدر مشقت کیوں فرماتے ہیں .....جبکہ اللہ نے تو آپ کے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہ معاف فرمارکھے ہیں.....؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:''کیا میں شکرگذار بندہ بننا پسند نہ کروں؟'')

☆.....گذشتہ سطور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات وانعامات پر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے طرزِ عمل، نیز ان کے جذبۂ احسان مندی وشکرگذاری، اپنے خالق ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری اور ہمہ وقت اس کی حمد وثناء اور تسبیح وتحمید میں مشغول ومنہمک اور رطب اللسان رہنے کے اس تذکرہ کے بعد ذرہ ملاحظہ ہو کہ اس طرزِ عمل کے برعکس، اللہ کے احسانات وانعامات پر جذبہ تشکر وامتنان اور اطاعت وانقیاد کی بجائے کفرانِ نعمت، تکبر وغرور، فخر ومباہات، نافرمانی وروگردانی اور سرکشی وطغیانی کن لوگوں کا شیوہ وشعار ہے؟

(۱) بخاری[۴۵۵۷]باب قولہ تعالیٰ:لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر.....۔

☆......قرآن کریم میں قارون کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ اللہ نے اسے بے انتہاء مال ودولت اور بے حدوحساب خزانوں اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا۔لیکن جب اسے اس بات کی تلقین کی گئی کہ وہ ان نعمتوں اور مال ودولت کی فراوانی و بہتات پرفخر وغرور کی بجائے اپنے محسن ومنعم کی اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اپنائے،اپنی آخرت سنوارنے کی کچھ فکر کرے اوراللہ کے دیئے ہوئے اس مال ودولت اوران خزانوں میں سے کچھ حصہ بندگانِ خدا کی مدد' انسانیت کی فلاح وبہبوداورخدمتِ خلق کی راہ میں خرچ کرے...... تو وہ فوراً ہی مشتعل اورآگ بگولہ ہوگیا،اللہ کی نعمتوں کا یکسرانکارکرتے ہوئے' نیز حددرجہ ناشکری' بے مروتی اور بے حسی وسنگدلی کامظاہرہ کرتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی شروع کردی: ﴿...... اِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي﴾ (۱) یعنی :''...... یہ سب کچھ تو میں نے خوداپنے ہی علم اورذاتی دانش وحکمت سے کمایا ہے)

☆...... اسی طرح قرآن کریم میں فرعون کے بارے میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اللہ کی طرف سے جب یہ حکم سنایا کہ وہ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے سے بازآجائے،ظلم وستم' کشت وخون اورمردم آزاری کا یہ سلسلہ اب بند کردے......تو وہ اس حکمِ خداوندی اورفرمانِ الٰہی کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے کی بجائے نافرمانی وروگردانی پر اَڑ گیا،اورفوراً ہی اپنی بے حسی وبدبختی اورحددرجہ سرکشی وطغیانی کاثبوت پیش کرتے ہوئے خوداپنی ہی خدائی کادعویٰ کربیٹھا،اوریوں گویاہوا:﴿...... أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (۲) یعنی:(تم سب کا بڑااورحقیقی رب تو میں خودہی ہوں......)۔

گذشتہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شکرگذاری و

(۱)القصص[۷۸] (۲)النازعات[۲۴]

احسان مندی اوراطاعت وفرمانبرداری انبیاء وصلحاء کا' جبکہ اس کے برعکس ناشکری ونافرمانی اورسرکشی وطغیانی فرعون وقارون اوران کے ہم خیال وہمنوا قسم کے لوگوں کا شیوہ وشعار ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابلیس کو جب ملعون ومردود قرار دیتے ہوئے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تو اس وقت اس نے قسم کھائی کہ چونکہ اسے آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑا ہے، لہٰذا وہ اولادِ آدم سے اپنی اس بے عزتی کا انتقام ضرور لے گا، اوراولادِ آدم کو بھی اس جنت سے دوراورمحروم رکھنے کی ہرممکن سعی وکوشش کرے گا، انہیں صراطِ مستقیم سے گمراہ وبرگشتہ کرنے کیلئے ہرطرف سے ان پرحملہ آور ہوگا، کبھی سامنے سے کبھی پیچھے سے' کبھی دائیں طرف سے اور کبھی بائیں طرف سے.....!!

اور پھر مزید یہ دھمکی بھی دی کہ جس کا تذکرہ قرآن کریم میں اس طرح ہے:﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُم شَاكِرِينَ﴾ (۱) ترجمہ:(ان میں سے اکثر کو تو شکرگذار نہ پائے گا)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے ابلیس نے اس بات کا عزم کیا کہ:''اے اللہ! ابنِ آدم کے بارے میں اتنا کارنامہ تو میں ضرور انجام دے کر ہی رہوں گا کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہوگا کہ آپ کی عطاء کردہ تمام تر نعمتوں کے باوجود یہ بس آپ کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے.....''۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناشکری کرنے والا انسان دراصل شیطان کے زیرِ اثر ہے، اپنے خالق ومالک اورمحسن ومنعم کو ناراض کررہا ہے، اوراپنے بدترین دشمن یعنی شیطان کو خوش کررہا ہے۔ اگر اسے اللہ کی خوشنودی ورضامندی کی طلب وجستجو ہوتی تو

(۱) الاعراف [۱۷]

وہ یقیناً اس کی ناشکری کی بجائے شکرگذاری واحسان مندی کا راستہ اختیار کرتا، اور اسے اس ارشادِ ربانی کی اہمیت کا احساس ہوتا: ﴿وَ اِن تَشۡكُرُوا يَرضَهُ لَكُم﴾ (۱) ترجمہ: (اگر تم شکر ادا کرو تو وہ [اللہ] اسے تمہارے لئے پسند کرے گا)

☆ شکر کی حقیقت:

شکر کی حقیقت کے بارے میں درجِ ذیل تین باتوں کو سمجھنا اور پھر انہیں اپنانا ضروری ولازمی ہے:

(۱)..... انسان اپنے پاس موجود کسی بھی نعمت یا خوبی کو اپنا ذاتی کمال اور اپنا استحقاق تصور کرنے اور پھر اس کے بل بوتے پر تکبر وغرور اور خود پسندی وخودنمائی نیز دوسروں کی تحقیر وتذلیل کی بجائے اس نعمت کو خالصۃً اپنے خالق ومالک کی طرف سے عطیہ اور احسان وانعام تصور کرے اور تہِ دل سے اس کی شکرگذاری واحسان مندی بجالائے۔

(۲)..... دل کی گہرائیوں میں رچے بسے ہوئے اس جذبۂ شکرگذاری واحسان مندی کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی انہی جذبات کا اقرار واظہار کیا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ أَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّث﴾ (۲) ترجمہ: (اور اپنے رب کی نعمتوں کو تو بیان کرتا رہ)۔

(۳).....شکرگذاری واحسان مندی کے ان جذبات کا اپنی عملی زندگی میں بھی اقرار واظہار کیا جائے، اپنی ہر نقل وحرکت اور ہر قول وفعل میں اس کا عملی ثبوت پیش کیا جائے، ان تمام نعمتوں کو اس منعم ومحسن کی مرضی اور اس کی مقرر فرمودہ حدود وقیود کی مکمل رعایت وپابندی کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

(۱) الزمر [۷] (۲) الضحیٰ [۱۱]

خلاصہ یہ کہ شکر محض اس چیز کا نام نہیں کہ انسان اٹھتے بیٹھتے بس اپنی زبان سے ''الحمدللہ'' کا ورد کرتا رہے..... جبکہ اسے اپنے عمل اور سیرت وکردار کی اصلاح کی طرف نہ کوئی توجہ ہو اور نہ ہی کوئی فکر یا جستجو.....!!

بلکہ شکر کی حقیقت تو یہ ہے کہ دل بھی جذبۂ شکرگذاری واحسان مندی سے لبریز وسرشار ہو، زبان سے بھی اس کا اقرار واظہار ہو، اور انسان کی تمام زندگی بھی اس محسن کی مرضی' اس کے احکام اور اس کی تعلیمات وہدایات کے مطابق بسر ہو۔

☆شکرگذاری کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے چند مفید نسخے:

(۱)''رزقِ حلال'' کا اہتمام والتزام:

شکرگذاری کی توفیق صرف اسی انسان کو نصیب ہوسکتی ہے جس کا رزق حلال ہو، حرام کھانے والے انسان کو کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوگی ،اس طرح وہ ''شکرگذاری'' کے عظیم فوائد وبرکات سے محروم رہے گا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُلُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُم وَاشْکُرُوا لِلّٰهِ اِن کُنتُم اِیَّاهُ تَعبُدُونَ﴾ (۱) ترجمہ:(اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ' اور اللہ کا شکر ادا کرو' اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو)

غور طلب بات ہے کہ اس آیت میں حلال وپاکیزہ رزق کھانے کے حکم کے بعد فوراً ہی اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق تب ہی نصیب ہوسکے گی کہ جب رزقِ حلال کا اہتمام ہو اور رزقِ حرام سے مکمل گریز

(۱)البقرۃ[۱۷۲]

اوراجتناب ہو۔

(۲)اللہ کے عذاب سے حفاظت ونجات کا ذریعہ:

''شکرگذاری'' کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے اس بارے میں غوروفکر کرنا چاہئے کہ ہرمسلمان کی یقیناًیہ سب سے بڑی خواہش وآرزو ہے کہ اسے دنیاوآخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے معافی ومغفرت' نیزاس کے عذاب سے نجات وحفاظت نصیب ہوجائے۔اس مقصد کیلئے یہ بات ذہن نشیں رہے کہ قرآن کریم میں اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے یہ خوشخبری اور یہ وعدہ ہے کہ جب تک وہ صدق واخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہیں گے اورخلوصِ دل سے اُس کا شکر بجالاتے رہیں گے اس وقت تک وہ انہیں عذاب سے محفوظ ومامون رکھے گا۔

چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿مَا يَفْعَلُ اللّهُ بِعَذَابِكُم إِن شَكَرْتُم وَآمَنتُم وَكَانَ اللّهُ شَاكِراً عَلِيماً﴾ (۱) ترجمہ:(اللہ تمہیں عذاب دے کرکیا کریگا؟اگرتم شکرگذاری کرتے رہواور باایمان رہو،اللہ بہت قدرکرنے والا اور پوراعلم رکھنے والا ہے)

(۳)خوشحالی وآسودگی میں اضافہ وترقی کا سبب:

یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے،اپنی ترقی وبہتری کی خاطر وہ زندگی بھرتگ ودو میں مشغول ومنہمک رہتا ہے۔

اس مقصد کیلئے اسلامی آداب وتعلیمات اورشرعی حدود کے اندررہتے ہوئے انسان جوبھی ترکیب وتدبیر مناسب سمجھے اسے اپنالے۔مگر جونسخہ خوداللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بتایا ہے اسے ضروراختیارکرے، کیونکہ انسان اپنی عقل ودانش کے مطابق ازخود جوبھی طریقہ اختیارکریگا

(۱)النساء[۱۴۷]

اس میں یقیناً نفع ونقصان دونوں ہی چیزوں کا احتمال ہوگا۔جبکہ اس مقصد کیلئے اللہ کا بتایا اور سکھایا ہوا طریقہ تو یقیناً مفید ہی ہوگا اور اس میں کسی خسارے کا کوئی امکان یا اندیشہ ہرگز نہیں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس بارے میں اللہ کا بتایا اور سکھایا ہوا طریقہ کیا ہے؟

اس سوال کے جواب کیلئے اس ارشادِ ربانی میں ذرہ غور کیا جائے:﴿وَاِذ تَـأَذَّنَ رَبُّـكُـم لَـئِـنْ شَـكَـرتُـم لَأَزِيـدَنَّـكُـم﴾ (۱) ترجمہ:(اور جب تمہارے رب نے یہ اعلان فرمادیا کہ اگر تم شکر ادا کروگے تو بیشک میں تمہیں اور زیادہ دوں گا)

لہٰذا اس بات کو خوب یاد رکھا جائے کہ اللہ کی عطاء فرمودہ نعمتوں اور آسودگی وخوشحالی میں مزید ترقی واضافہ اور خیروبرکت کیلئے اللہ کی شکر گذاری واحسان مندی ضروری ہے۔

(۴)نعمتوں کے تحفظ وبقاء کا ذریعہ:

انسان کیلئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے حالات میں بہتری وترقی کیلئے تگ ودو اور جدوجہد کی بنسبت زیادہ فکروجستجو اس بات کی کرے کہ جو نعمتیں پہلے سے اسے میسر ہیں کہیں وہ خدانخواستہ ان سے بھی محروم نہ ہوجائے......!!

فرض کیجئے کہ کسی شخص نے کسی کی کوئی مالی اعانت کی' یا کوئی چیز اسے دی، اس پر وہ شخص خوشی ومسرت اور جذبۂ شکر ونیازمندی کے اظہار کی بجائے' یا کم ازکم یہ کہ خاموشی اختیار کرنے کی بجائے الٹا ناراضگی وناگواری کا اظہار کرے......ایسی صورتِ حال میں اس کی اعانت ومدد کرنے والا شخص یقیناً اسے یہی کہے گا کہ بھائی میری دی ہوئی چیز اگر تمہیں پسند نہیں تو میں اپنی یہ چیز تم سے واپس لے لیتا ہوں' تاکہ تمہاری یہ تکلیف وناگواری دور ہوجائے......اور

(۱)ابراہیم[۷]

چونکہ دنیا میں بیشمار ایسے لوگ ہیں جو شدت و بے چینی کے ساتھ اس چیز کے منتظر وطلب گار ہیں.....لہٰذا میں ان میں سے کسی کو یہ چیز دے دوں گا تو وہ انتہائی خوش اور شاد مان ہوجائے گا.....!!

اس مثال سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بعینہٖ یہی صورتِ حال اس انسان کے ساتھ بھی پیش آسکتی ہے جو اپنے خالق و مالک کی شکرگذاری واحسان مندی کی بجائے ہمیشہ شکوہ وشکایت ہی کرتا رہتا ہو.....ایسے انسان کو یہ سوچ کر اپنے اس رویے سے اور اس عادت سے باز آجانا چاہئے اور توبہ واستغفار کی فکر کرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہو کہ جو کچھ مجھے نصیب ومیسر ہے، میری ناشکری وناقدری کی وجہ سے اللہ وہ بھی مجھ سے واپس نہ لے لے.....!!

(۵) اپنے سے کم حیثیت افراد پر نظر:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(أُنظُر اِلَىٰ مَن تَحتَكَ وَلَا تَنظُر اِلَىٰ مَن فَوقَكَ، فَاِنَّهُ أَجدَرُ أَن لَا تَزدَرِي نِعمَةَ اللّٰهِ عِندَكَ) (۱) ترجمہ:(ہمیشہ اس شخص کی طرف دیکھو جو تم سے کم حیثیت ہو، جو کوئی تم سے بلند حیثیت ہو اس کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤ، اس طرح تم اپنے پاس موجود اللہ کی نعمتوں کی ناقدری سے بچ سکو گے)۔

لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں یہ اسلامی تعلیم ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ انسان کی نظر ہمیشہ ان لوگوں پر رہے جو مال ودولت، جاہ ومنصب یا اور کسی بھی اعتبار سے اس سے کم حیثیت رکھتے ہوں۔تاکہ اس طرح اس میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔کیونکہ اس کے برعکس انسان کی نظر اگر اپنے سے بلند مرتبہ ومقام اور زیادہ حیثیت والے افراد پر رہے گی تو اسے کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوگی، بلکہ وہ تو الٹا احساسِ محرومی وکمتری کا

(۱) ابن حبان[۳۶۱]ج:۲ص:۷۶۔

شکار ہوجائے گا، طرح طرح کے وسوسے اسے ستانے لگیں گے، ناشکری کے گناہ اور دنیا وآخرت میں اس کی نحوست ووبال کے علاوہ مزید یہ کہ وہ مختلف ذہنی ونفسیاتی ' نیز اخلاقی امراض میں مبتلا ہوجائے گا، حسد' جلن' چڑچڑاپن' دوسروں کو لوٹ لینے اور چھین لینے جیسے جرائم کی طرف رغبت ومیلان اور انتہائی خطرناک قسم کے جذبات ورجحانات اس کے دل ودماغ پر اپنا تسلط جمانے لگیں گے، اور یوں وہ ہمیشہ زندگی بھر بس سلگتا اور جلتا ہی رہے گا.....!!

لہٰذا خود سے بلند حیثیت افراد کو دیکھنے کی بجائے ہمیشہ کم حیثیت افراد پر نظر رہے' تاکہ اس طرح دل میں اللہ کی شکرگذاری واحسان مندی کا جذبہ بیدار ہو اور یوں انسان اپنے لئے ہلاکت وبدبختی کا سامان کرنے کی بجائے سعادت مندی اور اللہ کی طرف سے مزید خیر وبرکت اور اس کی رحمتوں اور نوازشوں کا حقدار بن سکے۔

(۶) ''معدوم'' کی بجائے ''موجود'' پر نظر:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (۱) ترجمہ: (اور اپنے رب کی نعمتیں بیان کرتا رہ)

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ''موجود'' کو دیکھے اور معدوم کی فکر چھوڑ دے، یعنی جو نعمتیں اسے نصیب ومیسر ہیں اس کی نظر بس انہی پر رہے' انہیں دیکھ کر وہ خوش ہوتا رہے، اٹھتے بیٹھتے انہی کا تذکرہ کرتا رہے، اور ان کے بارے میں سوچ سوچ کر اور انہی کا تصور کرکے اللہ کا شکر ادا کرتا رہے، اور یہ کہ ''معدوم'' کی حسرت اور اس کا غم چھوڑ دے، یعنی جو نعمت اسے میسر نہیں ہے اس کی حسرت کرنے اور اس کے غم میں

(۱) الضحیٰ [۱۱]

رونے دھونے سے باز رہے۔

اس کی مزید وضاحت اس مثال سے ہوجانی چاہئے کہ فرض کیجئے کہ ایک شخص کی جیب میں سوسو روپے کے دونوٹ ہوں، ان میں سے ایک نوٹ اگر کہیں گر جائے یا گم ہوجائے تو اس خسارے پر رنج وافسوس تو یقیناً طبعی وفطری امر ہے، مگر اس رنج وافسوس کو اپنے دل ودماغ پر مسلط نہ کرے، بس اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ پڑھے اور بے غم ہوجائے، اس خسارے کو بھول جائے، اور یہ سوچ کر خوش رہنے کی کوشش کرے کہ اللہ کا شکر ہے کہ صرف ایک ہی نوٹ گم ہوا ہے، دونوں گم نہیں ہوئے، اگر دونوں ہی گم ہوجاتے تو میں کیا کرلیتا.....؟ لہٰذا یہ تو میری خوش قسمتی ہوگئی کہ صرف ایک ہی نوٹ گم ہوا ہے اور دوسرا ابھی تک میرے پاس محفوظ ہے.....!!

اسی طرح فرض کیجئے کہ خدانخواستہ کسی کی گاڑی کا کسی دوسری گاڑی کے ساتھ تصادم ہوجائے تو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ کا شکر ہے کہ گاڑی کے ساتھ ہی تصادم ہوا ہے، اگر خدانخواستہ کسی ٹرک یا بس یا ریل گاڑی کے ساتھ تصادم ہوجاتا تو کیا بنتا.....؟

واقعہ مشہور ہے کہ کسی شخص کا دورانِ سفر کسی مقام پر جوتا گم ہوگیا، جس پر اسے بہت ہی رنج ہوا، نئی جگہ' نیا شہر' اور پھر یہ پردیسی اور مسافر انسان' کچھ اندازہ بھی نہیں کہ اب نیا جوتا کہاں سے مل سکے گا.....؟ ایسے میں یہ شخص اداس اور پریشان اور ننگے پاؤں شرمندہ شرمندہ لوگوں کے ہجوم میں جب بازار میں جوتوں کی کسی دکان کی تلاش میں گھوم رہا تھا اور اپنی قسمت کو کوس رہا تھا..... تو ایسے میں اچانک اس کی نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کے پاؤں ہی نہیں تھے اور وہ بے چارہ اس قدر رش اور پرہجوم بازار میں گھسٹتا پھر رہا تھا..... یہ منظر دیکھ کر یہ شخص لرز گیا اور اسے عبرت حاصل ہوئی اور محض تھوڑی دیر قبل تک خود کو بدنصیب سمجھنے

والا یہ انسان اب خود کو خوش نصیب تصور کرتے ہوئے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگا کہ جوتا گم ہوگیا تو کیا ہوا؟ الحمدللہ پاؤں تو سلامت ہیں، جوتے کا کیا ہے؟ ابھی یہاں کسی دکان سے نیا مل جائے گا، لیکن اگر خدانخواستہ میرے پاؤں ہی نہ ہوتے تو میں کیا کرتا.....؟

غرضیکہ اسی طرح ہر معاملے میں انسان کو یہی اندازِ فکر اختیار کرنا چاہئے کہ میں جس نقصان سے دوچار ہوگیا ہوں اس سے بڑا نقصان بھی تو ہوسکتا تھا.....اس سے بڑی کوئی مصیبت بھی تو آسکتی تھی.....مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بڑی مصیبت سے محفوظ ومأمون رکھا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن أَصْبَحَ مِنكُم آمِناً فِي سِرْبِهِ ، مُعَافىً فِي جَسَدِهِ ، عِندَهُ قُوتُ يَومِهِ ، فَكَأَنَّمَا حِيزَت لَهُ الدُّنيَا بِحَذَافِيرِهَا) (۱)

ترجمہ: (جس شخص کی صبح اس حال میں ہوئی کہ اسے اپنے ٹھکانے میں امن وامان میسر ہو، اس کا جسم صحیح سلامت ہو، اس کے پاس اُس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو، گویا دنیا کی تمام تر نعمتیں اس کے سامنے حاضر کردی گئیں)۔

یعنی جب انسان کو کسی قسم کا کوئی جانی یا مالی خطرہ لاحق نہ ہو، صحت وتندرستی بھی نصیب ہو، کھانے کا انتظام بھی موجود ہو.....تو پھر اسے اور کیا چاہئے.....؟

مقصد یہ کہ انسان اپنے اندر قناعت کا جذبہ پیدا کرے، جھوٹی تمناؤں اور خوابوں کی دنیا سے باہر آئے، سراب کے پیچھے دوڑتے رہنے سے باز آجائے، جو چیز اس کے پاس نہیں ہے اس کا غم چھوڑ دے، اور جو کچھ اسے نصیب ہے اس کی نظر اسی پر رہے، اس پر وہ راضی اور خوش رہے اور اپنے خالق ومالک کا شکرگذار بنا رہے.....اسی میں اس کیلئے ذہنی سکون، دلی

(۱) ابن ماجہ [۴۱۴۱] یہی حدیث ترمذی [۲۳۴۶] میں بھی مروی ہے، البتہ اس میں آخر میں ''بحذافیرہا'' کے الفاظ نہیں ہیں۔

اطمینان' روحانی مسرت وشادمانی اوردونوں جہانوں میں سعادت مندی وکامیابی کاراز پوشیدہ ہے.....!!!

(۷) کبروغرور سے پرہیز:

جس طرح فقروفاقے' مرض' یااورکسی تنگی وپریشانی میں گرفتارانسان کے بارے میں یہ اندیشہ رہتاہے کہ کہیں اس کے پائے استقامت میں لغزش نہ آجائے اوروہ صبروشکرکادامن نہ چھوڑ بیٹھے..... بعینہٖ اسی طرح اس صورتِ حال کے برعکس خوشحالی وآسودگی اور مال ودولت کی کثرت وفراوانی یااورکسی نعمت سے مالامال انسان کے بارے میں بھی بسااوقات یہی اندیشہ لاحق ہوجاتاہےاوریہی صورتِ حال پیش آجاتی ہے.....اورایساشخص ان نعمتوں پراپنے خالق ومالک اورمنعم ومحسن کی شکرگذاری واحسان مندی اوراس کے سامنے عجزونیاز اوراطاعت وانقیادکی بجائے فخروغرورمیں مبتلاہوجاتاہے،اوران نعمتوں کواپناذاتی کمال سمجھتے ہوئے منعمِ حقیقی سے دوری وروگردانی اختیارکرنے لگتاہے.....!

حالانکہ انسانیت' شرافت اورمروت کاتقاضاتویقیناًیہ ہے کہ بندے کیلئے اس کے خالق ومالک کی طرف سے جس قدرنعمتوں اوراحسانات میں اضافہ ہو'اسی قدربندے کی طرف سے بھی اپنے خالق ومالک اورمنعم ومحسن کی شکرگذاری واحسان مندی' اس کی اطاعت وفرمانبرداری' اوراس کے سامنے عجزوانکسارکے جذبات میں بھی ترقی واضافہ ہوتا چلا جائے،اس مہربان آقاکے سامنے اس کی جبینِ نیازجھکتی چلی جائے،اوراس کی ناشکری ونافرمانی کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہو،نیز یہ خوف دامن گیررہے کہ کہیں ایسانہوکہ اس کی کسی حرکت یالغزش سے ناراض ہوکروہ منعم ومحسن اپنی عطاءکردہ نعمتیں واپس لے لے.....!!

☆..... لہٰذا انسان کو اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں پر تکبر وغرور کی بجائے یہ سوچ کر شکرگذاری واحسان مندی اور عجز وانکسار کا راستہ اختیار کرنا چاہئے کہ ''اللہ جس طرح نعمتیں دینے پر قادر ہے اسی طرح وہ اپنی دی ہوئی نعمتیں واپس لینے پر بھی خوب قادر ہے۔

''شرم وحیاء''

''شرم وحیاء'' مرد کی زینت اور عورت کا زیور ہے، اسلامی تعلیمات وآداب کی رو سے ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ حیادار اور باوقار ہو، بے حیائی 'فحش گوئی' اور ہر لغو بات اور بیہودہ گفتگو سے پرہیز کرے، قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ:﴿هُم عَنِ اللّغوِ مُعرِضُونَ﴾ (۱) ترجمہ: (جو لغویات سے منہ موڑ لیتے ہیں) یعنی اہلِ ایمان کی شان اور ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر لغو وبیہودہ بات یا بیہودہ کام سے پرہیز کرتے ہیں۔

شرم وحیاء ایسی اہم ترین صفت ہے کہ جس پر انسانیت' شرافت' عزت' عفت' راست بازی پاکبازی وپاکدامنی کی بنیاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ حیاء اخلاق کی روح اور ہر خیر وخوبی کا منبع وسرچشمہ ہے، جبکہ بے حیائی ہر برائی کی جڑ ہے۔

حیاء کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ (حیاء) تو خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات میں سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ اللّهَ تَعَالىٰ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَستَحِي اِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ اِلَيهِ يَدَيهِ أَن يَرُدَّهُمَا صِفراً خَائِبَينِ) (۲) ترجمہ: (اللہ تو انتہائی باحیاء اور بہت ہی مہربان ہے، جب کوئی بندہ دعاء کیلئے اس کی طرف اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اسے خالی ہاتھ اور نامراد لوٹاتے ہوئے اللہ کو حیاء محسوس ہوتی ہے)۔

نیز حیاء انبیائے کرام علیہم السلام کا خاص وصف ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں

(۱) المؤمنون [۳]

(۲) ترمذی [۳۵۵۶] ابوداؤد [۱۴۸۸] ابن حبان [۸۷۶] عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔

حدیث میں ہے کہ: (كَـان أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ العَذرَاءِ فِي خِدرِهَا) (۱)یعنی:''آپؐ کسی پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے''۔

بلکہ حیاء تو ایمان کا لازمی جزء ہے اور مؤمن کی خاص پہچان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(لِكُلِّ دِينٍ خُلُقٌ وَ خُلُقُ الإِسْلَامِ الحَيَاء) (۲) ترجمہ:(ہر دین کا ایک خاص اخلاق ہوا کرتا ہے،اور دینِ اسلام کا خاص اخلاق ''حیاء'' ہے) یعنی دنیا میں جتنے مختلف مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماننے والوں اور پیروکاروں کا کوئی خاص مزاج ہوا کرتا ہے اور ان میں ایسی کوئی خاص صفت یا عادت نمایاں ہوتی ہے جو انہیں دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے اور جسے ان کی شناخت سمجھا جاتا ہے،اسی طرح دینِ اسلام کا بھی ایک خاص امتیازی وصف اور ایک خاص پہچان ہے،اور وہ ہے:''شرم وحیاء''۔

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(اَلحَيَاءُ شُعبَةٌ مِنَ الإِيمَان) (۳) ترجمہ:(حیاء تو ایمان کا حصہ ہے)

اسی طرح ارشادِ نبویؐ ہے:(الحَيَاءُ وَالإِيمَانُ قُرَنَاءُ جَمِيعاً ، فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الآخَرُ) (۴) ترجمہ:(حیاء اور ایمان دونوں ساتھی ہیں،دونوں میں سے کوئی ایک اگر ختم ہو جائے تو دوسری چیز بھی ضرور ختم ہو جائے گی)

یعنی ایمان اور حیاء دونوں لازم وملزوم ہیں،ایمان ہوگا تو حیاء بھی ہوگی ،اور جس کسی میں حیاء نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس میں ایمان بھی نہیں ہے۔

(۱) بخاری[۳۳۶۹][۵۷۵۱][۵۷۶۸] مسلم[۳۲۲۰] (۲) ابن ماجہ[۴۱۸۱]

(۳) بخاری[۹] باب قول اُمور الایمان وقول اللہ تعالیٰ: لیس البرأن تولوا وجوھکم۔

(۴) الترغیب والترہیب[۳۹۹۷] بعض روایات میں قُرِنَا جَمِيعاً کے الفاظ ہیں۔الأدب المفرد[۱۳۱۳]

''حیاء'' جنت میں داخلے کا سبب ہے، جبکہ بے حیائی انسان کو جہنم تک پہنچاتی ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے: (اَلحَیَاءُ مِنَ الإِیمَانِ وَالإِیمَانُ فِي الجَنَّةِ ، وَالبَذَاءَ ةُ مِنَ الجَفَاءِ وَالجَفَاءُ فِي النَّارِ) (۱) ترجمہ: (حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت تک پہنچاتا ہے، جبکہ بے حیائی سنگدلی کا حصہ ہے اور سنگدلی جہنم تک پہنچاتی ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلحَیَاءُ لَایَأتِي اِلَّا بِخَیرٍ) (۲) ترجمہ: (حیاء سے صرف بھلائی ہی پہنچتی ہے)

لہٰذا ایسا وصف جس میں انسان کیلئے' بلکہ تمام انسانی معاشرے کیلئے بھلائی ہی بھلائی ہو' اور جو ایمان کا لازمی جزو ہو' مسلمان کو اس کی زیادہ سے زیادہ پاسداری اور حفاظت کرنی چاہئے۔

''حیاء'' ایک ملکوتی صفت ہے، حیادار شخص انسانی روپ میں فرشتہ ہے، جبکہ بے حیاء شخص انسانی شکل میں بھیڑیا ہے' بلکہ وحشی درندہ ہے، ایسا شخص کسی بھی برائی یا بڑے سے بڑے جرم کا بڑی بے خوفی سے ارتکاب کرسکتا ہے، یہی مفہوم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہے: (اِذا لَم تَستَحِ فَاصنَع مَا شِئتَ) (۳) ترجمہ: (جب تمہیں حیاء نہ آئے' تو جو چاہو کرو) یعنی جب انسان کی شرم وحیاء ہی رخصت ہو جائے تو اب جو اس کے جی میں آئے گا وہ کرتا پھرے گا۔ مثال مشہور ہے: ''بے حیا باش' وہر چہ خواہی کُن''۔

نیز ارشادِ نبویؐ ہے: (مَا کَانَ الحَیَاءُ فِي شَیءٍ اِلَّا زانَهٗ ، وَ مَا کَانَ الفُحشُ فِي شَیءٍ اِلَّا شَانَهٗ) (۴) ترجمہ: (حیاء جس چیز میں بھی ہوگی اس میں رونق' خوبصورتی

(۱) ابن حبان [۵۷۰۴] ابن ماجہ [۴۱۸۴] (۲) بخاری [۵۷۶۶] مسلم [۳۷]
(۳) بخاری [۵۷۶۹] احمد [۱۷۱۳۹] ابوداؤد [۴۷۹۷] (۴) ترمذی [۱۹۷۴] ابن ماجہ [۴۱۸۵]

اور خیر وخوبی نمایاں ہوجائے گی، اور بے حیائی جس چیز میں بھی ہوگی اسے بدنما اور عیب دار بنادے گی)۔

''شرم وحیاء'' کی اہمیت اور اس کے برعکس بے حیائی کی قباحت وشناعت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں ''نماز'' جیسی اہم ترین عبادت کی حکمتوں اور بندے کیلئے اس کے عظیم فوائد وثمرات میں سے ایک فائدہ یہ بیان کیا گیا کہ : ﴿اِنَّ الصَّلَاۃَ تَنھٰی عَنِ الفَحشَاءِ وَ المُنکَرِ﴾ (۱) ترجمہ:(نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برائی سے)

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نہایت تاکید کے ساتھ ہر قسم کی فحاشی و بے حیائی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَ الاِحسَانِ وَاِیتَاءِ ذِي القُربیٰ وَ یَنھیٰ عَنِ الفَحشَاءِ وَالمُنکَرِ وَ البَغيِ یَعِظُکُم لَعَلَّکُم تَذَکَّرُونَ﴾ (۲) ترجمہ:(بیشک اللہ حکم دیتا ہے عدل کا' احسان کا' اور قرابت داروں کو دینے کا، اور روکتا ہے بے حیائی کے کاموں سے' برائی سے اور ظلم وزیادتی سے، وہ تمہیں نصیحت فرمارہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو)

بلکہ فحاشی و بے حیائی اور بے شرمی کی بے پناہ مضرتوں اور انسانی معاشرے کیلئے اس کی لامحدود تباہ کاریوں کے پیشِ نظر قرآن کریم میں بے حیائی کے قریب پھٹکنے سے بھی باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:﴿وَلَاتَقرَبُوا الفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنھَا وَ مَا بَطَنَ﴾ (۳) ترجمہ:(اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ' خواہ وہ علانیہ ہوں'

(۱)العنکبوت[۴۵] (۲)النحل[۹۰] (۳)الانعام[۱۵۱]

خواہ پوشیدہ)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿قُل اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنهَا وَ مَا بَطَنَ وَالاِثمَ وَ البَغيَ بِغَيرِ الحَقِّ﴾ (۱) ترجمہ:(آپ فرمادیجئے کہ یقیناً میرے رب نے حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں' اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو)

اس آیت میں بطورِ خاص ''رب'' کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یقیناً وہ اللہ ہی اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے جس میں انسان بھی شامل ہے، اور خالق کا علم یقیناً مخلوق کے علم سے بڑھ کر ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا علم کامل ہے، بندے کا علم ناقص ہے، انسان کیلئے کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز مضر؟ کس کام میں اس کیلئے بہتری ہے اور کس کام میں نقصان اور خرابی؟ اس بارے میں خود انسان سے بھی زیادہ علم اللہ کو ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:﴿أَلَا يَعلَمُ مَن خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الخَبِيرُ﴾ (۲) ترجمہ:(کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ جبکہ وہ باریک بین اور باخبر بھی ہے)

یعنی یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس اللہ نے خود انسان کو پیدا کیا وہ اس کے دل کی کیفیات ' یا اس کے پوشیدہ رازوں کو' یا اسی طرح اس کیلئے خیر اور شر' منفعت اور مضرت کو نہ پہچان سکے؟۔

لہٰذا جب خود انسان کے ''رب'' نے اسے فحاشی و بے حیائی سے باز رہنے کا حکم دیا ہے تو یقیناً اس میں انسان کیلئے ہی کوئی بڑی حکمت اور منفعت و مصلحت پوشیدہ ہے اور اس حکم کی تعمیل میں ہی اس کیلئے دونوں جہانوں میں عافیت وسلامتی کا سامان ہے۔

(۱) الأنفال[۳۳] (۲) الملک[۱۴]

''اعتدال''

یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ افراط وتفریط' انتہاء پسندی' غلو' شدت اور بے اعتدالی ایسی صفات یا خصوصیات ہیں جنہیں کبھی مفید یا پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا، شدت پسندی کے نتائج وثمرات کبھی اچھے نہیں نکلے۔

جبکہ اس کے برعکس ہر معاملے میں اعتدال ومیانہ روی کو اختیار کرتے ہوئے بے جا سختی سے اجتناب کو ہمیشہ قابلِ تعریف قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتائج ہمیشہ ہی خوش کُن اور مفید ومُثمر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِنَّ الرِّفْقَ لَایَکُونُ فِي شَيءٍ اِلَّازَانَهٗ ، وَلَایُنزَعُ مِن شَيءٍ اِلّا شَانَهٗ) (۱) ترجمہ: (جس کام میں نرمی برتی جائیگی اس میں خیر وخوبی اور خوبصورتی پیدا ہوجائیگی، جبکہ جس کام میں سختی برتی جائیگی وہ بدنما اور عیب دار ہوجائیگا)

نیز ارشاد ہے: (اِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفقَ ، وَيُعطِي عَلَىٰ الرِّفقِ مَالَا يُعطِي عَلَىٰ العُنفِ) (۲) ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نرم ہیں اور نرمی کو ہی پسند فرماتے ہیں، اور نرمی برتنے پر ایسی چیزیں عطاء فرماتے ہیں جو سختی برتنے پر عطاء نہیں کی جاتیں)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے اور اسے پیغامِ حق پہنچانے کا حکم دیا گیا تو اس موقع پر ان دونوں حضرات کو اللہ کی طرف سے یہ تاکید وتلقین کی گئی کہ اس ظالم وجابر' مغرور ومتکبر' انتہائی سرکش ومتمرد' بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بالمقابل اپنی خدائی کا دعویٰ کرنے والے اس بیہودہ وگمراہ ترین انسان

(۱) مسلم [۲۵۹۴] (۲) مسلم [۲۵۹۳]

کے سامنے بھی نرمی سے گفتگو کریں، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿اِذهَبَا اِلَیٰ فِرعَونَ اِنَّهٗ طَغَیٰ فَقُولَا لَهٗ قَولاً لَّیِّناً لَعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ أَو یَخشَیٰ﴾ (۱)
ترجمہ: (تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ' اس نے تو بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے)

خلاصہ یہ کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں یا کسی بھی معاملے میں جب نرمی وخوش اخلاقی اور وسعتِ ظرفی کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو وہ معاملہ خیریت وعافیت اورخوش اسلوبی کے ساتھ طے پا جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس بے جا سختی ودرشتی کی صورت میں وہاں مزید فساد اور بگاڑ ظاہر ہوگا' مزید الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ مطلقاً نرمی بھی مقصود ومطلوب نہیں ہے، کیونکہ ضرورت سے زیادہ نرمی بھی بسا اوقات نقصان کا باعث بنتی ہے اور اس سے بہت سے مفاسد ظاہر ہونے لگتے ہیں، لہٰذا اصل مقصود ''اعتدال'' ہے۔

بلکہ اس بارے میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ لفظ ''اعتدال'' درحقیقت مأخوذ ہی ''عدل'' سے ہے' جس کے معنیٰ ''برابری'' کے ہیں۔ لہٰذا اعتدال کے معنیٰ ہی یہی ہوئے کہ ہر معاملے میں افراط وتفریط' کمی اور بیشی' نرمی اور سختی' تیزی اور سستی...... وغیرہ کا درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے۔ جیسے کہ مثال مشہور ہے: (خَیرُ الأُمُورِ أوسَطُهَا) یعنی ہر معاملے میں میانہ روی ہی بہترین راستہ ہے۔ (۲)

(۱) طٰہٰ [۴۳-۴۴]

(۲) یہاں یہ اشارہ ضروری ہے کہ مذکورہ عبارت یعنی: (خَیرُ الأُمُورِ أوسَطُهَا) کے بارے میں اگرچہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث ہے۔ لیکن مجھے تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی مستند حوالہ نہیں مل سکا۔ لہٰذا میں نے اسے ''حدیث'' کے طور پر یہاں درج نہیں کیا۔ واللہ أعلم۔

محاسنِ اسلام یا دینِ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک اہم ترین خوبی یہی ہے کہ اسلام ''دینِ اعتدال'' ہے، قرآن کریم میں امت مسلمہ کو ''اُمۃً وسطاً'' یعنی درمیانی امت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً﴾ (۱) ترجمہ: (اسی طرح ہم نے بنایا ہے تمہیں درمیانی امت)

اسی لئے دینِ اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں ''اعتدال'' یعنی میانہ روی کی تاکید وتلقین کی گئی ہے، خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو، یا اعمال سے، یا معاملات سے۔

اس بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

(۱) عقائد میں اعتدال:

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مسلمان ہر روز پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ تلاوت کرتا ہے، اس سورت میں اہلِ ایمان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اس دعاء کی تعلیم دی گئی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ الْمَغضُوبِ عَلَيهِم وَ لَا الضَّالِّينَ﴾ (۲) ترجمہ: (دکھا ہمیں سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ ہی گمراہوں کا)

یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو یہ حکم ہے کہ وہ اللہ سے اپنے لئے ''صراطِ مستقیم'' کی طرف ہدایت وتوفیق طلب کریں، نیز جن لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور جو

(۱) البقرۃ [۱۴۳] یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کے متعدد اردو تراجم میں اس آیت میں امۃ وسطاً کا ترجمہ ''افضل امت'' کیا گیا ہے، جو کہ یقیناً درست ہے، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اس ''افضلیت'' کی وجہ ''وسطیت'' ہی ہے، لہٰذا لفظی ترجمہ یعنی ''درمیانی امت'' بھی یقیناً درست ہے اور اس میں کوئی قباحت یا حرج نہیں۔ (۲) الفاتحہ [۶-۷]

''صراطِ مستقیم'' سے بھٹک گئے' ان کے نقشِ قدم پر چلنے سے حفاظت کی دعاء مانگیں۔

اس آیت میں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوبِ عَلَیۡهِمۡ یعنی ''جن پر غضب نازل کیا گیا'' سے مراد یہود ہیں، جن کے بارے میں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر غضب اور لعنت کا تذکرہ ہے۔ جبکہ الضَّآلِّینَ یعنی: ''گمراہوں'' سے مراد نصاریٰ ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہود نے ہمیشہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی نافرمانیاں اور ان کی شان میں گستاخیاں کیں' ان کی تعلیمات سے روگردانی کے مرتکب ہوئے' انہیں ہمیشہ ستایا اور تکلیفیں پہنچائیں' لہٰذا اپنے ان مکروہ جرائم اور اعمالِ بد کی پاداش میں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے غضب اور لعنت کے حقدار قرار پائے' جس میں یقیناً کسی حیرت واستعجاب کی کوئی بات نہیں۔

البتہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ''نصاریٰ'' کو کیوں ''گمراہ'' قرار دیا گیا اور ان کے دین یا ان کے افکار سے دوری وبیزاری اور کنارہ کشی اختیار کرنے کی کیوں تاکید وتلقین کی گئی.....؟ حالانکہ انہوں نے تو اپنے نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو کبھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی، نہ ہی ان کی شان میں کبھی کوئی گستاخی کی، بلکہ اس کے بالکل برعکس انہوں نے تو اپنے نبی کی انتہائی عزت کی اور ان کے ساتھ ہمیشہ ہی تعظیم وتکریم کا رویہ وسلوک روا رکھا.....اس کے باوجود انہیں کیوں گمراہ قرار دیا گیا؟ نبی کی توہین وتحقیر اور نافرمانی وروگردانی تو یقیناً بہت بڑی برائی ہے، لیکن نبی کے احترام اور عزت وتکریم میں تو کوئی قباحت نہیں، بلکہ یہ چیز تو مطلوب ومقصود' بلکہ دین کا حصہ اور جزوِ ایمان ہے۔ تو پھر نصاریٰ کو کیوں گمراہ قرار دیا گیا اور ان کی تقلید' یا ان کے عقائد اور افکار وخیالات کو اپنانے سے منع کیا گیا.....؟ اس سوال کا جواب یقیناً یہی ہے کہ نصاریٰ اپنے نبی کی اس تمام تر تعظیم وتکریم کے باوجود ''گمراہ'' ہی

ہیں، کیونکہ وہ اس تعظیم وتکریم میں حد اعتدال سے تجاوز کر گئے اور انہوں نے نبی کو اس مقام ورتبے سے آگے بڑھا دیا کہ جو اُن کیلئے اللہ کی طرف سے مقرر ومتعین کیا گیا تھا۔

لہٰذا عقیدے کی اس ''بے اعتدالی'' کی وجہ سے وہ گمراہ قرار پائے، اوران کی اسی بے اعتدالی کی وجہ سے ہی قرآن کریم میں انہیں اس طرح تنبیہ کی گئی:

﴿يَا أَهلَ الكِتَابِ لَا تَغلُوا فِي دِينِكُم وَ لَا تَقُولُوا عَلَىٰ اللّٰهِ اِلَّا الحَقَّ اِنَّمَا المَسِيحُ عِيسَىٰ بنُ مَريَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ.....﴾ (۱) ترجمہ:(اے اہلِ کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ، اور اللہ پر بجز حق بات کے اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ [کُن سے پیدا شدہ] ہیں)۔

(۲) عبادت میں اعتدال:

یہ بات قابلِ غور وفکر ہے کہ برے اعمال تو ایک طرف رہے، اچھے اعمال اور خالص عبادات میں بھی حد سے تجاوز کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ اليُسرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ العُسرَ﴾ (۲) ترجمہ:(اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لئے آسانی، اور وہ تمہارے لئے سختی نہیں چاہتا)

اسی طرح ارشاد ہے:﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيكُم فِي الدِّينِ مِن حَرَجٍ﴾ (۳) ترجمہ:(اُس [اللہ] نے دین کے بارے میں تم پر کوئی سختی نہیں ڈالی)

نیز ارشاد ہے:﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعتُم﴾ (۴) ترجمہ:(تم اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے)

(۱) النساء[۱۷۱] (۲) البقرۃ[۱۸۵] (۳) الحج[۷۸]
(۴) التغابن[۱۶]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (یَسِّرُوا وَلَاتُعَسِّرُوا) (۱) ترجمہ: (تم سہولت ونرمی پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو) یعنی دین میں بے جا تنگی وسختی سے گریز کرو۔

نیز ارشاد ہے: (اِنَّمَا بُعِثْتُم مُیَسِّرِینَ وَ لَم تُبْعَثُوا مُعَسِّرِینَ) (۲) ترجمہ: (تمہیں سہولت ونرمی پیدا کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے، نہ کہ مشکلات پیدا کرنے کیلئے)

اسی طرح ارشاد ہے: (اِنَّ الدِّینَ یُسْرٌ) (۳) ترجمہ: (دین تو یقیناً آسان ہی ہے) یعنی دینِ اسلام کے پیروکاروں کیلئے یہ بات درست نہیں کہ دین کے معاملہ میں لوگوں کیلئے بلاضرورت تنگی وسختی اور مشکلات پیدا کی جائیں اور انہیں حرج ومشقت میں مبتلا کر دیا جائے۔

اسی طرح ارشاد ہے: (هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ) (۴) ترجمہ: (غلو کرنے والے تو ہلاکت میں پڑ گئے) یعنی دین کے معاملہ میں حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہوئے غلو کا راستہ اختیار کرنا گویا ''ہلاکت وبربادی'' ہے۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث ملاحظہ ہو:

جاء ثلاثة رهط الىٰ بيوت أزواج النّبيّ ﷺ يسألون عن عبادة النّبيّ ﷺ ، فلمّا أُخبروا كأنّهم تقالّوها قالوا : فأنّىٰ نحن من رسول اللّه ﷺ و قد غُفر لهٗ ما تقدّم من ذنبهٖ وما تأخّر؟ قال أحدهم : أما أنا فأصلّي اللّيل أبداً ، وقال الآخر : وأنا أصوم الدّهر ولا أُفطر ، وقال الآخر : و

(۱) بخاری[۶۹] کتاب العلم۔ مسلم[۱۷۳۴] احمد[۱۲۳۵۵]

(۲) بخاری[۲۲۰] کتاب الوضوء۔ ترمذی[۱۴۷] نسائی[۵۶][۳۳۰]

(۳) بخاری[۳۹] کتاب الایمان۔ نسائی[۵۰۳۴]

(۴) مسلم[۲۶۷۰] احمد[۳۶۵۵] ابوداؤد[۴۶۰۸]

أنا أعتزل النّساء ولا أتزوّج أبداً ، فجاء رسول اللّه ﷺ فقال: أَنتُمُ الَّذِينَ قُلتُم كَذا و كَذا؟ أَمَا وَاللّهِ اِنِّي لَأَخشَاكُم لِلّهِ وَأَتقَاكُم لَهُ ، وَلٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفطِرُ ، وَ أُصَلِّي وَأَرقُدُ ، وَأَتَزَوّجُ النِّسَاءَ ، فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي) (۱) ترجمہ:(رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اورانہوں نے آپ ﷺ کی عبادت گذاری کے بارے میں دریافت کیا۔جب انہیں اس بارے میں بتایا گیا توانہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کو بہت ہی کم اورمعمولی خیال کیا(۲)مگر پھرخود ہی آپس میں یوں کہنے لگے کہ:رسول اللہ ﷺ کی تو تمام گذشتہ وآئندہ لغزشیں اللہ نے معاف فرمادی ہیں، لہٰذا آپ کہاں اورہم کہاں؟(۳) پھران میں سے ایک نے کہا:''میں توبس پوری رات نماز میں ہی گذارا کروں گا''۔ دوسرا شخص بولا کہ:''میں تو زندگی بھر روزانہ ہی روزہ رکھوں گا اور کبھی بے روزہ نہیں ہوں گا'' تیسرا شخص یوں کہنے لگا:''میں زندگی بھرعورتوں سے دور ہی رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا''۔رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اوردریافت فرمایا:تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی ہے؟ حالانکہ میں تو تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں، مگراس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی بے روزہ بھی ہوتا ہوں،رات کا کچھ حصہ نماز میں گذارتا ہوں اور کچھ حصہ سوکر بسر کرتا ہوں،اورمیں نے تو شادیاں بھی کی ہیں[یہی میری سنت ہے]جس نے میری سنت سے بیزاری دکھائی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔

☆..... البتہ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ جس طرح عبادت

(۱)بخاری[۴۷۷۶] کتاب النکاح۔

(۲)یعنی ان کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ تو بہت زیادہ عبادت کرتے ہوں گے.....!!

(۳)یعنی رسول ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں، جبکہ ہم تو گناہگار ہیں،اس لئے ہمیں خوب زیادہ عبادت کرنی چاہئے۔

ودیگر شرعی احکام ومسائل اور دینی فرائض وواجبات کے معاملے میں ''غلو'' اور بے جا سختی ناپسندیدہ ہے' بعینہٖ اسی طرح اس بارے میں تساہل وغفلت اور تقصیر وکوتاہی بھی یقیناً اور قطعاً ناقابلِ قبول ہے، ایسا ہرگز نہو کہ انسان محض بیٹھے بٹھائے ہی آخرت میں راحت وکامیابی' جہنم سے نجات اور جنت کی لازوال وبے مثال اور دائمی وابدی نعمتوں کی تمنا کرتا رہے..... جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے:

تَرجُو النّجَاةَ ولَم تَسلُك مَسالِكَها اِنّ السّفِينةَ لا تَجرِي عَلىٰ اليَبَسِ

یعنی: ''تم آخرت میں نجات کی امید تو لگائے بیٹھے ہو.....مگر نجات کے راستے پر تو تم چلتے ہی نہیں.....؟ کیا کبھی کوئی کشتی خشکی پر بھی تیر سکتی ہے.....؟''

مقصد یہ کہ اگر دریا کے اُس پار جانے کی خواہش وتمنا ہے تو پہلے کشتی کو خشکی سے اٹھا کر پانی میں ڈالا جائے اور اس کے بعد یہ امید کی جائے کہ یہ کشتی اب ہمیں اُس پار پہنچا دے گی۔ لہٰذا آخرت میں نجات اور وہاں کی راحت وکامیابی کی اگر حقیقی طلب ہو تو اس مقصد کیلئے عملی کوشش اور حقیقی جدوجہد ضروری ہے۔ البتہ اسلام کی تعلیمِ اعتدال کے تقاضے بھی ملحوظ رہیں۔

(۳) معاشرت میں اعتدال:

عزیز واحباب ودیگر متعلقین کے ساتھ میل جول اور ملاقات وغیرہ کے معاملے میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ نہ تو ایسی غفلت وکوتاہی کا مظاہرہ کیا جائے کہ غلط فہمیاں اور دلوں میں فاصلے پیدا ہونے لگیں، اور نہ ہی باہمی تعلق اور آمدورفت اس قدر بڑھ جائے کہ انسان بالکل ہی بے وقعت ہو کر رہ جائے.....!!

ارشادِنبوی ﷺ ہے:(زُر غِبّـــاً تَــزدَد حُبّـــاً) (۱) ترجمہ:(میل جول ذرہ کم رکھا کرو،اس سے محبت میں اضافہ ہوگا)

مثال مشہور ہے:''قدر کھودیتا ہے ہرروز کا آنا جانا''۔

نیز دوسروں کے ساتھ رویہ وسلوک میں بھی نہ تو بے رخی وبے التفاتی اورسرد مہری کا مظاہرہ کیا جائے اورنہ ہی ضرورت سے زیادہ گرم جوشی دکھائی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادہے:(أَحبِب حَبِیبَكَ هَـونـاً مّـا ، عَسَیٰ أَن یَکُـونَ بَـغِیـضَكَ یَـوماً مّـا ، و أَبُغِض بَغِیضَكَ هَوناً مّا ، عَسَیٰ أَن یَکُونَ حَبِیبَكَ یَـوماً مّا) (۲) ترجمہ:(تم اپنے دوست کے ساتھ دوستی حد کے اندر رکھو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارا یہی دوست کل تمہارا دشمن بن جائے ،اسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی بھی حد کے اندر رکھو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ تمہارا یہی دشمن کل تمہارا دوست بن جائے)

یعنی آج کا دوست کل دشمن بن سکتا ہے'اس لئے دوستی میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔اسی طرح آج جس کے ساتھ دشمنی ہے' کل یہ دشمنی دوستی میں بدل سکتی ہے،اس لئے دشمنی میں بھی تم حد سے آگے نہ بڑھواوردشمن کے خلاف کوئی ایسی حرکت نہ کربیٹھو کہ کل اگراس سے دوستی ہوجائے تو پھرزندگی بھرحسرت وافسوس رہے اوراس کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی وندامت کا احساس ہو۔

نیز کہاوت مشہور ہے:''نہ اس قدر کڑوے بنو کہ دنیا تھوکنے پر مجبور ہوجائے ،اورنہ ہی اتنے

(۱)الترغیب والترہیب[۳۹۰۰] بحوالہ: الطبرانی والبزار،البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قراردیا ہے۔واللہ أعلم۔

(۲) ترمذی[۱۹۹۷] باب ماجاءفی الاقتصادفی الحب والبغض۔نیزامام بخاری نے الأدب المفرد[۱۳۲۱] باب: أحبب حبیبك هوناً ما کے تحت حضرت علیؓ سے مروی''اثر'' کےطور پر یہ ذکرکیا ہے۔

میٹھے بنو کہ دنیا تمہیں ہڑپ کر جائے.....!''

اس کے علاوہ یہ کہ ضرورت سے زیادہ گرم جوشی کے مظاہرے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات دوسروں کو یہ مغالطہ ہونے لگتا ہے کہ شاید اس کے پیچھے کوئی ذاتی مفاد یا مصلحت پوشیدہ ہے، جس کی وجہ سے اس قدر گرم جوشی وخوش اخلاقی دکھائی جارہی ہے..... لہٰذا ایسی کسی بدگمانی سے بچنے کیلئے بھی اس معاملے میں ''حدِ اعتدال'' کو قائم وملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۴) کھانے پینے میں اعتدال:

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿..... وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَ لَا تُسْرِفُوا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ:(.....اور تم کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(بِحَسَبِ ابنِ آدَمَ لُقَيمَاتٌ يُقِمنَ صُلبَهٗ ، فَاِن كَانَ لَا مَحَالَةَ ، فَثُلُثٌ لِطَعَامِهٖ ، وَثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ ، وَ ثُلُثٌ لِنَفَسِهٖ) (۲) ترجمہ:(ابنِ آدم کیلئے تو کھانے کے محض چند لقمے ہی کافی ہوجانے چاہئیں کہ جن سے وہ بس اپنی کمر سیدھی رکھ سکے۔ اور اگر کبھی وہ اس سے زیادہ کھانا ہی چاہے تو [معدے کا] ایک حصہ کھانے کیلئے اور ایک حصہ پانی کیلئے اور ایک حصہ سانس کیلئے مخصوص رکھے)

رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے اس زریں اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ

(۱) الاعراف [۳۱]

(۲) احمد [۱۷۲۲۵] ترمذی [۲۳۸۰] بعض روایات میں لُقَيمَاتٌ کی بجائے أكيلات اور بعض میں أكلات کے الفاظ ہیں۔

کھانے پینے میں بھی افراط وتفریط کی بجائے ''اعتدال'' ضروری ہے۔مؤمن کی سوچ یہ ہونی چاہئے کہ وہ کھانے پینے کیلئے زندہ نہیں ہے، بلکہ اس کا کھانا پینا محض زندہ رہنے کیلئے ہے۔یعنی کھانے کیلئے نہ جئے، بلکہ جینے کیلئے کھائے،کھانے کو بذاتِ خود مطلوب ومقصود نہ سمجھے، بلکہ اصل مقصود اپنے خالق ومالک کی عبادت'نماز ودیگر فرائضِ دینیہ کی ادائیگی' نیز روزمرہ کے دیگر ضروری کام کاج کی انجام دہی ہے۔لہٰذا اس اصل مقصود کی ادائیگی وانجام دہی کی خاطر بطورِ استعانت محض حسبِ ضرورت کھانے پینے کا اہتمام ہو۔

نیز ضرورت سے زیادہ کھانے پینے میں حیوانات کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔زیادہ کھانے کی وجہ سے انسان میں حسِ لطافت'انسانیت'اور اپنے خالق ومالک کیلئے اطاعت وانقیاد کے جذبات میں کمی واقع ہونے لگتی ہے،اس کے دل ودماغ پر ہیجانی کیفیت اور شہوانی خیالات کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔

اسی لئے ایسے فاسد خیالات اور خطرناک کیفیات سے حفاظت ونجات کی غرض سے ہی روزہ رکھنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:(يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ البَاءَةَ فَلْيَتَزَوّج ، وَ مَن لَم يَسْتَطِع فَعَلَيهِ بِالصَّوم ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ) (۱)

ترجمہ:(اے نوجوانو!تم میں سے جو کوئی شادی کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی ضرور کرے، ورنہ روزہ رکھا کرے، کیونکہ یہ روزہ[شہوانی خیالات سے حفاظت کیلئے]ڈھال ہے)۔

نیز یہ کہ قدیم وجدید اطباء وحکماء بھی بسیار خوری کے نقصانات کے معترف ہیں اور ہمیشہ اس سے اجتناب کی تاکید وتلقین کرتے چلے آئے ہیں،مقولہ مشہور ہے:''کم خوردن'کم خفتن'کم

(۱) بخاری[۴۷۷۸] کتاب النکاح۔مسلم[۱۴۰۰]وغیرہ۔

گفتن عادت گیر'' یعنی: ''کم کھانے' کم سونے' اور کم بولنے کی عادت اپناؤ''۔لہٰذا کھانے پینے کے معاملے میں بھی ''اعتدال'' ضروری ہے۔

(۵) مالی اخراجات میں اعتدال:

قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے:﴿وَ الَّذِينَ اِذا أَنفَقُوا لَم يُسرِفُوا وَ لَم يَقتُرُوا وَ كَانَ بَينَ ذٰلِكَ قَوَاماً﴾ (۱) ترجمہ:(اور وہ خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ ہی بخل' بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل طریقے پر خرچ کرتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ بخل اور اسراف دونوں ہی ناپسندیدہ طریقے ہیں،لہٰذا مؤمن کیلئے ان دونوں سے ہی اجتناب ضروری ہے۔

بخیل انسان اللہ کی عطاء کردہ نعمتوں' مال ودولت' ودیگر وسائل میسر ہونے کے باوجود حقیقی اور واقعی ضرورت کے موقع پر بھی روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے، مالی حیثیت واستطاعت کے باوجود اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جائز ومباح ضروریات بلکہ نفقاتِ واجبہ کے سلسلے میں بھی مال خرچ کرتے ہوئے ڈرتا ہے اور تنگ دلی محسوس کرتا ہے، گویا وہ بزبانِ حال اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ اسے اللہ پر توکل واعتماد نہیں ہے، اور یہ کہ اللہ پر اس کا ایمان ناقص ہے۔

جبکہ اس کے برعکس اسراف وفضول خرچی کا عادی انسان اپنے پاس موجود اللہ کے عطاء کردہ مال ودولت ودیگر نعمتوں کو انتہائی بیدردی وبے رحمی سے اڑاتا ہے، اور یوں خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے اوپر' نیز اپنے بچوں پر ظلمِ عظیم کرتا ہے......خود اپنے لئے' نیز اپنے بچوں کیلئے

(۱) الفرقان[۶۷]

مستقبل میں بربادی محتاجی اور مفلسی و بے چارگی کا انتظام کرتا ہے، کیونکہ سوچے سمجھے بغیر، بلاضرورت اور بے دریغ مال ودولت اڑانے والا انسان یقیناً ایک روز مفلس محتاج اور کنگال وبرباد ہوکر ہی رہے گا۔ اسی حقیقت کی طرف اس ارشادِ ربانی میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿وَلَاتَجْعَل يَدَكَ مَغلُولَةً اِلَىٰ عُنُقِكَ وَ لَاتَبْسُطهَا كُلَّ البَسْطِ فَتَقعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً﴾ (۱) ترجمہ: (اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ ہی اسے بالکل ہی کھول دے کہ پھر ملامت کیا ہوا درماندہ بیٹھ جائے)

یعنی اپنی حیثیت واستطاعت اور گنجائش دیکھے بغیر بے دریغ روپیہ پیسہ خرچ کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان قابلِ مذمت وملامت قرار پائے گا اور حسرت وندامت کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ بچے گا.....!!

اللہ کے عطاء کردہ مال ودولت ودیگر نعمتوں کو بے دریغ خرچ کرنے والے نادان انسان کو یہ حقیقت خوب ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

لہٰذا مال ودولت خرچ کرنے کے معاملے میں بھی کنجوسی وبخل نیز فضول خرچی واسراف دونوں سے گریز کرتے ہوئے ''اعتدال'' کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۶) دین ودنیا میں توازن واعتدال:

اسلام دینِ فطرت ہے، اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کی بناء پر ہی انسان کی بہت سی فطری حاجات وضروریات ہیں، لہٰذا اسلام نے انسان کو اس کی ان فطری ضروریات وحاجات کو ترک کردینے اور جبلی وطبعی تقاضوں کا گلا دبا دینے یا ان سے کنارہ کشی ودوری اختیار

(۱) الاسراء / بنی اسرائیل [۲۹]

کر لینے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

البتہ ان فطری وطبعی حاجات وضروریات کی تکمیل کیلئے دینِ اسلام نے مناسب حدود وقیود اور قواعد وضوابط مقرر کر دیئے ہیں' جن کی پابندی میں ہی تمام دنیائے انسانیت کیلئے اول وآخر راحت وسکون اور صلاح وفلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

اسی طرح اسلام نے انسان کی ان فطری حاجتوں اور طبعی تقاضوں سے کنارہ کشی وفرار اور ترکِ دنیا کا راستہ اختیار کر لینے کے برعکس' دنیاوی ومادی لذتوں اور مال ودولت کی طلب میں ضرورت سے زیادہ انشغال وانہماک' ہوسِ زر' دنیا پرستی' پیسے کی غلامی' دنیا کی ان عارضی وفانی لذتوں اور مصلحتوں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑنے اور ان کی طلب وتلاش میں اپنے خالق ومالک کو فراموش کر دینے' شرعی احکام ومسائل کو پسِ پشت ڈال دینے' دینی' اخلاقی' ومعاشرتی فرائض وواجبات اور ذمے داریوں سے منہ موڑ لینے سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔

قرآن وحدیث میں جا بجا مال وزر کی غلامی اور دنیا کی عارضی وفانی نعمتوں ولذتوں میں انشغال وانہماک سے باز رہنے کی تاکید وتلقین کی گئی ہے، اور اس کے برعکس آخرت کی دائمی وابدی اور لازوال وبے مثال نعمتوں کے حصول کیلئے مخلصانہ کوشش اور حقیقی جدوجہد کی ترغیب دی گئی ہے۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿مَاعِنْدَكُم يَنفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّهِ بَاقٍ﴾ (۱)

ترجمہ: (تمہارے پاس جو کچھ ہے سب فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے باقی رہنے والا ہے)

(۱) النحل [۹۶]

نیز ارشاد ہے:﴿بَل تُؤثِرُونَ الحَیَاۃَ الدُّنیَا وَالآخِرَۃُ خَیرٌ وَّأبقَیٰ﴾ (۱)
ترجمہ:(لیکن تم تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو،[حالانکہ] آخرت تو بہت بہتر اور بہت بقاء والی ہے)

☆.....یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہود نے ہمیشہ اپنے خالق و مالک اور خدائے بزرگ و برتر کی عبادت و بندگی کی بجائے مال و دولت کی غلامی و پرستش کا راستہ اختیار کیا، پیسے کو اپنا مطلوب ومقصود، بلکہ اپنا معبود بنایا، دنیا کے حقیر و معمولی اور عارضی و فانی مفادات کی خاطر اللہ کے دین کو اور اس کی آیتوں کو بیچ ڈالا، جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان کی اس دین فروشی اور اس قبیح و مذموم ترین حرکت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس پر انہیں تنبیہ و توبیخ کی گئی ہے۔

مثلاً ارشادِ ربانی ہے:﴿وَ لَا تَشتَرُوا بِآیَاتِي ثَمَناً قَلِیلاً وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُونِ﴾ (۲)
ترجمہ:(اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت کے عوض بیچ نہ ڈالو اور صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو)۔

☆.....جبکہ اس کے برعکس دوسری طرف نصاریٰ نے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے روگردانی کرتے ہوئے فطری وطبعی لوازم وضروریات سے منہ موڑا، سماجی و معاشرتی ذمہ داریوں سے فرار اختیار کرتے ہوئے گوشہ نشینی، ترکِ دنیا اور ''رہبانیت'' کا راستہ اختیار کیا، اور اسے دین کا حصہ اور اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ووسیلہ تصور کیا، جس پر قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ان کی مذمت کی گئی اور ان کے اس اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو غلط قرار دیا گیا۔

(۱)الاعلیٰ[۱۶-۱۷] (۲)البقرۃ[۴۱]

دین ودنیا میں توازن واعتدال کی اسلامی تعلیم اوراس بارے میں اسلامی نقطۂ نظراور اندازِ فکراس ارشادِ ربانی کی روشنی میں بخوبی واضح ہوجاتا ہے:﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنيَا﴾ (۱)

ترجمہ:(اور جوکچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے' اس میں سے آخرت کے گھر کی طلب بھی رکھ' اوراپنے دنیوی حصے کوبھی نہ بھول)(۲)

نیز اس اسلامی تعلیمِ اعتدال کی جھلک رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں بھی نمایاں ہے:

وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُم لِلّٰهِ وَأَتقَاكُم لَهُ ، وَلٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفطِرُ ، وَ أُصَلِّي وَأَرقُدُ ، وَأَتَزَوّجُ النِّسَاءَ ، فَمَن رَغِبَ عَن سُنَّتِي فَلَيسَ مِنِّي) (۳)

ترجمہ:(اللہ کی قسم! میں تو تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں' مگر اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی بے روزہ بھی ہوتا ہوں، رات کا کچھ حصہ نماز میں گذارتا ہوں اور کچھ حصہ سوکر بسر کرتا ہوں ،اور میں نے تو شادیاں بھی کی ہیں [یہی میری سنت ہے] جس نے میری سنت سے بیزاری دکھائی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)

مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ ''ترکِ دنیا'' یا اس کے برعکس ''دنیاپرستی'' کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اس معاملے میں توازن واعتدال کی راہ اپنائے' فکرِ آخرت کے ساتھ ساتھ حلال وحرام کی حدود کوملحوظ رکھتے ہوئے اپنی دنیاوی ضروریات اور فطری تقاضوں کی تکمیل کی فکر بھی کرے۔

(۱)القصص[۷۷]

(۲)اگرچہ یہ آیت قارون کے واقعے کے ضمن میں آئی ہے' لیکن یقیناً اس کا مفہوم عام ہے اور یہ پیغام سب ہی انسانوں کیلئے ہے۔

(۳)بخاری[۴۷۷۶] کتاب النکاح۔

البتہ ان دنیاوی ضروریات کی فکر اور ان میں انشغال وانہماک ایسا نہو کہ ان کی محبت انسان کے قلب وذہن میں راسخ وپیوستہ ہونے لگے، کیونکہ جس طرح کشتی کے تیرنے کیلئے اس کے نیچے پانی کی موجودگی تو یقیناً ضروری ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر گھس آئے..... تب تباہی وبربادی یقینی ہوجائیگی.....!!

بعینہٖ اسی طرح دنیاوی ضروریات اور فطری تقاضوں کی تکمیل اور اس مقصد کیلئے مباح ومشروع وسائل اختیار کرنا اور مناسب کوشش وجدوجہد تو یقیناً ضروری ہے، لیکن یہ بات ہمیشہ ذہن نشیں رہے کہ دنیاوی ضروریات اور مال واسباب وغیرہ کی محبت ہرگز ہرگز دل کے اندر داخل نہو، اور کسی صورت اللہ کی محبت اور فکرِ آخرت پر غالب نہ آنے پائے۔

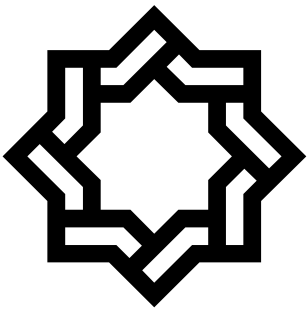

☆☆☆

اسلامی معاشرہ

اور

حقوق العباد

اسلامی معاشرے میں والدین کا مقام ومرتبہ:

انسانی معاشرے میں جب بھی حقوق العباد کی بات ہوگی تو یقیناً سب سے پہلے والدین کا تذکرہ ہوگا، کیونکہ والدین ہی انسانی معاشرے کی اساس اوراس کی اصل ہیں، اگر یہ اصل مضبوط وصحیح سلامت رہے تو معاشرے کا درخت سرسبز وبارآور رہے گا، اسی وجہ سے اسلام نے والدین کو انتہائی بلند مقام ورتبے سے نوازا ہے۔

انسان کیلئے اس کے والدین درحقیقت ''صفتِ ربوبیت'' کا مظہر ہوا کرتے ہیں۔یعنی ہر انسان کا خالقِ حقیقی تو یقیناً اللہ ہی ہے (اسی لئے ہر قسم کی عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے) لیکن انسان کی پیدائش کیلئے اللہ نے ظاہری سبب اس کے والدین کو بنایا ہے۔

اسی طرح کسی بھی انسان کے بچپن میں اس کی ''تربیت'' کرنے والا وہ ''رب'' تو یقیناً اللہ ہی ہے، مگر اس ''تربیت'' کیلئے اللہ نے ظاہری اور براہِ راست سبب اس کے والدین کو بنایا، اوراس کے والدین کے دل میں اس کیلئے اس قدر محبت ومودت اوررحمت وہمدردی کے جذبات ڈال دیئے کہ والدین زندگی بھر اپنے بچے کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ومشقت ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں، اپنی راحت وآرام کو اولاد کی راحت پر قربان کردینے کیلئے ہمہ وقت مستعد وتیار رہتے ہیں، بوقتِ مجبوری خود روکھی سوکھی کھالیتے ہیں' مگر اولاد کیلئے بہرصورت اچھی غذا کی فکر وجستجو میں لگے رہتے ہیں، خود معمولی لباس پہن کر گذارا کرلیتے ہیں' مگر اولاد کیلئے حتیٰ المقدور مناسب لباس کا انتظام کرتے ہیں' تاکہ ان کی اولاد زمانے کے گرم وسرد سے محفوظ رہ سکے۔

والدین کی محبت وشفقت اولاد کیلئے رحمتِ باری کا سائبان ہے، جو انہیں آفاتِ زمانہ کی تپتی

کڑکتی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے،اسی لئے یہ ناقابلِ تردید حقیقت یہ ہے کہ اس کارخانۂ دنیا میں انسانیت کا وجود خالقِ کائنات کے بعد والدین ہی کا مرہونِ منت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اوران کے ساتھ حسنِ سلوک کے حکم کو اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعبُدُوا اِلّا اِيَّاهُ وَبِالوَالِدَينِ اِحسَاناً اِمَّا يَبلُغَنَّكَ عِندَكَ الكِبَرَ أَحَدُهُمَا أوكِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنهَرهُمَا وَقُل لَهُمَا قَولًا كَرِيماً وَاخفِض لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَةِ وَقُل رَّبِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً﴾ (۱) ترجمہ:(تمہارے رب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ تم اُس کے سوااورکسی کی عبادت نہ کرواور یہ کہ تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔اگرتمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یادونوں ہی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو اُس وقت انہیں کبھی ''اُف'' بھی مت کہنا،اورنہ اُن کو جھڑکنا،اوراُن سے خوب ادب سے بات کرنا،اوران کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا، اوراُن کیلئے یوں دعاء کرتے رہنا کہ:''اے میرے رب!توان دونوں پر رحمت فرما،جیسا کہ انہوں نے مجھے اُس وقت پالا جب میں چھوٹا تھا'')۔

☆.....اس آیت میں انسان کواس کے خالق ومالک کی طرف سے اپنی عبادت وبندگی کے حکم کے بعدفوراً ہی والدین کی اطاعت وفرمانبرداری،ان کی خدمت وخبرگیری،ان کے سامنے تواضع وانکساراورخوش گفتاری،نیزان کے ساتھ حسنِ سلوک اوران کے ادب واحترام کی انتہائی مؤثر ودلنشیں انداز میں تاکید وتلقین کی گئی ہے،اوراس طرف اشارہ بھی

(۱)الاسراء/بنی اسرائیل[۲۳۔۲۴]

کیا گیا ہے کہ والدین کی خدمت واطاعت تو یقیناً ہمیشہ ہی ضروری ولازمی ہے، مگر اس چیز کی ضرورت واہمیت خصوصاً اُس وقت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے جب والدین اپنی زندگی کا سنہری دور اور اپنی تمامتر صلاحیتیں اولاد کی تربیت ونگہداشت پر صرف کرنے اور ان کی ترقی وبہتری کی خاطر اپنی تمامتر ضروریات وخواہشات کو قربان کردینے کے بعد اب زندگی کے اُس موڑ پر آپہنچے ہوں جہاں اعصاب جواب دے چکے ہوں، جسمانی وذہنی قُویٰ مضمحل ہو چکے ہوں، ہمت ریزہ ریزہ ہوچکی ہو، اندیشوں، وسوسوں، مختلف بیماریوں، پریشانیوں، طبعی عوارض ومشاکل، نیز بے چارگی وبے بسی کے احساس سے بھرپور ''بڑھاپا'' ان کا منتظر ہو۔

☆.....آیت کے آخری حصہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے انسان کو اپنے والدین کیلئے دعائے خیر کرتے رہنے کا تاکیدی حکم بھی دیا گیا ہے، اور خالقِ ارض وسماء کی نظر میں والدین کا مقام ومرتبہ ملاحظہ ہو کہ انسان کو اپنے والدین کیلئے دعاء کا مضمون بلکہ الفاظ بھی خود اللہ کی طرف سے سکھادیئے گئے.....سبحان اللہ.....!!

اس دعاء میں خاص طور پر كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً سے اس طرف اشارہ اور تنبیہ مقصود ہے کہ انسان اپنے والدین کیلئے دعاء کرتے وقت چشمِ تصور سے ذرہ اپنے بچپن کے دور میں جھانک کر دیکھے، اور اُس وقت کو یاد کرے جب وہ انتہائی لاچار اور کمزور وبے بس تھا، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے بلکہ فطری حوائج وضروریات اور نجاستوں وغلاظتوں سے صفائی ودھلائی کے معاملات میں بھی والدین کا محتاج ودستِ نگر تھا، مگر اس کے باوجود اس کے والدین کس طرح ہنسی خوشی اس کی پرورش کرتے رہے، اس کی راحت وآرام کی خاطر خود بے آرام رہے، اس کی خوشی اور دلجوئی کی خاطر ہر مشکل اور ہر تکلیف کو گلے لگایا، ہر لحظہ اور ہر لمحہ اس کی ناز برداریوں مگن رہے، ہر دم اور ہر آن اس پر دل وجان سے فریفتہ وقربان

ہوتے رہے.....اور جب کبھی وہ بیمار پڑ جاتا تو وہ رات بھر اس کے سرہانے کھڑے رہتے اور اُف تک نہ کرتے، صبح ہونے پر جب وہ مسکرا کر انہیں دیکھ لیتا تو وہ اس کی بس ایک مسکراہٹ کی وجہ سے اپنی رات بھر کی تمام مشقت وتھکاوٹ اور تکلیف وپریشانی کو یکسر بھلا دیتے اور اپنی بھیگی پلکوں کے ساتھ ہزار ہا بار اللہ کا شکر بجالاتے.....یقیناً ہر انسان کے بچپن میں ایسی کتنی ہی راتیں آتی ہیں.....!!

اس آیت میں خالقِ کائنات کی طرف سے انسان کو اپنے والدین کیلئے دعاء کرتے وقت خصوصاً بچپن کے اس دور کو یاد کرنے کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے، تاکہ انسان کے لبوں پر جب یہ دعاء آئے تو الفاظ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلیں.....کیونکہ ''بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے.....!''

☆.....قرآن کریم میں جس طرح والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت وبندگی کے حکم کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، اسی طرح والدین کی شکرگذاری واحسان مندی کو بھی اللہ کی شکرگذاری واحسان مندی کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (۱) ترجمہ: (تو میرا بھی شکرگذار بن اور اپنے والدین کا بھی شکرگذار بنا رہ، آخر تجھے میری ہی طرف لوٹنا ہے) (۲)

اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات وربانی ارشادات وتوجیہات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث مبارکہ بھی ملاحظہ ہوں:

☆عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه قال: سألتُ رسولَ اللّٰه ﷺ:

(۱) لقمان [۱۴]

(۲) یعنی اگر اللہ کے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو اللہ کی طرف سے مؤاخذہ ومحاسبہ سے بھاگ کر آخر کہاں جائیگا؟

أَيُّ الأَعمَالِ أَحَبُّ اِلَىٰ اللّٰه؟ قال : اَلصَّلَاةُ عَلَىٰ وَقتِهَا ، قُلتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : بِرُّ الوَالِدَين ، قُلتُ ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : اَلجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰه) (۱)

ترجمہ:(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''نماز اپنے وقت پر ادا کرنا''۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک''۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد''۔

☆عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنهما قال : جاء رجلٌ الىٰ النّبيّ ﷺ فاستأذنهٗ في الجهادِ ، فقال : أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قال : نعم ، قال : فَفِيهِمَا فَجَاهِد) (۲) ترجمہ:(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے عرض کیا کہ: ''جی''۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم انہی میں جہاد کرو''۔

یعنی اپنے والدین کی خدمت ونگہداشت اوران کی اطاعت وفرمانبرداری میں مشغول رہو،تمہارے لئے یہی جہاد ہے۔

☆عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: أتىٰ رجلٌ رسولَ اللّٰهِ ﷺ فقال : اِنّي أشتَهِي الجِهَادَ وَ لَا أَقدِرُ عَلَيهِ، قال:هَل بَقِيَ مِن وَالدَيكَ أَحَدٌ؟ قَال:أُمّي، قال:قَابِل اللّٰهَ فِي برّهَا، فَإِذَا فَعَلتَ ذٰلِكَ فَأنتَ حَاجٌّ وَمُعتَمِرٌ وَمُجَاهِدٌ)(۳)

(۱) بخاری[۵۹۷۰] کتاب الأدب۔ (۲) بخاری[۲۸۴۲] کتاب الجہاد والسیَر ، باب الجہاد باذن الوالدین۔
(۳) الطبرانی فی الصغیر والاوسط۔

ترجمہ:(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ:''میں جہاد میں شرکت کی تمنا رکھتا ہوں،لیکن میں اس پر قادر نہیں ہوں''۔آپؐ نے دریافت فرمایا:''کیاتمہارے والدین میں سے کوئی حیات ہے؟''۔اس نے عرض کیا کہ:''جی!میری والدہ حیات ہیں''۔آپؐ نے فرمایا:''تم اللہ کے سامنے پیش ہوناماں کے ساتھ اچھاسلوک لئے ہوئے[یعنی ماں کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرتے رہو]اگرتم نے ایساہی کیاتوتم نے حج بھی کرلیا،عمرہ بھی کرلیااور جہادبھی کرلیا'')۔

یعنی والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک میں ہی تمہارے لئے حج وعمرہ اور جہادفی سبیل اللہ کااجروثواب ہے۔

☆عن طلحة بن معاوية السّلمي رضي اللّه عنه قال : أَتَيتُ النّبِيَّ ﷺ فَقُلتُ : يَا رَسُولَ اللّه! اِنّي أُرِيدُ الجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّه ، قَال : أُمُّكَ حَيَّة؟ قَلتُ : نَعَم ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : اِلزَم رِجلَهَا فَثَمَّ الجَنَّة) (۱) ترجمہ:(حضرت طلحہ بن معاویہ السلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااورعرض کیا کہ:''اے اللہ کے رسول!میں جہادمیں شرکت کاخواہشمندہوں''آپؐ نے فرمایا:''کیاتمہاری ماں زندہ ہیں؟''۔میں نے عرض کیا کہ:''جی''۔تب آپؐ نے فرمایا:''تم ان کے قدموں کوتھامے رکھو،کیونکہ جنت وہیں ہے''۔

☆عن أبي أُمامةرضي اللّه عنه أنّ رجُلاً قال : يا رسولَ اللّه! مَا حَقُّ الوَالِدَين عَلَىٰ وَلَدِهِمَا؟ قَال:هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ)(۲)

(۱)الطبرانی فی المعجم الکبیر[۲۲۰۲]ج:۲۔ (۲)ابن ماجہ[۳۶۶۲]

ترجمہ:(حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:''والدین کا اپنی اولاد پر کیا حق ہے؟'' آپؐ نے فرمایا:''وہ دونوں تمہارے لئے جنت ہیں اور وہی دونوں ہی تمہارے لئے دوزخ ہیں'')۔

یعنی انسان کیلئے اس کے والدین کی خوشی جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے، جبکہ اس کے برعکس ان کی ناراضگی دوزخ میں داخلے کا ذریعہ ہے۔

☆عن أبي هريرة رضي اللّه عنه عن النّبيّ ﷺ قال : رَغِمَ أنفُهُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنفُهُ ، ثُمَّ رَغِمَ أنفُهُ ، قِيلَ : مَن يَا رَسُولَ اللّه؟ قال : مَن أدْرَكَ وَالدَيهِ عِندَ الكِبَرِ أو أحَدَهُمَا ثُمَّ لَم يَدخُلِ الجَنّةَ) (۱)

ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''نامراد ہو، پھر نامراد ہو، پھر نامراد ہو''۔عرض کیا گیا کہ:''یارسول اللہ! کون نامراد ہو؟''۔ فرمایا کہ:''جس نے اپنے والدین کو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی [انہیں خوش کرکے] جنت میں داخل نہ ہوسکا'')۔

☆عن عبد اللّه بن عمر رضي اللّه عنهما قال : قال رسولُ اللّه ﷺ : رِضَا اللّهِ فِي رِضَا الوَالِدِ ، وَ سَخَطَ اللّهِ فِي سَخَطِ الوَالِدِ) (۳)

ترجمہ:(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے'')۔

☆والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بدولت ''فرمانبردار'' اولاد نصیب ہوگی:

عن ابن عمر رضي اللّه عنهما قال : قال رسولُ اللّهِ ﷺ : بَرُّوا آبائَكُم

(۱)مسلم[۲۵۵۱] (۳)ترمذی[۱۸۹۹]

تَبَرُّكُم أَبنَاؤُكُم) (۱) ترجمہ: (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی'')۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اس انتہائی نازک اور اہم ترین بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر کوئی انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی اپنی اولاد فرمانبردار اور نیک بخت ہو تو اس کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ خود بھی اپنے والدین کا خدمت گذار اور فرمانبردار بن کر رہے، کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے.....جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور.....!!

☆ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ''درازیٔ عمر'' اور ''وسعتِ رزق'' کا ذریعہ ہے:

عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه ﷺ : مَن سَرَّهُ أَن يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُزَادَ فِي رِزقِهِ فَلْيَبَرّ وَالدَيهِ وَلْيَصِل رَحِمَه) (۲) ترجمہ: (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کی عمر طویل ہو اور اس کے رزق میں فراوانی ہو، اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک، اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے'')۔

☆ والدین کے انتقال کے بعد اُن کیلئے دعاء:

انسان پر اس کے والدین کے بیشمار احسانات کی وجہ سے انسانیت ومروت اور وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ادب واحترام کا یہ سلسلہ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ معاملہ محض

(۱) الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم فی المستدرک) الترہیب أن یعتذر الی المرء أخوہ فلا یقبل عذرہ نیز: الطبرانی فی الأوسط۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم۔ (۲) احمد [۱۳۴۲۵] [۱۳۸۳۸]

ان کی دنیاوی زندگی تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ یہ سلسلہ ان کے انتقال کے بعد بھی قائم ودائم اور جاری وساری رہے اور انسان اپنی دعاؤں میں ہمیشہ اپنے والدین کو یاد رکھے۔ جیسا کہ درجِ ذیل احادیث میں اس چیز کی تاکید وتلقین کی گئی ہے:

☆عن أبي أُسيد مالك بن ربيعة الساعديّ رضي اللّٰه عنه قال : بَينَمَا نَحنُ جُلُوسٌ عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِذ جَاءَ رَجُلٌ مِن بَنِي سَلَمَةَ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰه! هَل بَقِيَ مِن بِرِّ أَبَوَيَّ شَئٌ أَبَرُّهُمَا بَعدَ وَفَاتِهِمَا؟ قَال : نَعَم! الصَّلَاةُ عَلَيهِمَا ، وَالِاستِغفَارُ لَهُمَا ، وَ اِنفَاذُ عَهدِهِمَا مِن بَعدِهِمَا ، وَ اِكرَامُ صَدِيقِهِمَا ، وَصِلَةُ الَّرحِم الّتِي لَاتُوصَلُ اِلّا بِهِمَا) (۱) ترجمہ:(حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اس دوران بنوسلمہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص وہاں وارد ہوا اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسولؐ! کیا میرے والدین کے انتقال کے بعد بھی میرے ذمے ان کا کوئی حق باقی ہے؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''ہاں! تم ان کیلئے دعاء کرتے رہنا (۲) ان کیلئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہنا، انہوں نے جس کسی کے ساتھ جو کوئی عہد وپیمان کر رکھا ہو اسے ان کے بعد نبھاتے رہنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور اُس رشتے کو جوڑے رکھنا جو اُن کے ذریعے جڑا ہوا تھا''۔

☆عن أبي هُريرة رضي اللّٰه عنه قال : قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ : (تُرفَعُ لِلمَيّتِ دَرَجَتُهُ بَعدَ مَوتِهِ فَيَقُول : أَي ربّ ! أَيُّ شَئٍ هٰذِهِ؟ فَيُقَال : وَلَدُكَ

(۱) ابن حبان [۴۱۸] ابن ماجہ [۳۶۶۴] ابوداؤد [۵۱۴۲] احمد [۱۶۱۰۳] البتہ مختلف روایات میں الفاظ قدرے مختلف ہیں۔ (۲) اس حدیث میں ''الصلاۃ'' سے مراد مطلق دعاء بھی ہوسکتی ہے، نیز اس سے ''نمازِ جنازہ'' بھی مراد لی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ بھی درحقیقت میت کیلئے دعاء ہی ہے۔

اِستَغفَرَ لَكَ) (۱) ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی میّت کے درجات میں بعض اوقات اس کی موت کے بعد ترقی واضافہ کیا جاتا ہے، تب وہ [تعجب وحیرت سے] پوچھتا ہے کہ: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اسے [اللہ کی طرف سے] جواب دیا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار کیا ہے)۔

☆عن أبي هريرة رضي الله عنه أنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قال : اِذَا مَاتَ ابنُ آدَمَ انقَطَعَ عَمَلُهُ اِلّا مِن ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أو عِلمٍ يُنتَفَعُ بِهٖ ، أو وَلَدٍ صَالِحٍ يَدعُو لَهُ) (۲) ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ابن آدم کی موت واقع ہوجاتی ہے تو اس کیلئے عمل کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: اس نے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑا ہو، یا ایسا علم چھوڑ گیا ہو جو اس کے بعد بھی [خلقِ خدا کیلئے] نافع ومفید ہو، یا ایسی اولاد چھوڑ گیا ہو جو اس کیلئے دعائے خیر کرتی رہے) (۳)

☆<u>والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے:</u>

خالقِ ارض وسماء کے فیصلے کے مطابق جس طرح صرف اُس ایک اللہ کی عبادت وبندگی کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اوران کی اطاعت وفرمانبرداری ہے' بعینہٖ اسی طرح اللہ کے ساتھ شرک جیسے بدترین جرم اورناقابلِ معافی گناہ کے بعد سب سے بڑا جرم اور بدترین گناہ والدین کی نافرمانی اوران کے ساتھ بدسلوکی ہے۔

(۱) بخاری فی الادب المفرد [۳٦] باب برالوالدین بعد موتہما۔

(۲) مسلم [۱٦۳۱] نیز بخاری فی الادب المفرد [۳۸] باب برالوالدین بعد موتہما۔

(۳) اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ والدین کے انتقال کے بعد ان کیلئے دعائے خیر کا اہتمام والتزام کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو: (أَلَا أُنَبِّئُكُم بِأَكبَرِ الكَبَائِرِ؟ أَلَا أُنَبِّئُكُم بِأَكبَرِ الكَبَائِرِ؟ أَلَا أُنَبِّئُكُم بِأَكبَرِ الكَبَائِرِ؟ قُلنَا بَلَىٰ يَا رَسُولَ اللّٰه! قَال : اَلِاشرَاكُ بِاللّٰه ، وَ عُقُوقُ الوَالِدَينِ) (۱) ترجمہ: (کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی'')۔

☆ والدین کی نافرمانی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (كُلُّ الذُّنُوبِ يُؤَخِّرُ اللّٰهُ مِنهَا مَا شَاءَ اِلَىٰ يَومِ القِيَامَةِ اِلّا عُقُوقَ الوَالِدَينِ ، فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُهٗ لِصَاحِبِهٖ فِي الحَيَاةِ قَبلَ المَمَاتِ) (۲) ترجمہ: (تمام گناہوں میں سے اللہ جس گناہ کی سزا کو چاہے گا قیامت تک مؤخر کردے گا، سوائے والدین کی نافرمانی کے، کہ ایسے شخص کو اللہ اس کی موت سے قبل دنیا میں بھی سزا دے گا)۔

عدل وانصاف فقط حشر تک نہیں موقوف زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

☆ کافر ومشرک والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ضروری ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَ اِن جَاهَدَاكَ عَلىٰ أَن تُشرِكَ بِي مَا لَيسَ لَكَ بِهٖ عِلمٌ فَلَا تُطِعهُمَا وَصَاحِبهُمَا فِي الدُّنيَا مَعرُوفاً﴾ (۳) ترجمہ: (اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو شریک ٹھہرائے میرے ساتھ کسی کو بغیر کسی دلیل کے، تو ان کا کہنا

(۱) بخاری [۵۹۷۶] باب: عقوق الوالدین من الکبائر۔

(۲) بخاری فی الأدب المفرد [۵۹۱] باب البغی۔ (۳) لقمان [۱۵]

تو مت مان، اوران کے ساتھ زندگی بسر کر خوبی کے ساتھ)

یعنی والدین اگر کافر ومشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر وشرک پر مجبور کرتے ہوں، ایسی صورتِ حال میں ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے اور اس معاملے میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔مگر اس کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوک، اطاعت وفرمانبرداری، ان کی دلجوئی، نیز ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔

ماں کے ساتھ خاص طور پر حسنِ سلوک کی تاکید:

والدین میں سے دونوں ہی یقیناً انتہائی واجب الاحترام اور لائقِ تعظیم ہیں اور قرآن وحدیث میں دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی عزت وخدمت اور اطاعت وفرمانبرداری کی تاکید وتلقین کی گئی ہے۔البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان دونوں میں سے خاص طور پر ''ماں'' کے ساتھ حسنِ سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور اس کا مقام ورتبہ نیز اولاد پر اس کا حق باپ کی بنسبت مقدم رکھا گیا ہے،جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے یہ بات واضح ہے:

عن أبي هريرة رضي اللّه عنه قال: جاء رجلٌ الىٰ رسول اللّه ﷺ فقال يا رسولَ اللّه! مَن أَحَقُّ النّاسِ بِحُسنِ صُحبَتِي؟ قال : أُمُّكَ ، قال : ثُمّ من؟ قال : ثُمّ أُمُّكَ ، قال : ثُمّ من؟ قال : ثُمّ أُمُّكَ ، قال : ثُمّ مَن؟ قال : أَبُوكَ) (۱) ترجمہ:(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:''تمہاری ماں کا''اس نے پوچھا:اس کے بعد؟ آپؐ

(۱) بخاری باب البر والصلۃ [۵۹۷۱] نیز: مسلم کتاب البر والصلۃ [۲۵۴۸]

نے فرمایا: ''تمہاری ماں کا'' اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہاری ماں کا'' اس نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارے باپ کا'')۔

اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس کی تمام تعلیمات آفاقی ہیں، اسی لئے یہ تمام تعلیمات انسانوں کے فطری جذبات واحساسات اوران کی بشری ضروریات کے عین مطابق ہیں، لہٰذا خالقِ کائنات کی طرف سے ''باپ'' کی بنسبت ''ماں'' کے حق کومقدم رکھنا' نیز اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کی زیادہ تاکید درحقیقت انسانی فطرت اورانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ:

☆.....اولاد کے وجوداور پھراس کی بقاء کے معاملے میں بہت سے مراحل ایسے آتے ہیں جن میں باپ کی بنسبت ماں بہت زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے، مثلاً حمل' ولادت' اوررضاعت وغیرہ ایسے مراحل ہیں کہ جن میں باپ کی شرکت کے بغیر تنہاماں ہی تمامتر مشقت وصعوبت برداشت کرتی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

﴿وَ وَصَّينَا الاِنسَانَ بِوَالِدَيهِ حَمَلَتهُ أُمُّهُ وَهناً عَلىٰ وَهنٍ وَّفِصَالُهُ فِي عَامَينِ أَنِ اشكُرلِي وَلِوَالِدَيكَ اِلَيَّ المَصِيرُ﴾ (۱) ترجمہ: (ہم نے انسان کواس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے، اس کی ماں نے اسے [دورانِ حمل] اٹھائے رکھا کمزوری پر کمزوری کے ساتھ، اوراس کی دودھ چھڑائی دوبرس میں ہے، کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگذاری کر، آخر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے)

نیز ارشادربانی ہے: ﴿وَ وَصَّينَا الاِنسَانَ بوَالِدَيهِ اِحسَاناً حَمَلَتهُ أُمُّهُ كُرهاً

(۱) لقمان [۱۴]

وَّ وَضَعَتهُ كُرهاً وَحَملُهٗ وِفِصَالُهٗ ثَلَاثُونَ شَهراً﴾ (۱) ترجمہ:(ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے،اس کی ماں نے [دورانِ حمل] تکلیف جھیل کر اسے اٹھائے رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا،اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے)

☆.....گذشتہ مراحل یعنی حمل، ولادت اور پھر رضاعت کے دوران تنہا تکلیف ومشقت اٹھانے کے بعد اب آگے اولاد کی تربیت کے مرحلے میں اگرچہ باپ بھی یقیناً بہت محنت ومشقت کرتا ہے اور بڑی تگ ودو میں مشغول رہتا ہے،تاہم اس موقع پر بھی ماں ہی براہِ راست متأثر ہوتی ہے اور اولاد کی خاطر ہمہ وقت نڈھال اور ہلکان رہتی ہے۔

☆.....''ماں'' چونکہ عورت ہونے کی وجہ سے فطری طور پر ہی کمزور مخلوق ہے اس لئے اس کے جذبات واحساسات بھی انتہائی نازک اور کمزور ہوا کرتے ہیں،لہٰذا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص طور پر تاکید کی گئی،اور خالقِ کائنات کی طرف سے اولاد کو یہ تنبیہ کر دی گئی کہ تمہاری ماں اگرچہ بظاہر کمزور اور بے بس ہے،تمہاری طرف سے کسی دل آزاری پر وہ بے چاری کمزور اور ممتا کی ماری ہوئی ماں محض آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی..... مگر اس بات کو خوب یاد رکھو کہ تمہیں کمزور و بے بس نظر آنے والی تمہاری اس ماں کا خالقِ کائنات کے نزدیک بڑا رتبہ ومقام ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت اسی ''ماں'' کے قدموں تلے رکھ دی ہے.....لہٰذا اگر جہنم کی آگ سے بچنے اور جنت کی ابدی ودائمی نعمتیں حاصل کرنے کی رغبت اور تمنا ہے تو ماں کو خوش کر لو اور اس کی دل آزاری سے باز آجاؤ، ورنہ حسرت وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا.....!!

(۱)الاحقاف[۱۵]

☆.....''ماں'' کو چونکہ اپنی اولاد سے بے پناہ محبت ہوا کرتی ہے جس میں ''ہوش وحواس'' کی بجائے عام طور پر ''جوش اور جذبات'' کا عنصر نمایاں اور غالب ہوتا ہے، اس لئے اکثر وبیشتر ماں اپنی اولاد کی طرف سے کوئی بے ادبی وگستاخی سرزد ہوجانے کے باوجود صبر وتحمل اور درگذر سے کام لیتی ہے اور اولاد کی طرف سے نامناسب رویہ وسلوک کو جان بوجھ کر نظر انداز کردیتی ہے.....اس لئے اولاد پر باپ کی بنسبت ماں کا حق زیادہ اور مقدم رکھا گیا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص تاکید وتلقین کی گئی، تاکہ اس کی بے پناہ محبت وشفقت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ اولاد اس کے مقام ومرتبے کو فراموش کرنے یا نظر انداز کردینے سے باز رہے۔

☆ایک اہم حقیقت:

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک' ان کی خدمت واطاعت اور ان کی قدردانی کے بارے میں آخر میں ایک یہ اہم ترین حقیقت بھی ہمیشہ ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ دنیا میں والدین کے سوا باقی ہر رشتہ ایسا ہے جو ایک سے زائد بار نصیب ہوسکتا ہے، مثلاً بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوسکتے ہیں، اولاد بہت سی ہوسکتی ہے، حتیٰ کہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کے انتقال یا طلاق کی وجہ سے جدائی کی صورت میں اگر کسی کو دوبارہ گھر بسانے کی رغبت ہو تو یہ رشتہ بھی ایک سے زائد بار وجود میں آسکتا ہے، نیا شوہر بھی مل سکتا ہے اور نئی بیوی بھی.....!

لیکن صرف ''ماں باپ'' کا رشتہ ایسا نازک' اس قدر قیمتی اور انمول رشتہ ہے کہ جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے، انسان کو اپنی پوری زندگی میں پیدائش سے موت تک صرف اور صرف ایک ہی بار ''ماں باپ'' نصیب ہوتے ہیں، کسی کی دو مائیں نہیں ہوسکتیں، یا دو باپ نہیں ہوسکتے۔

لہٰذا جب تک اس کے ماں باپ زندہ ہیں اسے چاہئے کہ اس عظیم رشتے اور اس انمول نعمت کی قدر پہچانے، اور اپنے لئے دنیا وآخرت میں سعادت مندی کا سامان کرلے، ورنہ ایک روز جب وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر جائیں گے تو پھر ان کی شکل دوبارہ کبھی نظر نہ آسکے گی اور پھر زندگی بھر انسان کی آنکھیں ان کے دیدار کیلئے بس ترستی ہی رہیں گی.....اور تب انسان بس یہ سوچتا ہی رہ جائے گا کہ کہاں چلے گئے میرے وہ والدین جنہوں نے مجھے پالا، جنہوں نے مجھے لکھایا پڑھایا، جو میری راحت کی خاطر خود ہمیشہ بے آرام رہے، جو مجھے زمانے کی سختیوں سے بچانے کیلئے میرے سر پر سائبان بنے رہے، اور جو میری سلامتی کی خاطر دعائے نیم شب میں آنسو بہاتے رہے.....!!

''اولاد: آنکھوں کی ٹھنڈک''

مگر کس طرح.....؟

قرآن کریم میں سورہ الفرقان کی آخری چند آیات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤمن بندوں کی چند صفات وعلامات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً﴾ (۱) ترجمہ (اور وہ [اہلِ ایمان] کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو عطاء فرما ہمیں شریکِ حیات اور اولاد جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا)

اس آیت کے معنیٰ ومفہوم میں اگر غور وفکر کیا جائے تو اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

☆ پہلی بات یہ کہ:

انسان کیلئے اس کے بیوی بچے یا اگر عورت ہے تو اس کیلئے اس کا شوہر اور اولاد یقیناً اللہ کی طرف سے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہیں، اور یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ انسان ان کی طلب اور خواہش رکھے اور اللہ سے ان چیزوں کے حصول کیلئے دعاء وفریاد اور آہ وزاری کرے، جیسا کہ اس آیت میں اہلِ ایمان کی صفات کے ضمن میں ان کی ایک یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے اپنے لئے اولاد طلب کرتے ہیں۔ اور پھر قرآن کریم میں ان کی اس دعاء کے تذکرہ سے تمام مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کو یہی بات سمجھانا مقصود ہے کہ یقیناً اولاد ایسی نعمت ہے جس کے حصول کیلئے انسان کو اللہ سے اسی طرح دعاء وفریاد کرنی

(۱) الفرقان [۷۴]

چاہئے۔

☆ دوسری بات یہ کہ:

انسان کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ یقیناً بیوی بچے اور اسی طرح عورت کیلئے اس کا شوہر اور اولاد بہت بڑی نعمت تو ہے، مگر ضروری نہیں کہ یہ تمام رشتے ہر انسان کیلئے ہمیشہ نعمت ہی ہوں۔ بلکہ بعض اوقات یہی رشتے انسان کیلئے رحمت کی بجائے زحمت، عذاب اور وبالِ جان بھی بن جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ رشتے ہمیشہ نعمت ہی ہوتے تو پھر قرآن کریم میں اللہ کی طرف سے اس دعاء کے تذکرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جس میں ایسے شریکِ حیات نیز ایسی اولاد کی طلب کی تعلیم دی گئی ہے جو انسان کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اور پھر یہی بات قرآن کریم میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعاء سے بھی واضح ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (۱) ترجمہ: (اے میرے رب! مجھے صالح اولاد عطاء فرما)

نیز حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعاء سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ (۲) ترجمہ: (اے میرے رب! تو اپنے خاص فضل وکرم سے مجھے ایسی اولاد عطاء فرما جو پاکیزہ ہو)

یعنی اولاد ایسی نعمت ہے جس کے حصول کیلئے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام جیسی عظیم ترین اور انتہائی جلیل القدر اور برگزیدہ ہستیوں نے بھی اللہ سے دعاء وفریاد کی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ان دونوں مذکورہ دعاؤں سے یہ بات بھی خوب واضح اور عیاں ہے کہ انسان کیلئے اولاد یقیناً بہت بڑی نعمت تو ہے..... مگر بشرطیکہ وہ صالح اور پاکیزہ ہو، عمدہ

(۱) الصّافّات [۱۰۰] (۲) آل عمران [۳۸]

اورشریفانہ اخلاق وکردار کی حامل ہو، اللہ اور رسول ﷺ کی بھی مطیع وفرمانبردار ہواور اپنے والدین کی بھی مطیع وفرمانبردار ہو، یقیناً صرف ایسی اولاد ہی انسان کیلئے نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکتی ہے۔ ورنہ انسان کو یہ تلخ حقیقت ہمیشہ یادرکھنی چاہئے کہ اس کے اپنے بیوی بچے نیز عورت کیلئے اس کا اپنا ہی شوہر اور اولاد اگر مصیبت اور عذاب جان بن جائے تو یہ چیز انتہائی تکلیف دہ اور ناقابلِ برداشت ہوا کرتی ہے، کیونکہ کسی غیر سے اگر کوئی رنجش یا ناراضگی ہوجائے یا اس سے کوئی تکلیف وصدمہ پہنچے تو انسان حسبِ مصلحت اس سے دوری وعلیحدگی بھی اختیار کرسکتا ہے، لیکن اگر کسی کے ساتھ اس کی اپنی اولاد کا ہی رویّہ وسلوک بُرا اور تکلیف دہ ہو، تو یقیناً اس کی اپنی اولاد ہی اس کیلئے مصیبت وعذاب بن جائیگی۔

اور پھر یہ معاملہ اس لئے بھی انتہائی نازک اور حساس ترین ہے کہ کوئی غیر اگر کسی کے ساتھ دشمنی یا بدتمیزی کرتا ہے تو وہ تو اس کے گھر سے باہر ہے، جبکہ اپنی ہی اولاد میں سے اگر کوئی بداخلاق یا بدتمیز اور بدکردار ہے تو وہ تو خود اس کے اپنے گھر کے اندر ہے، یعنی یہ دشمن تو خود انسان کے اپنے ہی گھر کے اندر پل رہا ہے، رات دن اس کی اپنی آنکھوں کے سامنے ہے، اسی کی محنت کی کمائی میں سے کھاتا پیتا ہے، عیش کرتا ہے، اور پھر اسی کا دل دکھاتا ہے اور اسے رلاتا ہے، انسان اس سے قطع تعلق بھی نہیں کرسکتا، قدرت کے بنائے ہوئے اس اٹل اور مضبوط رشتے کو توڑ بھی نہیں سکتا، اسے اپنے گھر سے نکال بھی نہیں سکتا، بس رات دن اپنی غمزدہ آنکھوں سے حیران وپریشان اس کی بُری حرکتوں کا نظارہ کرتا ہے، اس کی بداخلاقیاں اور بدتمیزیاں برداشت کرتا ہے، اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی خون پسینے کی کمائی کو اس کی یہ نافرمان اولاد کس طرح برباد کررہی ہے، جس اولاد کی خاطر زندگی

بھرانسان محنت ومشقت کرتا رہااور جس کی راحت وآرام کی خاطر انسان نے زندگی بھر خود کو بے آرام رکھااور اپنی تمام خواہشات کا گلا دبائے رکھا.....یہی اولاد اگر عذاب بن جائے تو کسی بھی انسان کیلئے اس سے بڑا صدمہ اور کیا ہوسکتا ہے.....؟

☆اب سوال یہ ہے کہ:

اس انتہائی تکلیف دہ اور عظیم ترین صدمہ سے بچنے کیلئے انسان کیا کرسکتا ہے؟

☆اس اہم ترین اور انتہائی نازک سوال کا جواب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ ہے کہ اس مقصد کیلئے درجِ ذیل اسباب کو اختیار کیا جائے:

(۱)اولاد کیلئے دعائے خیر:

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی صلاح وفلاح اور دنیا وآخرت میں بہتری اور ترقی وکامیابی کیلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر اور عاجزی وانکساری کے ساتھ دعاء وفریاد کرتا رہے، چنانچہ اس سلسلہ میں مناسب ترین دعاء تو یہی ہے جس کا تذکرہ اس مضمون کی ابتداء میں کیا گیا اور جو کہ سورہ الفرقان کی آیت نمبر۷۴ میں موجود ہے، وہاں سے یاد کی جاسکتی ہے۔ (۱)

اس کے علاوہ سورہ احقاف کی آیت نمبر:۱۵میں مذکور اس دعاء کا بھی اہتمام والتزام کرنا چاہئے:﴿رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَ أَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (۲) ترجمہ:(اے میرے رب! تو مجھے اس بات کی توفیق عطاء

(۱) رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً (الفرقان: ۷۴)

(۲)احقاف[۱۵]

فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے، اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے، اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔

(۲) اولاد کی اخلاقی وروحانی تربیت:

والدین جس طرح اپنی اولاد کی دنیاوی ترقی وآرام اور ان کی کامیابی اور باعزت زندگی کیلئے خوب محنت وکوشش کرتے ہیں اور تمام ممکن اسباب ووسائل اختیار کرتے ہیں.....اولاد کی اخلاقی وروحانی تربیت وترقی کیلئے بھی انہیں اسی طرح فکرمند ہونا چاہئے اور ہر ممکن سعی وکوشش کرنی چاہئے، کیونکہ انسان صرف گوشت پوست کے اس جثہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اصل چیز اس کی انسانیت وروحانیت اور اس کا اخلاق وکردار ہے، لہٰذا اس کے اخلاق وکردار کی تعمیر کی طرف توجہ دینا اور اس مقصد کی خاطر زیادہ محنت وجستجو کرنا یقیناً زیادہ اہم اور ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ) (۱) ترجمہ: (تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور تم میں سے ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں [اللہ کے سامنے] جواب دہ ہے)۔

لہٰذا اگر کسی کے دل میں یہ خواہش اور تمنا ہو کہ اس کی اولاد اس کیلئے مصیبت وعذاب بننے کی بجائے نعمت ورحمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کیلئے دنیاوی ترقی وکامیابی کیلئے محنت وکوشش اور ضروری انتظام کے ساتھ ساتھ اولاد کی اصلاحِ باطن کی بھی فکر کرے اور ایسی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے جس کی بدولت اولاد کے

(۱) بخاری، باب: الجمعۃ فی القریٰ والمدن [۸۵۳] نیز: باب اذا أتاہ خادمہ بطعامہ [۲۴۱۹] نیز: باب قوا أنفسکم واہلیکم ناراً [۴۸۹۲] نیز: کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ: أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم [۶۷۱۹]

دل میں فکرِ آخرت' اللہ کا خوف' دنیا کی فنائیت' موت کے بعد آنے والے مرحلے کیلئے تیاری کی جستجو' روزِ قیامت اللہ کی عدالت میں حاضری' اپنے ہر قول وفعل کی جواب دہی' اللہ کے سامنے حساب وکتاب اور جزا وسزا کی فکر اور تیاری کا جذبہ بیدار ہو۔

نیز یہ کہ آج اگر ہم اپنے بچوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم سے آراستہ کرینگے تب ہی تو انہیں اس بات کا علم ہوگا کہ قرآن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ: ﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ﴾ (۱) ترجمہ: (جب تمہاری نظروں کے سامنے ان دونوں [یعنی تمہارے والدین] میں سے کوئی ایک یا وہ دونوں ہی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تو اب تم ان کے سامنے ''اُف'' بھی نہ کہو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهِ دَرَجَتُه فَيَقُوْلُ: أَيْ رَبِّ أَيُّ شَيْءٍ هٰذِهِ؟ فَيُقَال : وَلَدُكَ اِسْتَغْفَرَ لَكَ) (۲) ترجمہ: (کسی انسان کے مرنے کے بعد [بعض اوقات] اس کے درجات بلند کئے جاتے ہیں، جس پر وہ حیران ہوکر [اللہ سے] پوچھتا ہے کہ: اے میرے رب! یہ کیا معاملہ ہے؟ اسے [اللہ کی طرف سے] جواب دیا جاتا ہے کہ اس وقت تمہاری اولاد تمہارے لئے دعاء واستغفار میں مشغول ہے)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُه اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِه أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَه) (۳) ترجمہ: (جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کیلئے عمل کا دروازہ بند کردیا جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ (۴) یا ایسا علم جس سے [اس کی موت کے بعد بھی] فائدہ اٹھایا جا

(۱) الاسراء/ بنی اسرائیل [۲۳] (۲) بخاری فی الأدب المفرد [۳۶] باب بر الوالدین بعد موتہما۔
(۳) مسلم [۱۶۳۱] باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاتہ۔ (۴) ''صدقۂ جاریہ'' سے مراد یہ ہے کہ انسان نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے خلقِ خدا اس کی موت کے بعد بھی مستفید ہو رہی ہو۔

رہا ہو، یا ایسی اولاد جو اس کیلئے [اس کی موت کے بعد بھی] دعائے خیر کرتی رہے)۔

لہٰذا اپنی اولاد کی اخلاقی و دینی تعلیم و تربیت کے بعد ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ جب تک ہم اس دنیا میں زندہ رہیں گے اس وقت تک ہماری اولاد ہمارے سامنے کبھی ''اُف'' تک نہیں کہے گی، اور جب اللہ کی مرضی اور اس کے حکم سے ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تب ان شاء اللہ ہماری اولاد ہمارے لئے دعائے خیر اور استغفار کرتی رہے گی، اور یوں ان شاء اللہ ہماری اولاد ہمارے لئے زندگی میں بھی اور ہمارے انتقال کے بعد بھی رحمت' نعمت' اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اولاد کی اخلاقی و روحانی تربیت و اصلاح کی طرف توجہ اور کوشش کا اہتمام و انتظام بچپن سے ہی ہونا چاہئے، کیونکہ جس طرح درخت جب چھوٹا ہوتا ہے تو اس کی شاخوں کو اپنی مرضی کے مطابق موڑا جاسکتا ہے اور یوں اس درخت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق بنایا اور ڈھالا جاسکتا ہے، لیکن وہی درخت جب بڑا اور مضبوط ہو جائے تو اب یہ ممکن نہیں ہوگا، اب اس کی شاخیں ٹوٹ تو سکتی ہیں لیکن انہیں اپنی مرضی کے مطابق موڑا نہیں جاسکتا، اور نہ اب اس درخت کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق کوئی شکل دی جاسکتی ہے۔

بعینہٖ اسی طرح بچے کو ہم زندگی بھر کیلئے جس شکل اور جس انداز میں نیز جن عادات واطوار کا حامل دیکھنا چاہتے ہیں ہمیں اس کے بچپن میں ہی اسے وہی شکل دے دینی چاہئے اور انہی طور طریقوں کا عادی بنا دینا چاہئے، ورنہ بڑے ہونے کے بعد یہ کام ممکن نہیں ہوگا اور ہماری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور ہمارا خواب کسی صورت شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکے گا اور بس پھر ہمیشہ کیلئے حسرت ہی رہ جائے گی.....اور تب ہماری اپنی ہی یہ اولاد ہمیں بیگانی

محسوس ہوگی، اور ہم صاحبِ اولاد ہوتے ہوئے بھی خدانخواستہ خود کو بے اولاد سمجھنے پر مجبور ہوں گے.....!!

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (مُـرُواْ أَوْلَادَكُـمْ بِـالْـصَّلَاةِ لِسَبْعٍ) (۱)

ترجمہ: (اپنی اولاد کو سات سال کی عمر سے ہی نماز کا حکم دو)

یعنی اولاد کو بچپن میں ہی نماز کا عادی بنا دیا جائے، اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے ہم انہیں ہمیشہ کیلئے جس روپ میں دیکھنے کی خواہش رکھتے ہوں انہیں ان کے بچپن اور کم عمری میں ہی اس روپ میں ڈھال دیا جائے، کیونکہ بعد میں یہ ممکن نہیں ہوگا۔

(۳) اولاد کے انجام کی فکر:

انسان ہمیشہ اپنی اولاد کی دنیاوی ترقی و کامیابی اور اس کے بہتر مستقبل کیلئے فکرمند اور کوشاں رہتا ہے، یقیناً یہ ایک طبعی امر ہے اور اگر یہ کوشش اور جدوجہد شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہو تو اس میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں ہے، بلکہ یہ تو خود شریعت اسلامیہ کی طرف سے ہی والدین کے ذمے ان کی اولاد کیلئے مقرر کردہ حقوق میں شامل ہے۔ البتہ یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہئے کہ دنیا کی زندگی عارضی وفانی ہے، جبکہ آخرت کی زندگی ابدی ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ آخرت کی کامیابی وراحت کی فکر زیادہ ہونی چاہئے اور اس مقصد کیلئے کوشش اور جدوجہد بھی زیادہ ہونی چاہئے، بہت سے لوگوں کو اکثر وبیشتر یہ کہتے ہوئے سنا جاتا ہے کہ ہمیں اس بات کی انتہائی فکر ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا؟ لیکن یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ خود بچوں کے مرنے کے بعد ان (بچوں) کا کیا بنے گا....؟ کیونکہ ہمارے بچے بھی تو آخر انسان ہی ہیں اور ہر انسان کی طرح یقیناً ان کی آخری منزل

(۱) احمد [۶۷۵۶]

بھی وہی ہے.....یعنی موت .....اور پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی.....نیز یہ کہ جلد یا بدیر آخر کبھی نہ کبھی تو بچوں کیلئے بھی اس دنیائے فانی سے کوچ اور رخصتی کا وقت آ ہی جائے گا، اور اس وقت خواہ ان بچوں کی عمر کچھ بھی ہو، خواہ اس وقت یہ بوڑھے ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں، لیکن بہر حال ہوں گے تو یہ آخر ہمارے ہی بچے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ) (۱) ترجمہ: (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے) یعنی کسی کیلئے قبر جنت کا ایک حصہ ہوگی اور کسی کیلئے قبر ہی دوزخ ہوگی، ہمارے یہ معصوم اور پھول جیسے بچے اور یہ ہمارے جگر گوشے جن کے آرام وراحت کی خاطر آج ہم کس قدر فکر مند رہتے ہیں، اور خصوصاً یہ معصوم بچے دن بھر کھیل کود اور اپنی معصومانہ شرارتوں کے بعد رات کو جب اپنے چھوٹے سے تکیے پر سر رکھے ہوئے سو رہے ہوتے ہیں اس وقت کتنے پیارے لگتے ہیں اور ہمیں ان پر کس قدر پیار آ رہا ہوتا ہے.....اس وقت ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہمیں اچھا لگے یا بُرا لگے مگر یہ کہ یقیناً کبھی نہ کبھی وہ وقت بھی آ ہی جائیگا جب ہمارے یہی لختِ جگر اور یہ ہماری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور اسی طرح اپنی قبر میں سو رہے ہونگے ..... نہ جانے وہ کون سی جگہ ہوگی اور کون سا شہر اور ملک ہوگا؟ اور اللہ ہی جانے وہ قبر ان کیلئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی.....یا..... خدانخواستہ..... بس آگے تو کچھ لکھتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے.....اللہ ہم سب پر رحم فرمائے، آمین۔ اور اسی جذبے کے تحت ہمیں اپنی اولاد کی اصلاح اور مناسب اخلاقی تربیت کیلئے فکر اور کوشش کرنی چاہئے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا قُوا

(۱) ترمذی [۲۴۶۰]

أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (۱) ترجمہ: (اے ایمان والو! تم بچالو خود اپنے آپ کو بھی اور اپنے اہل وعیال کو بھی [جہنم کی] آگ سے)۔

(۴) اولاد میں عدل وانصاف:

خالقِ کائنات نے اس تمام کائنات کی بنیاد ہی عدل وانصاف پر رکھی ہے، جہاں انصاف ہوگا وہاں ترقی اور ہر قسم کی خوبی وبہتری ہوگی، اور جہاں ناانصافی ہوگی یقیناً وہاں تباہی وبربادی آکر ہی رہے گی، لہٰذا عدل وانصاف کے تقاضوں کی مکمل پابندی تو ہمیشہ اور ہر معاملے میں ہی انتہائی ضروری ہے۔

البتہ اولاد کی تعلیم وتربیت کے معاملے میں اس چیز کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، لہٰذا اس سلسلے میں والدین کیلئے عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کی مکمل رعایت وپاسداری از حد ضروری ولازمی ہے، کیونکہ والدین اگر اپنی ہی اولاد میں باہم عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال کرنے لگیں تو اس سے یقیناً ان میں احساسِ محرومی، باہم نفرت وعداوت اور انتقام کے جذبات نشوونما پانے لگیں گے، نیز والدین کی عزت واحترام اور اطاعت گذاری وفرمانبرداری کی بجائے سرکشی ونافرمانی کا رجحان پیدا ہوگا..... جس سے گھر کا سکون واطمینان برباد ہوجائے گا، نیز یہ چیز دنیا وآخرت میں ناکامی ونامرادی اور ذلت ورسوائی کا سبب بھی بنے گی۔ (۲)

(۵) اپنی اصلاح کی فکر:

والدین اگر یہ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد ان کیلئے عذاب اور وبالِ جان بننے کی بجائے

(۱) التحریم [٦]

(۲) اس سلسلہ میں مزید تفصیل کیلئے ''عدل وانصاف'' کے باب میں صفحہ ۸۸۔۸۹ بھی ملاحظہ ہو۔

نعمت' راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہو تو انہیں یہ اٹل حقیقت خوب ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ اس مقصد کیلئے انہیں سچے دل اور خلوصِ نیت کے ساتھ پہلے خود اپنی اصلاح کی فکر و جستجو کرنا ہوگی۔

لہٰذا والدین کیلئے ضروری ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شیوہ وشعار بنائیں، دینی احکام' شرعی فرائض وواجبات اور اسلامی آداب وتعلیمات کی مکمل پابندی کریں، پاکیزہ سیرت وکردار' اعلیٰ خلاق اور عمدہ صفات سے اپنی شخصیت کو آراستہ ومزین کریں، ہر قسم کی برائی سے اپنا دامن بچائیں، اپنے قول وفعل میں مکمل مطابقت پیدا کریں، اولاد کو کسی خوبی کا حکم دینے سے قبل خود اس خوبی کو اپنائیں، انہیں کسی برائی سے باز رہنے کی تاکید وتلقین سے پہلے خود اس برائی سے دوری وکنارہ کشی اختیار کریں، یوں اپنی شخصیت کو اولاد کے سامنے اعلیٰ مثال اور قابلِ تقلید نمونہ بنا کر پیش کریں، ایسی شخصیت جس کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہو......اس کے بعد اولاد کی صلاح وفلاح کی توقع کریں، کیونکہ ''اصل'' کی درستی کے بغیر ''سائے'' کی درستی کی توقع کس طرح کی جاسکتی ہے......؟

(٦) اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (بَـرُّوا آبَائَكُم تَبَرُّكُم أَبْنَاؤُكُمْ) (۱) ترجمہ: (تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تا کہ تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے) اس حدیث کی رُو سے یہ بات خوب واضح ہے کہ آج ہم اپنے والدین کے ساتھ جس قسم کا سلوک روا رکھیں گے کل ہماری اولاد بھی ہمارے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک کرے گی۔

(۱) الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم فی المستدرک) الترہیب أن یعتذر الیٰ المرء أخوہ فلا یقبل عذرہ۔
نیز: الطبرانی فی الأوسط۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ أعلم۔

لہٰذا انسان کو یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ نے یہ معاملہ تو خود انسان ہی کے حوالے کر دیا ہے اور اسی کے اختیار میں یہ چیز دے دی ہے، اب اس کی مرضی ہے کہ وہ اپنے لئے کیا چیز پسند کرتا ہے، آج وہ خود جو کچھ اپنے والدین کے ساتھ کرے گا' کل وہی اس کے ساتھ بھی ہو جائے گا، قدرت کا قانون اٹل ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا، لہٰذا انسان کو اللہ سے ڈرنا چاہئے اور تصور کی آنکھ سے اس منظر کو دیکھنا چاہئے کہ جب وہ خود بوڑھا' کمزور اور محتاج ہو چکا ہوگا، اور اس وقت اس کی یہ دلی تمنا ہوگی کہ اس کی یہ اولاد جس کی خاطر اس نے زندگی بھر کولہو کے بیل کی طرح محنت ومشقت کی، جس کا مستقبل سنوارنے کی خاطر اس نے اپنی کتنی ہی خواہشات اور آرزوؤں کا خون کیا، کاش آج یہ اولاد اس کے لئے سہارا بن سکے اور اس کے بڑھاپے کیلئے لاٹھی کا کام دے سکے.... اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی یہ آرزو پوری ہو اور اس کی اولاد اس کے بڑھاپے اور محتاجی وکمزوری کے وقت اس سے اپنی آنکھیں نہ پھیر لے اور اسے بے یار ومددگار نہ چھوڑ دے.....تو اس کیلئے ضروری ہے کہ آج وہ خود بھی جس قدر ممکن ہو سکے اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔

اللہ رب العزت کے حضور انتہائی عاجزانہ دعاء وفریاد ہے کہ اے اللہ! تو اپنے خاص فضل وکرم سے ہمارے بچوں کو ہمارے لئے رحمت، نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔

آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

زوجین کے حقوق وفرائض:

معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے، اورافراد کی سیرت وکردار کی تعمیراوران کی اچھی یابری تربیت گھر میں ہوتی ہے، اورگھر اُس وقت وجود میں آتا ہے جب کوئی دومرد وعورت رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوتے ہیں، یعنی شوہراور بیوی کے اس نئے رشتے کے وجود میں آنے پرایک نئے گھر کی بنیادرکھی جاتی ہے۔

شوہراور بیوی کے دلوں میں اگرخوفِ خدا کا جذبہ موجزن ہو، آپس میں اتفاق واتحاداور صبروتحمل کا مظاہرہ ہو، دلوں میں ایک دوسرے کیلئے محبت اورعزت واحترام کا احساس ہو..... تو یہ گھر بفضلِ خداجنت کانمونہ ثابت ہوگا، یہ شوہراور بیوی دونوں ایک دوسرے کیلئے نعمت' رحمت اوردکھ سکھ کے ساتھی ثابت ہوں گے، اور یہاں تربیت پانے والے ان کے بچے مستقبل میں کامیاب وخوش نصیب انسان ثابت ہوں گے، اپنے والدین کیلئے' معاشرے کیلئے' ملک وملت کیلئے' بلکہ پوری انسانیت کیلئے ان کا وجودنافع ومفید ہوگا۔

لیکن اگراس کے برعکس شوہراور بیوی میں آئے دن تلخ کلامی ہوتی ہو، گھر میں ہمیشہ جنگ وجدال اورفتنہ وفساد کا ماحول رہتا ہو، نہ ایک دوسرے کی عزت وآبرو کا خیال ہو، نہ ہی اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو، اورنہ ہی بچوں کے مستقبل کی فکرہو..... تو ایسا گھر یقیناً جہنم بن جائے گا اوروہاں تربیت پانے والے بچے زندگی کے ہرمیدان میں اور ہر مرحلے میں ناکام ومراد' ڈرے سہمے' خوداعتمادی سے محروم' احساسِ محرومی میں مبتلا' اور معاشرے کیلئے بے کار' بلکہ نقصان دہ ثابت ہوں گے، عین ممکن ہے کہ یہ بچے خود اپنے بچپن کے دور میں پیارومحبت' ہمدردی وشفقت سے ہمیشہ محرومی کے سبب اب بڑے ہوجانے کے

بعد بطورِ انتقام دوسروں کے ساتھ سنگ دلی، ظلم وزیادتی اور جبر وسفا کی پر اتر آئیں، اور رفتہ رفتہ جرائم کی دنیا کی اس بند گلی میں جا پہنچیں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور پھر زندگی بھر بدبختی کے ہاتھوں ٹھوکریں کھاتے کھاتے آخر کار ان کا آخری ٹھکانہ پھانسی کا پھندا ہوگا.....!!

آج دنیا کی مختلف جیلوں کی تنگ وتاریک کوٹھڑیوں میں جو بدنصیب قیدی سسک رہے ہیں، یا جو سزائے موت کے انتظار میں اپنی آخری سانسیں گن رہے ہیں..... اگر کوئی صاحبِ دل ان سے جا کر پوچھے یا ان کی آپ بیتی سنے تو یقیناً یہی بات سامنے آئے گی کہ بچپن میں گھر میں ماں باپ کے درمیان ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، مار پٹائی اور لعن طعن کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا..... اُس خوفناک ماحول سے اور روز روز کی پٹائی کی اذیت سے بچنے کیلئے پہلے تو بچے گھر کے کونوں کھدروں میں، دروازوں کے پیچھے اور پلنگوں کے نیچے چھپتے رہے، اور جب ذرہ بڑے ہوئے تو کنڈی کھول کر باہر نکل گئے.....اور بس یہیں سے بربادی وبدبختی کی ایک دردناک داستان اور اذیت ناک کہانی شروع ہوگئی، کیونکہ بچہ جب ایک بار گھر سے نکل گیا تو اب اسے زندگی بھر کبھی اپنے اُس گھر کی طرف واپسی نصیب نہیں ہو سکے گی.....الا ماشاءاللہ!

اور پھر گھر سے باہر بھی زندگی بھر وہ کبھی سکون سے نہ جی سکے گا، کیونکہ جس بدنصیب کو خود اپنے گھر کے آنگن میں اور اپنی ماں کے آنچل میں سکون نصیب نہ ہوا..... اسے دنیا میں اور کہاں سکون نصیب ہو سکے گا.....؟

لہٰذا میاں بیوی اگر یہ چاہتے ہوں کہ ان کا رشتہ قائم ودائم رہے، ان کا گھر آباد رہے اور جنت کا نمونہ بنا رہے.....اس گھر میں پرورش پانے والے ان کے معصوم بچے مستقبل میں

کامیاب انسان ثابت ہوں ،اوردربدرہونے سے محفوظ رہیں .....توانہیں اپنے اس ازدواجی رشتے کی بنیاد ایمان پراورخوفِ خداپررکھنا ہوگی، باہمی اتفاق واتحاداورصبروتحمل کواپناشیوہ وشعاربنانا ہوگا،جھوٹی انااورمصنوعی شان سے دامن بچانا ہوگا، بلاوجہ ہٹ دھرمی اورضد بازی سے مکمل گریز کرنا ہوگا،زندگی کے ہرمعاملے میں عموماً اور باہمی رویہ وسلوک میں خصوصاً ہمہ وقت اپنے خالق ومالک کے سامنے اپنے ہرقول وفعل کی جواب دہی کا جذبہ بیداررکھنا ہوگا،اوریہ احساس ہمیشہ تازہ رکھنا ہوگا کہ ان کا یہ مقدس رشتہ تواللہ کا نام لے کراوراُس کا کلام پڑھ کرقائم کیا گیاہے،لہٰذا یہ رشتہ تواللہ کی طرف سے مقدس امانت ہے،اورایک روزاللہ کے سامنے حاضرہوکراس کی اس امانت کے بارے میں حساب وکتاب پیش کرنا ہے۔

تقریباًیہی مفہوم تواس قرآنی آیت کا بھی ہے جوعموماً خطبۂ نکاح میں پڑھی جاتی ہے، ارشادِربانی ہے:﴿یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَفسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنهَا زَوجَهَا وَ بَثَّ مِنهُمَا رِجَالًا كَثِيراً وَّ نِسَاءً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالأَرحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيكُم رَقِيباً﴾ (۱) ترجمہ:(اےلوگو! ڈرواپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیاایک جان سے،اوراسی سے اس کی بیوی کو پیدا کرکے ان دونوں سے بہت سے مرداورعورتیں پھیلادیں،اس اللہ سے ڈروجس کے نام پرتم ایک دوسرے سے مانگتے ہواوررشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تم پرنگہبان ہے)۔

اس تمہید کے بعدمزید یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اس رشتے کو پائیداروستحکم بنانے اوراسے

(۱)النساء[۱]

قائم ودائم رکھنے کیلئے شوہراور بیوی میں سے ہرایک کواس بارے میں اسلامی آداب واخلاق' نیز ان حقوق وفرائض کا علم ہونا چاہئے جواس سلسلے میں اسلامی شریعت میں مقرر کئے گئے ہیں،ان اسلامی آداب واخلاق سے آگاہی اوران کی پابندی' نیز ان حقوق وفرائض کی مکمل اورمخلصانہ طور پرادائیگی میں ہی شوہراور بیوی کی صلاح وفلاح اوران کے اس مقدس رشتے کی پائیداری واستحکام کا راز پوشیدہ ہے۔

اس سلسلے میں مختصر تذکرہ درجِ ذیل ہے:

شوہرکے ذمے بیوی کے حقوق:

اسلامی تعلیمات کی رو سے شوہر کے ذمے بیوی کے حقوق دوقسم کے ہیں:

(۱)مادی(یا:مالی)حقوق(۲)معنوی حقوق۔

(۱)مادی حقوق:

☆ مہر: اس مقدس رشتے کی ابتداء میں ہی عورت کی عزت وتکریم کے طور پرشوہر کیلئے ''مہر'' کی ادائیگی ضروری ہے،تاکہ اس طرح بیوی کی دلجوئی ہوسکے اوراسے شوہر کے دل میں اپنی قدرومنزلت کا خوشگواراحساس ہو۔

نیز عورت کی مزید عزت افزائی کی غرض سے اس مہرکو خالصۃً عورت کا ذاتی حق اوراس کی ملکیت قرار دیا گیا،لہٰذا اس پرصرف عورت ہی کا حق ہوگا اور یہ صرف اسی کے قبضۂ تصرف میں رہے گا،اس کے والدین' اس کے شوہر' یااورکسی کواس میں ذرہ برابرتصرف کی قطعاً اجازت نہیں۔

شوہر کیلئے شرعاً اس مہر کی ادائیگی لازمی ہے،اس معاملے میں کسی قسم کی ٹال مٹول یاحیلے بہانے بنانے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔

البتہ اگر بیوی مکمل مہر یا اس کے کچھ حصہ کی ادائیگی میں برضا ورغبت کچھ مہلت دینے پر آمادہ ہوجائے تو ایسے میں مہر کی اس طے شدہ مقدار کو ''مؤجل'' کردینے کا شرعاً جواز ہے۔

اسی طرح اگر بیوی کسی دباؤ یا جبر کے بغیر خالصۃً اپنی خوشی ورضامندی کے ساتھ حقِ مہر یا اس کے کچھ حصہ سے دستبردار ہوجائے تو شوہر کیلئے اس سے استفادہ درست ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحلَةً فَإِن طِبْنَ لَكُم عَن شَيْءٍ مِّنهُ نَفساً فَكُلُوهُ هَنِيْئاً مَّرِيْئاً﴾ (۱) ترجمہ:(عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہوکر کھاؤ پیو)

☆بنیادی ضروریات کی فراہمی:

شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کیلئے اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق بنیادی ضروریات کی فراہمی کا انتظام کرے ،مثلاً: نفقہ اور سُکنیٰ (یعنی قیام وطعام) نیز لباس اور علاج وغیرہ۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِن حَيثُ سَكَنتُم مِن وُّجْدِكُم﴾ (۲) ترجمہ:(تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان[بیویوں] کو بھی رکھو)

نیز ارشاد ہے: ﴿لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ، وَمَن قُدِرَ عَلَيهِ رِزقُهُ فَلْيُنْفِق مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ﴾ (۳) ترجمہ:(کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہئے ،اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہئے کہ جو کچھ اسے اللہ نے دے رکھا ہے اسی میں سے[حسبِ حیثیت] خرچ کرے)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(وَلَهُنّ عَلَيكُم رِزقُهُنَّ وَكِسوَتُهُنَّ بِالمَعرُوفِ)(۴)

(۱)النساء[۴] (۲)الطلاق[٦] (۳)الطلاق[۷] (۴)مسلم[۱۲۱۸]

ترجمہ:(اور تمہارے ذمے ہے اُن کا کھانا اور لباس، بہتر طریقے سے) (۱)

(۲) معنوی حقوق:

☆حسنِ معاشرت: معنوی حقوق میں اہم ترین چیز ''حسنِ معاشرت'' ہے۔یعنی بیوی کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک اور شریفانہ برتاؤ رکھا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالمَعرُوفِ﴾ (۲) ترجمہ:(تم ان [بیویوں] کے ساتھ گذران کرو اچھے طریقے سے)(۳)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(خَیرُکُم خَیرُکُم لِأَهلِهٖ) (۴) ترجمہ:(تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک اچھا ہو)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:(اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً) (۵) ترجمہ:(عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں تم میری وصیت قبول کرو)

اسی طرح ارشاد ہے:(فَاتَّقُوا اللّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُم أَخَذتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّهِ وَاستَحلَلتُم فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّهِ) (۶) ترجمہ:(عورتوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں تم اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ تم نے انہیں حاصل کیا ہے اللہ کی امانت کے طور پر، اور تم نے انہیں اپنے لئے جائز وحلال بنایا ہے اللہ کے نام پر)۔

(۱) یعنی شوہر کسی ٹال مٹول اور حیلے بہانے کے بغیر عمدہ اور شریفانہ طریقے سے بیوی کو کھانا اور لباس مہیا کرے۔

(۲) النساء[۱۹]

(۳) غورطلب بات ہے کہ وہ معاشرہ جہاں عورت کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں تھی ،اور جہاں بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا وہاں قرآن کریم میں عورت کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ تاکیدی حکم دیا گیا۔

(۴) ترمذی[۳۸۹۵] (۵) بخاری[۵۱۸۵] کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء (کتاب:۶۷، باب:۸۰)

(۶) مسلم[۱۲۱۸] باب حجۃ النبی ﷺ۔

شوہر اور بیوی کے اس مقدس رشتے کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک اور مستحکم و پائیدار بنانے کی غرض سے قرآن وحدیث میں ایک زریں اصول یہ بتایا گیا ہے کہ بیوی کی محض خامیوں پر ہی نظر نہ رکھی جائے بلکہ اس کی خوبیوں کو بھی دیکھا جائے، ان خوبیوں پر اس کی قدردانی کی جائے، کیونکہ یہ بات تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی انسان میں صرف خامیاں یا صرف خوبیاں ہوں، ہر انسان میں خامیاں اور خوبیاں دونوں ہی چیزیں موجود ہوا کرتی ہیں، یہی قانونِ قدرت ہے، لہٰذا ہمیشہ بیوی کے عیوب ونقائص اور اس کی خامیوں پر ہی نظر رکھنے اور اسے لعن طعن کرنے کی بجائے اس کے محاسن کو بھی تلاش کیا جائے، اس کی خوبیوں پر اس کی تعریف کی جائے اور خوشی کا اظہار کیا جائے، تاکہ اس نازک رشتے میں کدورت ورنجش کی بجائے خوشگواری وآسودگی پیدا ہو سکے۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (۱) ترجمہ: (اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو؛ جبکہ اللہ نے اس میں تمہارے لئے بہت ہی بھلائی رکھی ہو)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ، إِنْ كَرِهَ مِنهَا خُلُقاً رَضِيَ مِنهَا آخَرَ) (۲) ترجمہ: (کوئی مؤمن [شوہر] اپنی مؤمنہ [بیوی] کو ناپسند نہ کرے، کیونکہ اگر اس کی کوئی ایک عادت اسے ناپسند ہو تو یقیناً اس میں کوئی ایسی عادت بھی موجود ہوگی جو اسے پسند ہو)

لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو محض وقتی تفریح کا ذریعہ تصور نہ کرے، نہ ہی اسے محض سامانِ زینت سمجھے کہ جس کی کسی معمولی خامی یا کمزوری کی وجہ سے گویا اس کے گھر کی زینت وآرائش میں

(۱) النساء [۱۹] (۲) مسلم [۱۴۶۹] کتاب الرضاع۔

کوئی نقص پیدا ہوجائے گا، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ بیوی کو بھی خود اپنی طرح انسان ہی تصور کرے، اور اس اٹل حقیقت کو خوب ذہن نشیں رکھے کہ اس دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں جو ہر عیب سے خالی ہو۔

بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق:

☆ اطاعت وفرمانبرداری:

بیوی کے ذمے شوہر کے حقوق کے ضمن میں سب سے اہم ترین چیز شوہر کی اطاعت گذاری، فرمانبرداری اور وفاشعاری ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَىٰ النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَّ بِمَا أَنْفَقُوا مِن أَمْوَالِهِم ، فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ (۱)

ترجمہ: (مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والیاں ہیں، خاوند کی غیر موجودگی میں بحفاظتِ الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں)

اس آیت سے صراحۃً مرد کی ''قوامیت''، یعنی اپنے گھر میں اس کی ''حکمرانی'' ثابت ہوتی ہے۔

لیکن اس ''قوامیت'' سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ مرد اپنے گھر میں مطلق العنان حکمران اور ہر سیاہ وسفید کا مالک بنا رہے، اور یہ کہ بس ہر وقت ڈنڈا اٹھائے ہوئے دندناتا ہی پھرا کرے.....!

بلکہ اس قوامیت سے مراد یہ ہے کہ گھر کے انتظامی امور میں اس کی رائے کو اور اسی کی مرضی

(۱) النساء [۳۴]

کوفوقیت حاصل ہوگی، ساتھ ہی اس فوقیت کی دو وجوہات بھی بیان کردی گئیں، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ: ''بما فضل اللہ بعضہم علیٰ بعض'' یعنی اللہ نے ہی مرد وعورت میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطاء فرمادی ہے، اوراسی فضیلت میں ہی یقیناً یہ بات بھی شامل ہے کہ مرد وعورت دونوں کی جسمانی ساخت اور ذہنی کیفیات کومدِ نظر رکھتے ہوئے انتظامی امور چلانے کیلئے مطلوبہ ہمت وطاقت قدرتی اور فطری طور پر مرد کو ہی عطاء کی گئی ہے۔

دوسری وجہ یہ بیان کی گئی: ''وبما أنفقوا من أموالہم'' یعنی: ''مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں''۔

درحقیقت انسانوں کے خالق ومالک کو اپنے پیدا کردہ انسان کی فطرت وطبیعت اوراس کی پیدائشی وقدرتی صلاحیتوں کے بارے میں خوب علم ہے، اوروہ خود انسان سے بھی بڑھ کر اس بات سے واقف ہے کہ انسانوں میں سے کس کیلئے کیا چیز بہتر ہے اور کون کس ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھا سکتا ہے؟

چنانچہ اپنے اسی علمِ کامل کی بناء پر ہی اس علیم وخبیر کا فیصلہ یہ ہے کہ مرد گھر سے باہر محنت ومشقت، بھاگ دوڑ، جدوجہد اور کسبِ معاش کی ذمہ داری اٹھائے، اورعورت امورِ خانہ داری اور بچوں کی تربیت ونگہداشت کا فریضہ انجام دے۔

☆.....گھر سے باہر محنت ومشقت کرکے گھر والوں کیلئے پیسہ کما کر لانا اور روزی روٹی کا انتظام کرنا جب مرد کی ذمہ داری قرار پائی ہے تو پھر انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ گھر میں اسی کی مرضی اوراسی کی رائے کو فوقیت بھی حاصل ہو، کیونکہ یہ تو بڑی ہی ناانصافی ہوگی کہ مرد دن بھر خون پسینہ بہا کر جن بیوی بچوں کی خاطر روپیہ پیسہ کماتا ہے، گھر واپس لوٹنے پر اپنے انہی بیوی بچوں کے سامنے ہی اس کی مرضی اور رائے کی کوئی اہمیت ووقعت نہو، اور وہاں

مرضی ان لوگوں کی چلتی ہو جن کا پیٹ بھرنے کیلئے وہ شب وروز خود کو ہلکان اور نڈھال کئے رکھتا ہے.....!

☆.....اور پھر اس گھر کی تیاری اور اس میں موجود سامان اور مال واسباب کی خریداری کیلئے تمام اخراجات کا انتظام بھی تو شوہر ہی کرتا ہے، لہٰذا اپنے اسی گھر میں ہی اگر شوہر کی بجائے کسی اور کی مرضی چلنے لگے تو یہ سراسر ناانصافی ہوگی۔

☆.....اس کے علاوہ یہ کہ شوہر اور بیوی کا یہ رشتہ قائم کرتے وقت ''مہر'' شوہر نے ادا کیا، دیگر تمام مالی اخراجات بھی اسی کے ذمے رہے، لہٰذا اب انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اسی کی مرضی اور رائے مقدم رہے۔

اس کے بعد مذکورہ آیت: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَىٰ النِّسَاءِ.....﴾ میں نیک عورتوں کی صفات کے بیان میں یہ بات ذکر کی گئی کہ وہ ''فرمانبرداری کرنے والیاں ہیں'' یعنی اللہ کی بھی فرمانبرداری، اور اپنے شوہر کی بھی فرمانبرداری۔ نیز یہ کہ وہ ''شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والیاں ہیں'' یعنی عفت وعصمت کی حفاظت' شوہر کی عزت کی حفاظت' اس کے گھر کی حفاظت' اس کے مال واسباب کی حفاظت' اور اس کے بچوں کی حفاظت۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (إِذَا صَلَّتِ المَرأَةُ خَمْسَهَا وَ صَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَت فَرْجَهَا وَ أَطَاعَت زوجَهَا قِيلَ لَهَا ادخُلِي الجَنَّةَ مِن أَيِّ أَبوَابِ الجَنَّةِ شِئتِ) (۱) ترجمہ: (عورت اگر پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھے، اور اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی رہے' تو اسے قیامت کے روز کہا جائے گا کہ: ''جنت کے جس دروازے سے چاہو تم جنت میں

(۱) احمد [۱۶۶۱] وابن حبان۔

داخل ہوجاؤ'')۔

نیز ارشاد ہے:(أَيُّمَا امرَأَةٍ مَاتَتْ وَزوجُهَا رَاضٍ عَنهَا دَخَلَتِ الجَنَّةَ) (۱) ترجمہ:(جس عورت کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو، وہ جنت میں داخل ہوجائے گی)

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:(لَو كُنتُ آمِراً أَحَداً أَن يَسجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ المَرأَةَ أَن تَسجُدَ لِزوجِهَا) (۲) ترجمہ:(اگر [اللہ کے سوا] کسی کیلئے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)

شریف، نیک، پارسا و پرہیزگار اور اطاعت گذار و فرمانبردار عورت کی اعلیٰ قدر و منزلت اور بلند رتبہ و مقام کے بارے میں خاتم الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین علیہ افضل الصلاۃ واتم التسلیم کی یہ معروف حدیث ملاحظہ ہو جس میں آپ ﷺ نے نیک وصالحہ عورت کو دنیا کی سب سے بہترین نعمت اور قیمتی ترین سرمایہ قرار دیا ہے، ارشاد نبویؐ ہے: (خَيرُ مَتَاعِ الدُّنيَا : المَرأَةُ الصَّالِحَةُ) (۳) ترجمہ:(دنیا کی سب سے بہترین نعمت ''نیک عورت'' ہے)۔

(۱) ترمذی [۱۱۶۱]

(۲) ترمذی [۱۱۵۹] باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ۔

(۳) مسلم [۱۴۶۷] باب ''خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ''۔

قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک:

دینِ اسلام میں انسان کو اپنے قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی، ان کی عزت وتکریم، خدمت وخبر گیری، دکھ سکھ میں شرکت، اور بوقتِ ضرورت ان کی ہر ممکن مالی واخلاقی مدد واعانت کی بہت زیادہ تاکید وتلقین کی گئی ہے، اور اس چیز کو دنیا وآخرت میں باعثِ خیر وبرکت اور سعادت مندی کا ذریعہ ووسیلہ قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ اس کے برعکس قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی، قطع رحمی، اور ان کی حق تلفی کو انسان کیلئے موجبِ لعنت ونحوست، عمر میں کمی اور رزق میں تنگی وبے برکتی کا سبب بتایا گیا ہے۔

قرآن کریم میں اسی چیز کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اہلِ ایمان کو تنبیہ کی گئی ہے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ وَالأَرحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيكُم رَقِيباً﴾ (۱) ترجمہ: (اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے)

اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَآتِ ذَا القُربَىٰ حَقَّهٗ﴾ (۲) ترجمہ: (قرابت دار کو اس کا حق ادا کرو)

نیز ارشاد ہے: ﴿..... وَآتَى المَالَ عَلَىٰ حُبِّهٖ ذَوِي القُربَىٰ.....﴾ (۳) ترجمہ: (.....اور یہ کہ مال کی محبت کے باوجود جو کوئی اپنے مال میں سے دیتا رہا قرابت داروں کو.....)

اسی طرح قرآن کریم میں اہلِ ایمان کی صفات کے تذکرہ میں ان کی ایک یہ صفت بھی بیان

(۱) النساء[۱] (۲) الاسراء/بنی اسرائیل[۲۶] (۳) البقرۃ[۱۷۷]

کی گئی ہے:﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَن يُوصَلَ﴾ (۱) ترجمہ:(اوراللہ نے جن چیزوں کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے وہ انہیں جوڑتے ہیں)

نیز ارشاد ہے:﴿فَهَل عَسَيتُم إِن تَوَلَّيتُم أَن تُفسِدُوا فِي الأَرضِ وَتُقَطِّعُوا أَرحَامَكُم أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُم وَأَعمَىٰ أَبصَارَهُم﴾ (۲) ترجمہ:(اورتم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو، یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جنہیں بہرا بنادیا ہے اور آنکھوں کی روشنی چھین لی ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(مَن سَرَّهُ أَن يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهٖ وَيُزَادَ فِي رِزقِهٖ فَليَبَرَّ وَالِدَيهِ وَليَصِل رَحِمَه) (۳) ترجمہ:(جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کی عمر طویل ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو، اسے چاہئے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک، اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے)

قرابت داروں میں سے مستحق ومحتاج افراد کی خبر گیری اور ان کی مدد واعانت پر دوہرے اجر وثواب کی خوشخبری دی گئی ہے، ایک ثواب صدقہ وخیرات کا، اور دوسرا ثواب صلہ رحمی کا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:(الصَّدَقَةُ عَلَىٰ المِسكِينِ صَدَقَة ، وَعَلَىٰ ذِي الرَّحِمِ ثِنتَان : صَدَقَةٌ وَصِلَة) (۴) ترجمہ:(کسی مسکین کو صدقہ دینا تو محض صدقہ ہی ہے، جبکہ کسی رشتے دار کو صدقہ دینے میں دو نیکیاں ہیں، یعنی ''صدقہ'' اور ''صلہ رحمی'')۔

☆.....جبکہ اس کے برعکس ''قطع رحمی''، یعنی قرابت داروں سے قطع تعلق، ان کے ساتھ

(۱) الرعد[۲۱] یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں، بلکہ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں۔

(۲) محمد[۲۳] (۳) احمد[۱۳۴۲۵]

(۴) ترمذی[۶۵۸] باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ۔

بدسلوکی، یا کسی بھی شکل میں انہیں صدمہ، نقصان، اور اذیت پہنچانے کو اور ان کی دل آزاری کو گناہِ کبیرہ قرار دیا گیا ہے، اور اس چیز کی نہایت سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے، اس گناہِ عظیم کی قباحت وشناعت کا، نیز اس معاملے کی انتہائی نزاکت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ اس کے مرتکب شخص کیلئے آخرت میں گرفت اور عذاب کے ساتھ ساتھ مزید یہ کہ دنیا میں ہی فوری سزا اور تباہی وبربادی کی خبر دی گئی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَا مِن ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ) (۱) ترجمہ: (کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے مرتکب شخص کو اللہ کی طرف سے آخرت میں سزا کے ساتھ دنیا میں ہی فوری سزا دی جاتی ہو، سوائے ظلم وزیادتی کے، اور قطع رحمی کے) یعنی ظلم وزیادتی وناانصافی، اور اسی طرح قطع رحمی کا مرتکب انسان آخرت میں عذاب اور سزا بھگتنے سے قبل دنیا میں بھی اللہ کی طرف سے سزا بھگتے گا، کامیابیوں کے تمام تر اسباب ووسائل کی فراہمی وفراوانی کے باوجود ناکامی، زوال وانحطاط، اور تباہی وبربادی اس کا مقدر بنے گی، یہی قانونِ قدرت ہے، جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو دنیا وآخرت کی بربادی سے محفوظ ومأمون رکھیں۔

(۱) ترمذی [۲۵۱۱] باب: ۵۷ من أبواب صفة القيامة والرقائق والورع۔
نیز: بخاری فی الأدب المفرد [۶۷] باب عقوبة قاطع الرحم فی الدنیا۔ (باب نمبر: ۳۳)

پڑوسی کا احترام:

دینِ اسلام کی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں ہر انسان کیلئے سب ہی کے ساتھ عزت واحترام کا برتاؤ رکھنا' ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی وخندہ پیشانی سے پیش آنا اور کسی بھی قسم کی بدسلوکی' اذیت رسانی اور نقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے۔

البتہ چونکہ کسی بھی انسان کی خوش اخلاقی یا بداخلاقی سے دیگر عام انسانوں کی بنسبت اس کے پڑوسی براہِ راست متأثر ہوتے ہیں' اس لئے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خوش اخلاقی کی خاص تاکید وتلقین کی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوا بِهٖ شَيئاً وَّبِالوَالِدَينِ اِحسَاناً وَّبِذِي القُربَىٰ وَاليَتَامَىٰ وَ المَسَاكِينِ وَالجَارِ ذِي القُربَىٰ وَالجَارِ الجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَت أَيمَانُكُم اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ مَن كَانَ مُختَالاً فَخُوراً﴾ (۱) ترجمہ: (اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو، اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے اور ان سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا)

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ پڑوسیوں کے تین درجات ومراتب ہیں: سب سے پہلا درجہ ہے: وَالجَارِ ذِي القُربَىٰ یعنی وہ پڑوسی جس کے ساتھ رشتہ

(۱) النساء[۳۶]

داری کا تعلق بھی ہو، اس پڑوسی کے ساتھ دوہرا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا مقام ورتبہ اور اس کا حق بھی زیادہ ہے، لہٰذا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔

دوسرا درجہ ہے: وَالْجَارِ الْجُنُب یعنی محض برابر میں رہنے والا، یا ہمسایہ، یعنی وہ شخص جو صرف پڑوسی ہے اور اس کے ساتھ رشتہ داری کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ضروری ہے، اگرچہ وہ غیر مسلم ہو۔

تیسرا درجہ ہے: وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ یعنی وہ شخص جو مختصر مدت کیلئے اور محض تھوڑی سی دیر کیلئے قرب وجوار میں موجود ہو، مثلاً ہم جماعت افراد، ہم پیشہ لوگ، دفتر کے ساتھی، یا کسی مسافر خانے میں، ہوائی جہاز میں، ریل میں یا بس میں آس پاس موجود لوگ، یا کسی جگہ قطار میں لگے ہوئے کچھ لوگ جو ساتھ ساتھ کھڑے ہوں، اگرچہ باہم ایک دوسرے کیلئے وہ سب اجنبی ہوں، نہ کسی کا نام معلوم ہو، نہ یہ علم ہو کہ ان میں سے کس کا کیا مذہب ہے؟ کس ملک یا کس علاقے سے تعلق ہے.....؟ مگر مذکورہ بالا آیت کی رو سے وہ سب بھی باہم ایک دوسرے کیلئے ''پڑوسی'' ہیں اور ان کیلئے آپس میں حسنِ سلوک اور عزت واحترام کا رویہ رکھنا نیز باہم بدسلوکی وایذاء رسانی سے باز رہنا ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: (مَن كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَاليَومِ الآخِرِ فَلَا يُؤذِ جَارَهُ (۱) ترجمہ: (جو کوئی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے)

نیز ارشاد ہے: (وَاللّٰهِ لَا يُؤمِن ، وَاللّٰهِ لَا يُؤمِن ، وَاللّٰهِ لَا يُؤمِن ، قِيلَ : مَن يا رَسُولَ اللّٰه؟ قَالَ : اَلَّذِي لَا يَأمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ) (۲) ترجمہ: (اللہ کی قسم وہ

(۱) بخاری [۶۰۱۸] کتاب الادب۔ نیز: مسلم [۴۷] کتاب الایمان۔ (۲) مسلم [۴۶]

شخص مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ شخص مؤمن نہیں، عرض کیا گیا: یارسول اللہ !وہ کون شخص ہے؟ آپؐ نے ارشادفرمایا: ''وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اورایذاءرسانیوں سے محفوظ نہوں'')۔

اسی طرح ایک باررسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نفل نماز روزہ اورصدقہ وخیرات وغیرہ کا اہتمام والتزام کرتی ہے، مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کی تلخ کلامی اورزبان درازی کی وجہ سے بہت بیزار رہتے ہیں۔آپ ﷺ نے یہ سُن کرفرمایا: هِيَ فِي النَّار یعنی: ''اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے''۔

اس کے بعدکسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ نفل عبادات کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کے حسنِ سلوک کی وجہ سے آسودہ ومطمئن ہیں، آپؐ نے فرمایا: هِيَ فِي الجَنّة یعنی: ''یہ عورت جنت میں جائے گی''۔(۱)

اسی طرح ارشادہے:(مَا آمَنَ بِي مَن بَاتَ شَبعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلیٰ جَنبِهٖ وَهُوَ يَعلَم) (۲) ترجمہ:(اس شخص نے مجھ پرایمان قبول نہیں کیاجورات کوپیٹ بھرکرسوجائے،حالانکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہواوراسے اس بات کاعلم بھی ہو)۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاۤ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ، وَتُبْ عَلَيْنَاۤ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ،

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ،

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ .

(۱)احمد[۹۶۷۳]

(۲)مجمع الزوائدجلد:۱صفحہ:۱۶۷بحوالہ: الطبرانی والبزار۔نیز: بخاری فی الأدب المفرد[۱۱۲]بعض روایات میں ''ما آمن بي'' کی بجائے ''لیس منا'' اور''الی جنبہ'' کی بجائے ''الی جانبہ'' کے الفاظ واردہوئے ہیں۔

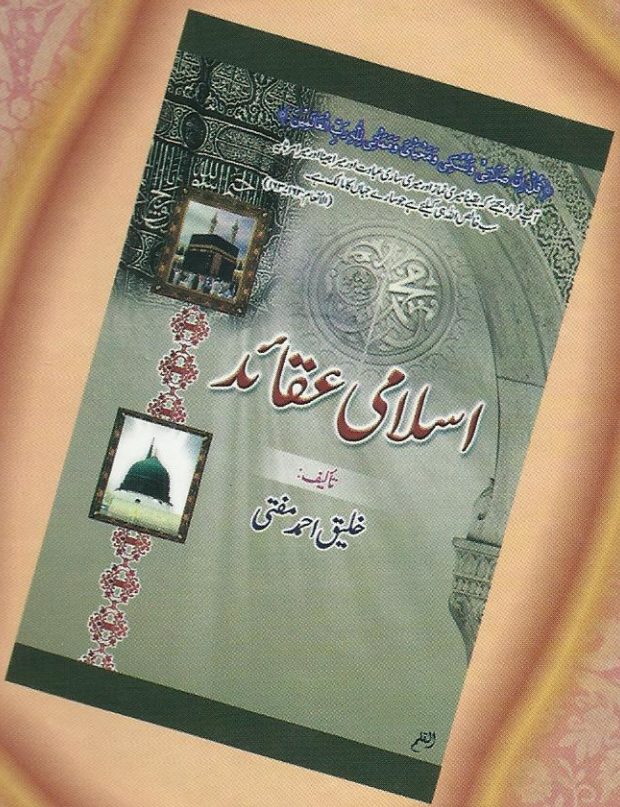
اسلامی عقائد
تالیف:
خلیق احمد مفتی